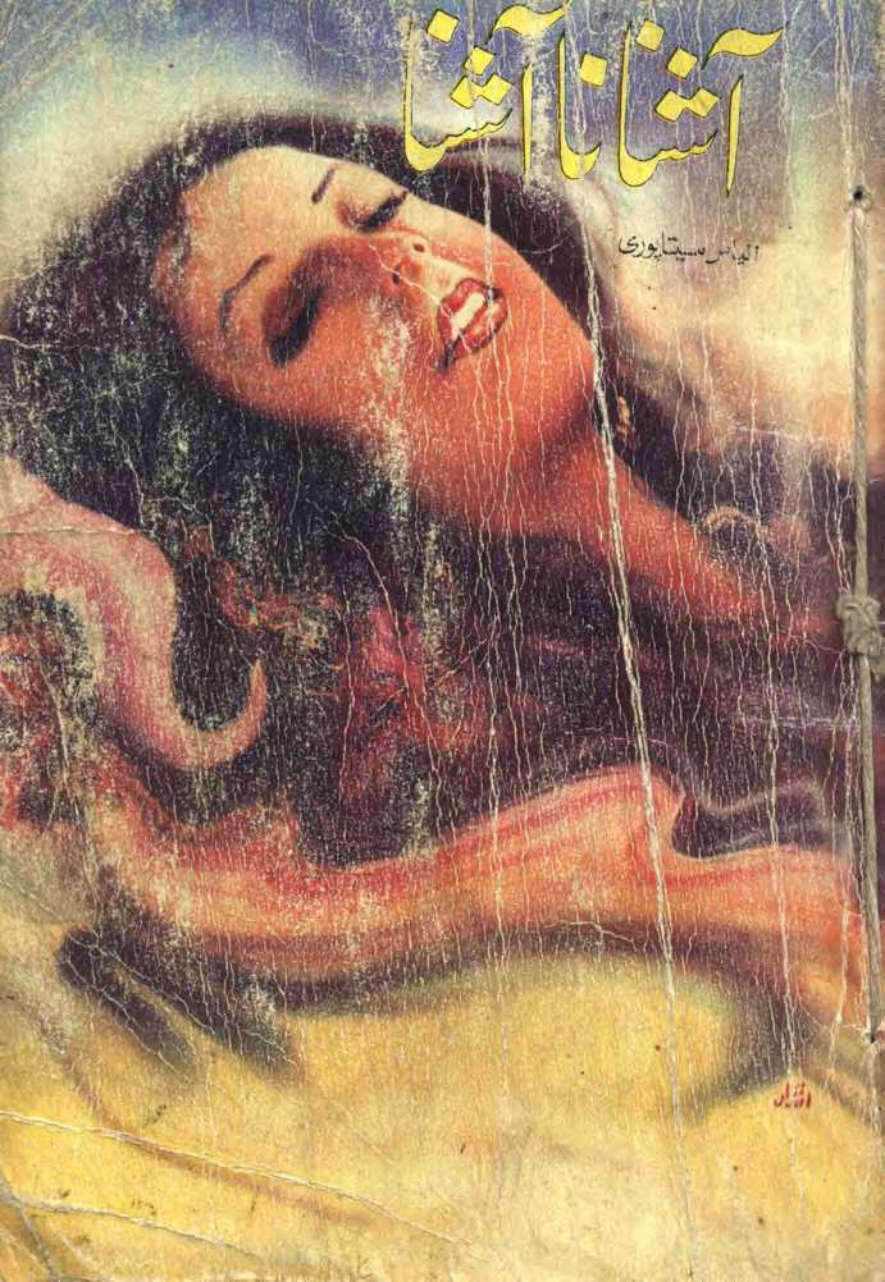


آشنا نا آشنا

ایمان سیتاپوری



آشنا

آشنا نا آشنا



مسکندہ لودھی کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کے بیٹے ابراہیم لودھی نے اقتدار سنبھالا، ابراہیم لودھی اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ مسکندہ لودھی کے زمانے تک افغانوں کو بڑا غرور و وقار حاصل رہا۔ ان کے جانشین نے انہیں ان کے حقوق اور اعزاز سے یکسر محروم کر دیا۔ شکی، غیر معمولی انا کا غرور اور ظالم ابراہیم لودھی ان سے ایسے سلوک کرتے تھے کہ ان کے دلوں میں نفرتیں اور کدورتیں جمع ہونے لگیں۔ وہ امراب جو قصر حکومت کے مستون کہلاتے تھے، ابراہیم لودھی کے نظر میں محض معمولی خدمتگار رہ گئے تھے، اور سیاست و تدبیر کے وہ بڑے لوگ جن کی فراست پر نظم و نسق ریاست کا دار و مدار تھا، اب صرف حاشیہ پر ہی تصور کیے جانے لگے تھے۔ بڑے بڑے امراب جو کل تک بادشاہ کے ارد گرد پیش ووزراںو بیٹھا کرتے تھے، اب انہیں یہ حکم ملا تھا کہ وہ بادشاہ سے دس قدم دور ادب سے کھڑے رہا کریں، بات اگر ہو سکی تو تک رہتی تو شاید قدر سے عنیت سمجھی جاتی، لیکن نئے بادشاہ نے اپنے دہشتہ دامادوں اور عزیزوں تک کو معاف نہیں کیا، اس نے بڑے بڑے امراب اور عزیز دہشتہ دامادوں کے نام ایک فرمان جاری کر دیا جس کا مفہوم تھا، ہم فرماں بردار ہند، ابراہیم لودھی صاف صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی دہشتہ داماد نہیں اور اگر بفرض کسی سے کوئی دہشتہ داماد بھی ہے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے۔ کہ وہ بھی بادشاہ کا نوکر ہے اور کسی نوکر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی حیثیت کو ایک لمحے کیلئے بھی اپنے ذہن سے نکالے۔

اس فرمان اور اس اعلان نے افغان امراب اور لودھی فراست داروں میں انتشار اور بے چینی پیدا کر دی۔

تمام امراء ابراہیم لودھی کے مدبر و ادب سے بھی لگا ہیں کئے کھڑے تھے ان میں سے اچانک ایک نوجوان اپنی صف سے نکل کر شاہانہ انداز میں ابراہیم لودھی کی طرف بڑھا اور جا کے اس کے برابر بیٹھ گیا دربار میں ایک بیجان پیدا ہو گیا، آسرا بادشاہ کے حکم کے منتظر تھے۔ ابراہیم لودھی کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے اس بے باک نوجوان کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور اس کا چہرہ اپنے روبرو کے دریافت کیا: تو کون ہے اور تیرا من گستاخی سے مطلب ہے؟

نوجوان نے نہایت سکون سے جواب دیا: مجھے محبت خان موچی کہتے ہیں اور پورا دربار جانتا ہے کہ میں ہیبت خاں کا بیٹا ہوں، وہ ہیبت خان جس نے لودھی خاندان پر اپنی جان قربان کر دی اور اس کی جگہ میں نے اس دربار میں یہ مرتبہ حاصل کیا۔

ابراہیم لودھی نے غرض دہائی سے کہا: اس ناقابل تلافی جرات کا مقصد؟ محبت خان نے جواب دیا: میں پٹھانوں کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا، بادشاہ کے روبرو ان کا اس طرح دست بستہ کھڑا ہونا افغان امراء کی بے عزتی ہے، معلوم نہیں یہ کیسے افغان ہیں جو اس بے عزتی کو انہیں کرنے پر آمادہ ہو گئے، ورنہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔ پورے دربار پر سناٹا طاری تھا۔ امراء کی غصہ انہیں بے چین کر رہی تھی اور وہ کندھے آچکانے، ہاتھ پیروں کو ہلانے اور بٹکیں جھپکانے پر مجبور تھے، بادشاہ نے گریبان کو جھٹکا دیتے ہوئے دریافت کیا: تو جانتا ہے ہم اس کی کیا سزا دے سکتے ہیں؟

محبت خان نے لا پرواہی سے جواب دیا: زیادہ سے زیادہ قاتل کی سزا لیکن آپ بھی یہ باتیں نہیں رکھیں کہ میں نے اپنے نام کے ساتھ فقط "موچی" بھی لگا رکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں موت سے نہیں ڈرتا، آپ مجھے شوق سے قتل کر دیں لیکن میرا قاتل افغان امراء اور آپ سے لودھی قرابت دار ہیں بے چینی اور بغاوت کی نڈھ پھونک دے گا، اور یہ آپ کی ذات اور آپ کی حکومت کے حق میں ایک بدترین خال ہوگی؟

ابراہیم لودھی نے اسے امراء کی طرف دھکیل دیا اور امراء کو حکم دیا۔

۱۔ احمد کو زبردستی کھڑا رکھا جائے گا۔

امرا نے اسے بچھڑایا محبت نے اس نے آزادی کے لئے بڑی جہد و جہد کی
لیکن اسے چھوڑا نہیں گیا، بادشاہ کا مارے غصے کے برا حال تھا اس نے جنوں
میں چیخ کر حکم دیا اس کی جائیداد و دارالملک کو بھتی حکومت ضبط کر لی جے۔
محبت خان نے جوش میں جھٹکے دے دیکر چھڑانے کی کوشش کی اور ججھا
بھی قتل کر دیا، بھجے جان سے مار دیا، مجھے ہلاک کر دیا۔
نہیں رہنا چاہتا، مجھے مار دیا، ہلاک کر دیا۔

اب ابراہیم لودھی شاید اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا لیکن اس وقت
خان جہاں لودھی نامی ایک امیر و قدم آگے بڑھا اور چہرہ آور اٹھ کے، بادشاہ
کے قریب جانے کی اجازت طلب کی، بادشاہ نے اسے قریب آئے کو اشارہ کیا،
خان جہاں لودھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا بادشاہ کے قریب پہنچ گیا اس نے بادشاہ
کا سیدھا ہاتھ پاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگا کر بوسہ دیا اور آہستہ سے عرض کی
”جہاں پناہ کو بظاہر مشورے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی محبت خان کے
بارے میں ناچیز کے ذہن میں ایک ایسی تجویز آگئی ہے کہ شاید حضور بھی اسے
بے حد پسند فرمائیں“

ابراہیم لودھی غصے میں تھک کر کانپ رہا تھا اس نے دانت پیستے ہوئے
کہا: اس ناچیز کی مایا پاک جسارت اور احمقانہ جرات کی سزا قتل کے سوا کچھ
اور نہیں ہو سکتی۔

خان جہاں لودھی نے ایک بار پھر بادشاہ کے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کی
پشت کو بوسہ دیا اور عرض کیا، خاک رکھو تنہا میں عرض کرنا چاہتا ہے۔
بادشاہ نے حکم دیا: تھللیہ۔

اور امرا اس طرح سمٹ کر نظروں سے اڑھل چو گئے گویا وہ وہاں
تھے ہی نہیں، خان جہاں لودھی نے مکر و دہداری امرا کی خان سنان جگہ کو دیکھا
اور بادشاہ سے عرض کیا، حضور دانا، محبت خان کی جسارت اور احمقانہ جرات کی
معمولی ترین سزا جو ہو سکتی ہے وہ قتل ہے لیکن وہ اس سے بڑی سزا کا مستحق ہے۔
”یعنی“ بادشاہ نے جہت سے پوری آنکھیں کھول دیں ”یعنی قتل سے بڑی
سزا کیا ہو سکتی ہے؟“

خان جہاں لودھانے عرض کیا: "حضور والا! افغانوں کو جو بدترین سزا دی جاسکتی ہے وہ ایک ایسی سزا ہے جو ایک افغان کو غیرت اور حیثیت سے محروم کر دے۔"
بادشاہ نے کہا: "مجھ سے پہلیاں نہ بچاؤ، بلکہ یہ بتاؤ کہ وہ کون سی سزا ہے جو افغان کے اس کی غیرت اور حیثیت کو چھین لے؟"

خان جہاں نے کہا: "ان دلوں حاجی پور کی جاگیر مرحوم امیر کی لودھوں، بیوہ بخششی بیگم کے زہرا نرنگا سے کہتے ہیں یہ بیوہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ہر سے عجیب و غریب خیالات کی مالک ہے۔"

بادشاہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا: "خان جہاں! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"
خان جہاں نے آہستہ سے جواب دیا: "محبت خان کو جلا وطنی کا حکم شایاں دیا جائے اور اسے صاف صاف یہ بتا دیا جائے کہ یہ جلا وطنی کا خانہ حاجی پور میں گزارا جائے گا اور حضور والا! یہ سرکش نادان افغان اگر واقعی غیرت مند ہے تو حاجی پور کی بیوہ جاگیر دار بخششی بیگم کی ملازمت سے کٹائے گا اور اگر اس کی غیرت و حیثیت بھی کاغذی پھولوں کی طرح خوشبو سے محروم ہے تب پھر اس جاگیر دار بیوہ کی ملازمت میں چلے جانے کے بعد اس کی اخلاقی غیرت اور حیثیت اس جبری طوطی مجروح ہوگی کہ یہ کسی افغان امیر سے آنکھ تک نہ ملا سکے گا۔"

بادشاہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر ہلکی سی مسکراہٹ نے چہرے کو نرم اور خوش اخلاق بنا دیا۔ اس نے پوچھا: "یہ بخششی بیگم کس قسم کی عورت ہے؟"

خان جہاں نے جواب دیا: "حضور والا! اس عورت کی جس خصوصیت اور خوبی سے ہمیں کام لینا ہے وہ یہ ہے کہ بخششی بیگم کسی ایک مرد سے محبت کرنے کی قابل نہیں ہے۔ سننے میں آئے کہ وہ بیک وقت کئی کئی مردوں سے عشق کرنے کی قابل ہے۔ اس زاپیر کو یقین ہے کہ اگر محبت خان اس کے دربار میں پہنچ گیا تو بخششی بیگم اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اور یہ لودھوں بھی اس کی زبھوں کا اسیر ہو کر ایسی ایسی بے غیرتی کی حرکتیں کرے گا کہ بس مزہ آجائے گا۔"

بادشاہ کچھ دیر اس سزا پر غور کرتا رہا پھر مابہمیں تمہاری یہ سزا پسند آئی۔ تم ان سبھوں کو دوبارہ دربار میں طلب کر کے محبت خان دہراؤنا دو۔"

خان جہاں نے بادشاہ کی طرف سے نالی بجائی، نام حاضر ہوتے آکر کمر دربار میں دوبارہ حاضری دینے کا حکم سنایا اور غور سے دربار میں دوبارہ پھر آباد ہو گیا۔ خان جہاں نے دہراؤنا بادشاہ کا فرمان سنایا۔

”ایک بادشاہ کسی ملک کا صرف حکمراں ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی رعایا کا باپ بھی ہوتا ہے۔ اسی نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے بادشاہ نے محبت خان کو حکم دیا ہے کہ محبت خان فوراً آگمرے کو چھوڑ دے اور حاجی پور کی جاگیر میں چلا جائے اور تا حکم ثانی وہیں موجود رہے۔“

محبت خان نے سکون دل سے اپنی سزا سنی اور کہا: ”اگر میں یہ سزا تسلیم نہ کروں تو؟“

خان جہاں نے جواب دیا: ”یہ تمہاری نادانی ہے۔ تم سزا کی نمری پر غور کرو اور اسی وقت حاجی پور جا کے بخشنی بیگم کی ملازمت کر لو۔“

محبت خان نے نمری سے جواب دیا: ”میں ایک عورت کی ملازمت نہیں قبول کر سکتا۔“

خان جہاں نے افسوس کرتے ہوئے کہا: ”محبت خان! تمہاری نمری اور ناخبرہ کلاہ تمہیں کہیں کا بھی نہ رکھے گی۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے بھلا کو کہہ رہا ہوں۔“

محبت خان نے بادشاہ کو مخاطب کیا: ”حضور دلا! آج میں گھر سے یہ سوچ کر حاضر ہوا تھا کہ مجھے دایس مہنیں آملے ہیں۔ میں افغان امراء کی بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ مغل افواج ہندوستان کے دروازوں پر کھڑی ہیں، افغان اتحاد اور اتفاق سے متحد ہو چکے ہیں، جہاں بڑا اپنی انا اور غرور کے شکار ہو چکے ہیں۔ میں نے کوشش کی تھی کہ دربار میں غیر معمولی جہت و جسامت کا قدم اٹھا کر افغان امراء میں غیرت کو بیدار کروں اور جہاں بڑا کے غرور کو پاش پاش کر دوں لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا وہ ہے کہ افسوس ناک ہے افغان امراء باہر سے جوتے تو بے نیتری سے کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہیں اور میرا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ اکہلا چڑا بھارت نہیں چھوڑ سکتا۔“ پھر نہایت دکھ سے گردن جھکا کر لولا: ”اگر مجھے یہ یقین ہو جاتا کہ میری جان کی قربانی افغان امراء کے مرض ہزدلی اور بے عزتی کو دور کر دے گی تو میں اپنی جان دینے کو بھی تیار ہوں، لیکن میں جانتا ہوں کہ ہمارا مرض اپنے آخری درجے میں ہے اور میری جان لے کر ہی ٹلے گا۔“ پھر خان جہاں سے کہا: ”میں بخشنی بیگم کی جاگیر میں جلتے کو تیار ہوں ابھی اسی وقت!“

خان جہاں نے بادشاہ کی ایما پر بخشنی بیگم کے نام ایک فرمان جاری کیا جس میں حاجی پور کی جوت کو حکم دیا گیا تھا کہ ”نور علی دیباہ کا محبت خان اس کے پاس آ رہے اور یہ اس وقت تک درہن رہے گا جب تک نور علی دیباہ اس کے نام کوئی دوسرا فرمان جاری نہیں کرتا۔“

محبت خان کے جاتے ہی بادشاہ کے آدمیوں نے محبت خان کی جائداد اور املاک پر قبضہ کر لیا۔ اس کی وہ فیروز خان نے میں ڈال دی گئی اور بہن کو کسی درباری امیر کے حوالے کر دیا گیا۔ باپ کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب محبت خان آگرم سے دودھ ناچی پوتر کے قریب پہنچ چکا تھا۔

پھر پنج پہر ڈیوں کے سب سے بلند حصے میں حاجی پور کا قلعہ مہلوں دودھ سے صاف نظر آیا۔ محبت خان نے دھوپ کی ستاروں سے اپنی آنکھیں کسی درنگ پر رکھی تھیں۔ اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر دی اور پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گیا۔ پہلے پہلے بنے بنے راستوں کے ایک طرف تو پہاڑیوں سے اٹھائے کھڑی تھیں اور دوسری طرف گہرے گہرے منہ گہرے موجود تھے۔ کہیں کہیں مسطحے سبزہ دار بھی نظر آتے۔ ان سبزہ داروں میں سویشیوں کے پورے پورے درختوں کو ہلا ہلا کر اور جسموں کو کھٹکھٹا کر چہرے میں مشغول تھے، کوئی جانور مستحق میں آتا تو دوسرے کے پیٹ سے اپنا منہ ڈاکر اسے دھکیلنے لگتا اور وہ جانور خود کو سنبھالنے کی کوشش میں پھسل پھسل کر بھاگتا۔ کچھ بالور تو سبب نامہ درختوں کے ساتھ ہیں بیٹھ کر جگالی کر رہے تھے۔ سویشیوں کے رکھوے کو کہیں پہن نہ تھا۔ محبت خان نے گھوڑے کی رفتار مست کر دی اور بھل بھل کر اوپر چڑھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد چار گھوڑے سوار گھوڑوں کو سر پرٹ لگا کر تے سواروں نے اور انہوں نے محبت خان کو اپنے گھبرے میں لے لیا۔ انہوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں محبت خان بھی کسی سے کم نہیں تھا، اس نے بھی تلوار سونت لی مابک سوار ذرا آگے بڑھا اور محبت خان سے سوال کیا۔ "قاصد یا کچھ اور؟"

محبت خان نے جواب دیا۔ "قاصد نہیں تو دعویٰ دربار کا معترب اور جلا وطن۔ میں قلعے کی چودے مناجا پتا ہوں۔"

سوار نے دریافت کیا۔ "جلا وطنی کے لئے تم نے حاجی پور بھی کوہوں پس کیا؟" محبت خان نے جواب دیا۔ "جلا وطنی کے لئے بادشاہ نے خود ہی حاجی پور کو تاحرر کیا ہے؟"

اس کے بعد اس نے ابراہیم لودھی کا فرمان اس سوار کے سامنے پیش کر دیا۔ فرمان پڑھ چکنے کے بعد سوار گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اور محبت خان کو بھی نیچے اتار لیا۔ اس نے محبت خان کو اپنے گھلے سے لگایا اور مسکراتا ہوا بولا۔ "یہ سزا یقیناً خان جہاں دھانی نے تجھ پر کی ہو گی؟"

محبت خان نے سرسری انداز میں جواب دیا: ”ہاں۔ بس وہی ایک ہم افغان امراء کا
ہمدرد باں رہ گیا ہے۔ دوسرے سبھی نفسا نفسی کے شکار ہو چکے ہیں۔“

سوار نے خان جہاں کا مذاق اڑایا، بولا: ”تو جو ن دوست تم خان جہاں کو نہیں سمجھ سکتے
وہ بڑا چالاک امیر ہے، کچھ عرصہ پہلے اُس نے ہی مجھے بھی حاجی بلوہر مدللہ کیا تھا۔ حاجی پور غیرت
منہ اور محمد دار افغانوں کی آزمائش گاہ ہے۔“

”وہ کس طرح؟“ محبت خان نے سوال کیا۔

سوار نے خلوص سے محبت خان کو کتہہ کتہہ سمجھایا اور اپنے گھوڑے کی طرف جاتا
ہوا بولا: ”اب اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ قلعے میں چل کر باتیں ہوں گی۔“

محبت خان اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سوار کی طرف منہ پھیر کے دریافت
کیا: ”تمہیں میری آمد کا پہلے کس طرح چاہا؟“

سوار نے جواب دیا: ”گھر بیٹے سے۔ یہ گھر دیا دونوں ہی کام انجام دیتا ہے
اپنے ریوڑ کی گلہ بان بھی اور جاسوسی بھی۔“ پھر سوال کیا: ”کیا تمہیں یہ جگہ اچھی لگ
رہی ہے؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”دیپسے مناظر کے اعتبار سے تو اچھی جگہ ہے۔ لیون
بھی کچھ کتنا فضول ہے۔“

سوار نے اپنے ساتھیوں کو چلنے کا اشارہ کیا اور بھی ایک ساتھ چل پڑے کچھ دیر خاموش
رہنے کے بعد سوار نے کہا: ”تم نے اپنا کیا نام بنایا تھا؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”محبت خان موچی۔“

”محبت خان موچی؟“ سوار ہنس دیا: ”یہ موچی کا کیا مطلب ہے؟“

محبت خان نے ہنس کر جواب دیا: ”محبت خان تو میرا نام ہے لیکن میں نے اپنے
نام میں موچی کا اضافہ یوں کر کیا ہے کہ میرے مزاج میں موچی بن بہت ہے کبھی کبھی جب
طبیعت مودعہ میں آتی ہے تو میں کسی بھی کام کے پیچھے جن کی طرح لگ جاتا ہوں اور جب بھی
طبیعت اچھا ہو جاتی ہے تو پھر مفتوں کے کام کے تکرار دیتا ہوں۔ میں نے کہا نہیں کہ میں
درا موچی واقع ہوا ہوں، اس لئے نام کے ساتھ فقط موچی کا اضافہ کر دیا۔“

”خوب؟“ سوار ہنسے لگا۔ ”دیپسے میرا نام شادی خان ہے۔“ پھر ہنس کر بولا: ”میں تمہاری
طرح موچی تو نہیں ہوں لیکن ہر وقت خوش ضرور رہنا چاہتا ہوں اور بڑے سے بڑا صدمہ
ہنسی خوشی برداشت کر جاتا ہوں۔“

محبت خان کی نظر پر سترخ پتھروں والے حاجی پور کے قلعے پہنچی ہوئی تھیں۔
 اُس نے بے خیالی میں کہا: ”خوب۔ نام تو تمہارا بھی بہت اچھا ہے، پھر کچھ سرج کس ایک
 غیر متوقع سا سوال کر دیا۔“ یہ حاجی پور کی بیوہ بخششی بیگم کیسی عورت ہے؟“
 شادی خان کے گویا کان کھڑے ہو گئے۔ بولا: ”اچھی عورت ہے۔ کیوں؟ اس
 سوال سے تمہارا مقصد؟“

محبت خان نے کہا: ”بھائی شادی خان! معلوم نہیں مجھے حاجی پور میں کتنے
 عرصے تک رہنا پڑے اور یہاں واسطہ اس خاتون سے پڑے گا۔ بس یہی سرج رہا تھا کہ
 معلوم نہیں یہ کیسی عورت ہے؟“
 شادی خان نے کہا: ”اویسے عورت تو بہت اچھی ہے لیکن ذرا اکل کھری ضرور ہے
 طبیعت میں بے مروتی بہت زیادہ ہے۔“

محبت خان کو اس کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ چھپا سہا ہے شادی
 خان بولتا رہا: ”بہرے دوست! یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ خان جہاں جس امیر کو بھی حاجی پور
 بھیجتا ہے اس کا بس ایک ہی مقصد ہوتا ہے وہ یہ کہ اس امیر کو اس بے مروت اور اکل کھری
 عورت کے ہاتھوں ذلیل و خوار کیا جائے۔“

محبت خان نے اکھڑاؤ کی طرح کہا: ”میں کسی عورت کا سبب داب ملنے سے
 رہا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ اگر اس نے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی تو میں اس کے دو
 ٹکڑے کرنے کے قصہ ہی پاک کر دوں گا۔“

شادی خان کے چہرے کا رنگ بدل گیا، ناگوار لہجے میں بولا: ”ایسا کبھی غضب بھی
 نہ کرنا۔ بخششی بیگم کے پاس پانچ ہزار جیالے ملازم ہیں جن میں کا ایک میں بھی ہوں، وہ
 تمہاری نکال بوتلی کوہ ڈالیں گے۔“

محبت خان نے بے نیازی سے جواب دیا: ”بعد میں کچھ بھی ہو، مجھے اس کی کوئی
 پروا نہیں لیکن میں کسی عورت کے سبب داب میں آنے سے رہا۔“

شادی خان نے کہا: ”بس تم ذرا دور رہنے کی کوشش کرنا، باقی میں منہ جال لوں گا
 تم یہ کوشش بھی کرنے دہنا کہ کسی طرح تمہاری جلا وطنی ختم ہو جائے۔“

محبت خان نے شادی خان کے چہرے کا گہری نظروں سے جائزہ لیا اور اُسے یہ
 شبہ گزرا کہ شادی خان کچھ نہ کچھ اس سے چھپا کر رہا ہے۔ اس نے پوچھا: ”بخششی بیگم
 میرے سپرد کیا کام کرے گی؟“

شادی خان نے کہا۔ ”تمہاری ذمہ داری میں قبول کر لوں گا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ تم اس خیمہ دار کے سامنے جانے سے بچ جاؤ گے۔“

محبت خان نے کہا۔ ”مہیں۔ میں اس سے ضرور ملوں گا اور اسے براہ راست بہرہ لانے کی کوشش کروں گا۔“

شادی خان نے غصے میں کہا۔ ”نہ اسحق ہو۔ میری بات مانتے کیوں نہیں؟“

”میری اپنی ایک شخصیت ہے، مبرا اپنا ایک کردار ہے۔ پھر میں تمہاری بات کس طرح مان لوں؟“

شادی خان نے تیز تیز نظروں سے محبت خان کو گھورا اور پھر گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

جب ان کے سارے اپنے قدموں تلے آئے تھے اس وقت وہ قلعے کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ انہیں مرکز کی پھاٹک پر مرد کا نہیں گیا۔ یہ سب گھوڑے دوڑتے ہوئے پھاٹک میں داخل ہو گئے۔ اور نصف فرزانگ طے کرنے کے بعد وہ اپنی طرف حملات بنے ہوئے تھے انہیں میں سے ایک پتھر نکل کر محل میں بخشی بیگم رہ رہی تھی۔ بخشی بیگم کے محل سے ہزار قدم دور ایک دوسری عمارت موجود تھی۔ یہ حاجی پور کا مہمان خانہ تھا۔ شادی خان نے اسے مہمان خانے میں گھبرا دیا اور خود ادھر ادھر گھومنے لگا۔

مہمان خانے کی روٹیاں کھانے کھانے محبت خان اُٹا گیا اور اسے شرم سی آنے لگی اس نے روٹیاں لانے والے کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ بولا۔ ”بھروسے صاحب! کیا میں تمہارا مالکہ سے بھی مل سکتا ہوں؟“

اس نے جواب دیا۔ ”کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ میں تمہارا پیغام ان تک پہنچا دوں گا۔“

محبت خان نے سونے کا ایک سکہ اپنی جیب سے نکالا اور اسے روٹی والے کی طرف بڑھا دیا۔ بولا۔ ”تم مجھے اپنی مالکہ سے ملو اور، میں یہ سونے کا سکہ تمہیں نذر کرنے کو تیار ہوں۔“

روٹی والے نے جواب دیا۔ ”تم فیکر نہ کرو، میں بہت جلد اس سے تمہاری ملاقات کر ادوں گا۔“

اتنا کہہ کر وہ چلا گیا اور محبت خان اس ملاقات کی گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

سورج ابھی سوا بیڑے ہی چڑھا ہوا تھا کہ بخشش نے اسے طلب کر لیا۔ دو میل
 سواروں نے اسے آگے پیچھے سے گھیر لیا اور اسی طرح محاصرے میں لے کر بخشش کی دیوڑھی
 تک پہنچ گئے۔ وہاں محبت خان سے اٹھ کے ہتھیار لے لئے گئے اور وہ بالکل ہمتا ہو کر
 ایک نیلے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جس کے برابر دالے کمرے کے دروازے پر ایک باریک
 کپڑے کا پردہ بٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف شرخ لباس میں ملبوس بخشش بیگم کی جھلک بھی
 دکھائی دینے لگی۔ جس قسم کا ماحول پیدا ہو گیا تھا اس سے محبت خان کچھ کبیر مرعوب ہو
 گیا۔ بخشش کے سپاہی ہتھیاروں سے لیس بار بار اس کے کمرے میں آ جا رہے تھے۔ بخشش بالکل
 پرہیز کے قریب آ گئی اور اس نے سوال کیا: "بادشاہ نے تمہیں معتوب کیوں کر دیا؟"
 محبت خان نے بادشاہ کی شکایت کی؟ بیگم صاحبہ بادشاہ نے اذان امراء اور
 سرداروں کو ذیل کرنا شروع کر دیا ہے، وہ کہتا ہے اس کا کسی سے کبھی کوئی رشتہ نہیں
 وہ بادشاہ ہے اور سب اس کے ملازم ہیں حالانکہ بیگم نہ احبہ کو اچھی طرح معلوم ہو گا کہ
 جنت مکان فرماں روا تھے ہندو حضرت سکندر کو دھکی کے عہد میں ایسا نہیں تھا اور اگر
 کوہ سبار میں امیر آزاد کرانہ سے بیٹھنے کی اجازت حاصل تھی، اب بادشاہ ہر ایک کو اپنے
 دربار کھڑا رکھتا ہے!"

بخشش نے جواب دیا: "اندر میں کہا: "کلام مختصر کیا جلتے۔ میں طول طویل باتیں
 پسند نہیں کرتی۔"

محبت خان کی انا کو چوٹ لگی، غصے سے چہرہ شرخ ہو گیا، بولا: "یہی صورت
 حال بادشاہ کے دربار بھی پیش آ گئی تھی۔ ایک معزز پٹھان سب کچھ برداشت کر سکتا
 ہے لیکن اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے بادشاہ کے پندار اور حکم کو نوٹ نہ
 لئے گھس کے برابر پیچھلنے کی جسارت کی تھی جس کے عتاب میں مجھے حاجی پور بھی دیا گیا"
 بخشش غالباً ہنس رہی تھی۔ اس کی رسبلی اور مترنم آواز فضا میں رُس اور نفی
 بکھیرنے لگی، وہ کہہ رہی تھی: "محبت خان: تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ بالکل اور نو کمرے میں
 مفظ مراتب بہت ضروری ہے۔ بادشاہ پھر بادشاہ ہے اور ملازم پھر ملازم ہیں ان دونوں
 کو تم ایک سطح پر کس طرح کھڑا کر سکتے ہو؟"

محبت خان نے جوش میں کہا: "بہر حال میں اٹھ بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتا"

بخشی نے کہا: "لیکن حاجی پور میں تمہیں یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ میں خود بھی یہ باتیں بالکل پسند نہیں کرتی۔"

محبت خان نے غصے میں کھڑے ہو جانا چاہا لیکن اس نے اپنے اس پاس کئی مسلح سپاہیوں کو کھڑے دیکھا۔ ان کی معافی ہوئی۔ تلواریں یہ زبان زحال یہ کہہ رہی تھیں کہ خدا بھی ہے جا جبریت سے کام لیا تو ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے۔ وہ ناچار اٹھ کر پھر بیٹھ گیا۔ بخشی بیگم کہہ رہی تھی: "محبت خان! کیا تمہارے گھروں میں بڑوں کا حکم نہیں سنانا چاہتا۔ کیا تم لوگ بچوں کو اتنی چھوٹ سے دیا کرتے ہو کہ وہ اپنے بزرگوں کی بے عزتی اور حکم عا۔ دلی کریں؟"

محبت خان نے جواب دیا: "نہیں، ہمارے گھروں میں بچے گستاخ نہیں ہوتے؛ تب پھر بخشی بیگم نے ہنستے ہوئے کہا: "تم کو اپنے حکمرانوں کے خلاف گستاخیوں کی کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے؟ بادشاہ کے لئے ملک اس کا خاندان ہے اور بادشاہ اس کا سربراہ ہے، پھر خاندان کے لوگوں اس کی عزت کیوں نہیں کریں گے؟"

محبت خان اس دلیل سے بے بس اور لاجواب ہو گیا۔ بخشی نے مزید کہا: "بادشاہ نے اپنے ملازمین پر جو پابندیاں عائد کی تھیں وہ یہاں بھی عائد رہیں گی۔ اور تم کو ہماری غیر مشروط حکومت ماننی پڑے گی، کیونکہ میں یہ قطعی پسند نہیں کرتی کہ ملازمین اپنی من مانی کرتے پھر اس طرح غلامی میں انتشار اور خلعشاد کے پامٹ بن جائیں۔"

محبت خان نے اٹک اٹک کر کہا: "عودت کی حکومت۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک عودت مردوں پر حکومت چلائے اور غیر نمند پٹھان اس بات کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے؟"

بخشی نے بدستور ہنستے ہوئے کہا: "میں حاجی پور نامی خاندان کی سربراہ ہوں اور تم اس خاندان کے ایک معمولی فرد ہو، تمہیں میرا حکم ہر حال میں ماننا پڑے گا ورنہ۔"

"وہ نہ بچاؤ" محبت خان نے غصے میں کھڑے ہو کر پوچھا۔
دو مڑی طرف بخشی بھی کھڑی ہو چکی تھی، اچانک ہائی لائی بوق: "ورنہ یہ کہ تم بیہوش میری قربت سے محروم رہو گے، ہمیشہ مجھ سے دُور رہو گے اور اس خاندان میں تمہاری حیثیت اس ہندواچھوت جیسی ہوگی، جو اعلیٰ ذات والوں کے مالک اٹھ بیٹھ نہیں سکتا۔ تم میری غیایات اور نہر بانیوں سے محروم رہو گے۔"

اس کے فمدا بعد غنچی کسی طرف چلی گئی اور اب باریک پردے کے پیچھے،
 صرخ لباس غائب ہو چکا تھا۔ وہ آزاد جو ابھی ذرا دیر پہلے فضا میں ترنم گھول رہی تھی
 گم ہو چکی تھی۔ اس کے آس پاس متعین سپاہیوں نے اسے مطلع کیا کہ اب اس کا یہاں
 بیچنا یاڑنا فغول ہے۔ وہ شکستہ دل گرفتہ اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے باہر نکل
 آیا۔ وہ ابھی کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ اس نے داہنی طرف کے چھوٹے سے باغیچے میں یہی
 صرخ لباس پھر دیکھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس کے قدم ٹک گئے سپاہیوں
 نے بھی سختی نہیں کی۔ اس نے مدھنوں کی جھیر یوں کے اس پار بجنٹی کو دیکھتے ہوئے دیکھا
 لیکن وہ اندر نہا نہیں تھی۔ اس وقت اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ اس نے پلور سے
 انہماک اور وجہ سے اس دوسرے شخص کو پی پیٹنے کی کوشش کی۔ سپاہیوں نے اسے ٹوک کر
 چلتے رہو، رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

محبت خان نے بے بسی سے سپاہیوں کو دیکھا اور پھر چل پڑا۔ صرخ لباس اب بھی
 متحرک نظر آتا تھا۔ باغیچے کی فضا بخشی سے ترنم فغول سے گزرتے ہوئے تھی۔ اس کے کانوں
 میں مرد کی ہلکی سی آواز آتی۔ "دشمنی ہے، آدمی بننے میں کچھ وقت لگے گا۔"
 محبت خان نے یہ آواز پہچان لی، یہ شادی خان کی آواز تھی۔ وہ گفتگو کا رخ بھی
 پہچان گیا کہ یہ درتے سخن خود اس کی جانب ہے۔

✽

✽

✽

کئی دن تک اس سے کوئی کام نہیں لیا گیا، کھلے پینے کو ملتا رہا۔ کسمرسی وقت
 باہر نکلتا تو جھاڑی مناظر طبیعت میں بڑی نازکی پیدا کر دیتا اور دیر تک جھاڑیوں میں
 تنہا گھومتا رہتا تھا۔ بظاہر تو وہ آزاد نظر آتا تھا لیکن وہ آزاد نہیں تھا اس کی نگرانی سے
 لے کر آس پاس بخشی کے آس پاس جو ضرور رہتے تھے۔ محبت خان سوچتا، وہ ایسی طبیعت
 میں گرفتار ہو گیا ہے۔ بوڑھی دربار میں وہ ایک معزز امیر کی حیثیت رکھتا تھا لیکن حاکم
 میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ یہاں کی یہ نسبت اسے خود ہی دربار بڑا غصہ
 محسوس ہوا۔ شادی خان بھی اس سے سرد مہری بورت لیا تھا۔ ان چند دنوں میں وہ جن
 نفسی کیفیات کا شکار رہا ان میں ایک کیفیت یہ بھی تھی کہ اسے واقعی کسی فیضانی سرمد
 کی حیثیت سے بخشی کا انداز قبول کر لینا چاہیے۔ اس کی بارستی مان لینا اسے بخشی
 رہیلوں نے لا جواب کر دیا تھا اس ٹنڈر ترنم میں ایک اور جذبہ بھی اپنا کام کر رہا تھا بخشی

کی آواز بڑی دلکش تھی اور بارہ ایک پردوں کے پیچھے سے سرخ لباس میں ملبوس جو جسم
 متحرک دکھائی دیا تھا وہ خاصا پُرکشش تھا۔ اسے شادی خان پر دستک آیا کر اسے پیشی کی
 لموتوں میں بھی موجودگی کا شرف حاصل تھا۔ اس کی افلاذی انا جو درج اور منزل نہ ہوتی تھی۔
 اس نے پہاڑیوں کی چوٹیوں کی آڑ سے سوزج کو اچھڑتے دیکھا۔ وہ مشرق میں
 نظریں جمائے کھڑا ہو گیا۔ مودی کے کانوں جیسے بالوں کے ٹکڑے آوارہ درپریشان اڑے چلے
 باسے تھے۔ اس وقت اس کے پاس ایک شخص آیا اس نے محبت خان کو پیشی بیگم کا یہ
 فرمان پہنچایا کہ قلعے کے مشرقی حصے کے جنگلات کا کچھ حصہ کاٹا جا رہا ہے اس کام کی نگرانی
 محبت خان کو کرنی ہے۔ اس فرمان نے اس کی انا پر نہ زنیے کا کام کیا، وہ تعلق گیا، اس کے
 جی ہن آئی کہ وہ اس شخص کو ایک نہ در در پار ہاتھ رسید کرے تاکہ آئندہ وہ کوئی ایسا نذرمان
 لسنے کی ہمت نہ کرے، لیکن مصلحت اندیشی نے اس کے ہاتھ مردک لئے۔ اس نے پوچھا۔
 ”جنگل کی لٹانی میں سے لوگ کئے ہوئے ہیں؟“

آدمی نے جواب دیا: ”نظر بہادرسو آدمی۔“

محبت خان نے پوچھا: ”یہ فرمان کس نے جاری کیا ہے؟“

آدمی نے جواب دیا: ”خادی خان نے!“

محبت خان کو کچھ غصہ چڑھا، بولا: ”یہ شادی خان حکم دینے والا کون
 ہو رہا ہے؟“

آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا، بس اس کی صورت دیکھتا رہا۔

محبت خان نے صاف جواب دے دیا: ”خادی خان سے کہہ دینا محبت
 خان تیرا حکم نہیں لے گا۔“

آدمی نے گڑبگڑائی سے جواب دیا: ”لیکن شادی خان وہی حکم دیتا ہے جو
 بیگم صاحبہ دیتی ہیں۔“

”تب پھر تم اپنی بیگم صاحبہ سے جا کر کہہ دو کہ محبت خان ان کے حکم کے سوا
 کسی اور کا حکم نہیں لے گا۔“

”لیکن جناب!“ یہ شخص بہت پریشان نظر آتا تھا۔ بولا: ”بیگم صاحبہ جو حکم بھی
 دیتی ہیں شادی خان کے ذریعے دیتی ہیں، وہ ہمراہ راست مودی حکم بہت کم دیتی
 ہیں کیونکہ وہ ہر ایک کے سامنے آنا جانا بالکل پسند نہیں کرتی ہیں۔“

محبت خان نے نہ بچ ہو کر کہا: ”بس میں نے جو کچھ کہہ دیا، کہہ دیا، میں خادی خان

کا حکم نہیں مان سکتا ہاں بیگم صاحبہ کا حکم سر آنکھوں پر ہے

اس شخص نے بڑی معنی خیز نظر دل سے محبت خان کو دیکھا پھر بولا کیا آپ واقف
جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں سمجیدہ ہیں؟

محبت خان چیخ پڑا اے ہاں ہاں میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں بالکل سنجیدہ ہوں
تم میری بات سمجھتے کیوں نہیں اور تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ میں تم سے ملنا کر رہا ہوں
اس آدمی نے کھدی کھوفی نظر دل سے محبت خان کو دیکھا، بولا۔ آپ ابھی تک
یہاں کے لوگوں کے مراتب سے آگاہ نہیں ہیں، شادی خان کا حکم کیا معنی رکھتا ہے۔ ابھی
آپ اس سے بخوبی واقف نہیں ہیں؟

محبت خان نے اسے ڈانٹ دیا، بولا۔ تم یہاں سے بھاگ جاؤ، میں شادی خان
دادی خان کسی کو بھی نہیں جانتا۔ میری نظر میں شادی خان کی اس سے زیادہ کوئی عزت نہیں
کہ حاجی پور کے کارکنز ادب میں وہ بھی شامل ہے۔

اس آدمی نے ایک بار پھر زور دیا، جناب شادی خان وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ
رہے ہیں، وہ کچھ اور بھی ہے۔

محبت خان نے اسے پھر جھٹک دیا، اس کی وہ حیثیت، جس کی طرف تم اشارہ کر
جو، میں نہیں جانتا، میں تو اسے حاجی پور کا ایک ادنیٰ ملازم سمجھتا ہوں میں یقینی بہکم کا کہہ
تو مان سکتے ہو، لیکن شادی خان کا ہرگز نہیں؟

وہ آدمی واپس چلا گیا۔ محبت خان اس کے مدعمل کا اندازہ لگانے لگا۔ شادی خان
کی حیثیت کا کچھ کچھ اندازہ وہ پہلے ہی لگا چکا تھا لیکن آج اس کا صحیح اندازہ لگ چکا تھا
شادی خان اس کو نظر انداز نہ کرنا چاہتا تھا۔ ایسا کیوں نہ تھا آج وہ سبب بھی معلوم ہو
تھا۔ محبت خان نے ایک ہی بانی کیفیت محسوس کی، یہ بانی کیفیت جذبہ حسد و رقابت سے
پیدا ہوئی تھی، اس نے خوب اچھی طرح یہ سمجھ لیا تھا کہ شادی خان کے حکم کو نہ ماننے سے
کوئی بھی ہنگامہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ حاجی پور میں وہ تنہا تھا اور یہاں بنگالی بیگم کی حکومت
تھی، بنگالی بیگم پر شادی خان کا اثر تھا۔ دونوں مل کے لئے کوئی بھی مترادف نہیں تھے۔
اس کشمکش میں اسے اپنے انکار پر دباؤ سی دینے کے لئے کچھ نہایت بھی محسوس ہوتی لیکن یہ
نہایت جلد ہی دھڑک ہو گئی اور اس کی جگہ نفرت اور نفرت نے لے لی۔ وہ شادی خان کو اس
کی حیثیت سے ہٹانے کی جگہ خود لے لینا چاہتا تھا، گویہ کام بہت مشکل تھا لیکن
ناممکن نہیں تھا۔ اس کو کشش میں وہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتا تھا اور کامیاب

بھی ہو سکتا تھا۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر شادی خان نے جسے ذلیل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کا مقابلہ کرے گا۔ لیکن بخشی بیگم کا اس طرح مقابلہ کرے گا، یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

دو پہرے ذرا پہلے دس سپاہیوں کا ایک دستہ اسی کی گرفتاری کے لئے آگیا۔ محبت خان دروازے بند کر کے اندر بیٹھ رہا۔ دسٹے کا ایک سپاہی دروازے کو کھینچا اور بولا: "باہر آ جاؤ اور خود کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ پھینکاؤ گے۔" محبت خان نے جواب دیا: "میں ان حالات میں باہر نہیں آ سکتا، تم لوگ میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

سپاہی نے کہا: "تمہیں گرفتار کرنے!"
 "کہوں؟" محبت خان نے پوچھا: "تم لوگ مجھے کیوں گرفتار کرنا چاہتے ہو؟"
 سپاہی نے کہا: "تم نے شادی خان کی حکم عدولی کی ہے۔ تمہیں اس حکم عدولی کی سزا جھگٹنی بیڑگی۔"
 محبت خان نے حقاقت سے کہا: "میں یہ سزا جھگٹنے کو تیار نہیں ہوں۔ میں مر جاؤں گا لیکن خود کو گرفتار نہیں ہونے دوں گا۔"

سپاہی نے دروازے پر زبردستی لاٹیں ماریں۔ سپاہیوں نے گالیاں دینا بہا بولا۔
 "اگر تم لوگوں کو دروازہ نہ کھلو گے تو ہم دروازہ توڑ کے اندر آ جاؤ گے۔ مہر حال تم کو تباہی سے نہیں بچ سکتے۔"

محبت خان نے انہیں جڑانے کے لئے قہقہہ لگایا۔ بولا: "جب تم دروازہ توڑ کے اندر آؤ گے تو مجھے شمشیر کھنکھاتے مستعد پاؤ گے۔"
 سپاہیوں نے طیش میں کہا: "تم یوں ایسے مانو گے۔ میں دیکھتا ہوں تم کس طرح نہیں بھگتو؟"

محبت خان نے کہا: "تم شادی خان کو بلانے میں اس سے زبردستی مقابلہ کر کے اسے مار دوں گا یا خود سرجاؤں گا۔ کیونکہ میں خود اس کا ایک معزز امیر ہوں اور راجا پور کی نیام میں ایک دقت میں ایک ہی قلمدار رہ سکتی ہے۔"

سپاہی نے چلائے ہوئے کہا: "جب ہم نہ ہوں گے تو شادی خان بھی مقابلہ پر آ جائے گا لیکن ہماری موجودگی میں شادی خان کو صرف حکم ہی دینا چاہیے۔"

محبت خان نے ہتھیاروں پر نظر ڈالی۔ اس نے بیروں سے بھری نمکش نشانے میں

چھٹائی، پیش قبض پہلو میں لٹائی اور سر پر تلوار ہاتھ میں لے لی۔ اس نے دروازے کو
 جھری سے جھانک لے دیکھتے۔ سپاہیوں کا دستہ اس کے مکان کے آس پاس حصار چھٹکاڑا جمع
 کر رہا تھا۔ وہ فوج ابھی سمجھ گیا کہ سپاہی اس کے مکان کو چھونک سوائے باہر نکلنے پر مجبور
 کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کچھ گھبراہٹ لیکن پھر حاضر دماغی کام لگتی رہی۔ اس نے دروازے کی جھری سے
 آنکھ لگا کر دیکھی۔ وہ آگ لگاتے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں گھاس پھوس
 اور لکڑیوں کا ایک ڈھیر مکان کے آس پاس لگ گیا۔ پھر ایک شخص سنگتی، دلی لکڑی لے
 کر اس ڈھیر کی طرف بڑھا۔ محبت خان تیزی سے مکان کے دالان میں گیا اور دیوار سے
 چھت پر چڑھ گیا۔ چھت کے چاروں طرف نظر بٹا نصف گز اونچی دیوار پر اٹھی آدنی تھیں
 اس نے دیوار کی آدھیں بیچھ کے مکان سے بھاگی اور ترکش سے تیر نکال کر چلے میں کسا اور ایک
 سپاہی کو نشانہ بنادیا۔ سنسانا ہوا تیر سپاہی کے حلق میں نرا زور ہر گیا، وہ وہ چیخ مار کے
 ڈھیر ہو گیا بقیہ نو سپاہی سر پٹا اور خوف سے اڑھ اڑھ کر پھرتے گئے۔ انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ
 تیر کہاں سے اور کدھر سے آیا تھا۔ چند سپاہی گمنے والے سپاہی کے پاس پہنچ گئے اور اسے
 کھینچ کر ایک طرف لے جانے لگے۔ محبت خان نے ایک سپاہی کو زور چھید دیا۔ یہ وہ دوسرا تیر
 سپاہی کے سیرھے پہلو میں آڑا پیوست ہوا تھا۔ یہ سپاہی بھی چیخ کر لے کے دیں ڈھیر
 ہو گیا اور اس بار وہ پھر یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ تیر کدھر سے آیا تھا اب انہوں نے
 ازراہ احتیاط دھڑا دھڑکا کر شروع کر دیا۔ آگ بہت تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ محبت
 خان نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو بھی اپنے تیروں سے زخمی کر کے کرا دیا اور مکان کے پچھلے
 حصے سے بھاگا کر باہر نکل گیا۔ ایک سپاہی نے اسے اتارنے ہوئے دیکھ لیا تھا، اس نے جیتنا
 چلانا شروع کر دیا۔ وہ رہا، وہ آتما، پکڑ دجائے نہ پائے۔

محبت خان نے دیوار کی آڑ سے تیر چھوڑنے سے شروع کر دیے۔ سپاہیوں پر ہرجوڑی
 طاری ہو چکی تھی لیکن ابھی میں دوسرا سپاہی بڑے جری نکلے وہ درختوں اور پتھروں کی آڑ
 لپٹے ہوئے محبت خان کی طرف بڑھنے لگے۔ ان سپاہیوں کی بد قسمتی یہ تھی کہ ان کے پاس تیر
 مکان نہیں تھے یہ دونوں بڑھتے بڑھتے محبت خان کے قریب پہنچ چکے تھے مکان کے گرد
 لگائی ہوئی آگ مکان کو جلا رہی تھی اور اڑھ اڑھ کر لوگ بھاگ بھاگ کر دور
 جمع ہو رہے تھے۔ محبت خان نے وہاں سے مار مارا اختیار کرنا چاہی، وہ ایک چھوٹی سی
 پٹان کی آڑ میں جیسے ہی پہنچا دونوں سپاہی اس کے سر پر پہنچ گئے اور انہوں نے محبت خان
 پر حملہ کر دیا۔ محبت خان لیٹ گیا۔ دونوں کی تلواریں چٹان پر پڑیں۔ ایک کی تلوار ہاتھ سے

بھڑکتی گئی۔ دوسرے کا لہوار تو نہیں چھوٹی لیکن کٹائی کو سخت جھٹکا ضرور لگا۔ محبت خان نے پھرتی سے اٹھ کر پے درپے دوزار کر کے ان کی ٹانگیں نہ سہی کر دیں، وہ چیخ مارتے ہوئے صبر ہو گئے۔

اس ہنگامے کی خبریں دودھ دودھ تک پہنچ چکی تھیں۔ محبت خان نے اس سٹیجی صورتِ حالات گھیر کے دفعتی طور پر کہیں نہ لپش ہو دینا چاہا لیکن کہاں چھپے یہ بات سمجھ میں نہ آئی تھی۔ یہ پہاڑی جڑواؤں اور درختوں کی آڑ میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ایک پتھر منور ہوتا تھا۔ یہاں جیسے جیسے چھترے کے قریب ایک جھمبے سے غار میں کھس گیا۔ اندر سخت اندھیرا تھا۔ وہ گھبراہٹ سے کہیں کوئی سامنے بچھو موجود نہ ہو جو اس سے پاؤں کے مارے بکین موت تو اس کے تعاقب میں نکلا۔ وہاں نہ تھا تو شاید ہی خان کے آدمیوں کا دھڑکا سکا ہوا تھا اور وہ اسے قتل کرنے بغیر نہ رہنے۔ غار کے اندر کوئی نہ سہرا ملا۔ کپڑاؤں کا کام تمام کر سکتا تھا۔ اسے یہ منظور تھا کہ کوئی کپڑا اسے ہلاک کر دے لیکن وہ ٹانگیں خان کے کسی آدمی کے ہاتھوں مرنے کو بہتر نہ سمجھتا تھا۔ اسے غار میں پڑے پڑے کافی دیر ہو گئی اور یہاں تک کہ اسے بھوک ستانے لگی۔ ان رات اندھیرے کی دھند سے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ دن کتنا باقی رہ گیا ہے۔ بھوک کا اس نے یہ علاج سوچا تھا کہ رات کو نکل کر وہ پہاڑی چھتروں کو تلاش کرے گا اور انہیں کھانے کے پیٹ کا جھنم بھجائے گا۔ اس کی تیز فطرت سامعہ یا پھر اسے آنے والی آوازوں پر لگی نہ تھی تھی۔ کبھی گھٹنے بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے باہر بہت سارے لوگ آچکے ہوں۔ لوگوں کی زور زور سے باتیں کرنے کی بے شک آوازیں بھی شامل ہو رہی تھیں۔ وہ لیٹ کر میٹ کے بل سرکتا ہوا غار کے دہانے کے قریب چلا گیا۔ اس طرح وہ باہر کے لوگوں کی باتیں بھی سننا چاہتا تھا۔ چنانچہ خان کی آواز سنائی دی۔ وہ سہی سے کہہ رہا تھا۔ نہ ناہنجاری بہرہوش مجھ سے جس کے نکل نہیں سکتا میں اس کی بوٹیاں چیل کر دوں گا؟

جواب میں کسی مرنے کو کہا گیا آپ کو یہ بچیں ہے کہ محبت خان یہ ہیں کہ ہیں۔

نور پویش ہے؟“
 شاید ہی خان نے کوکِ حلقہ آواز میں جواب دیا۔ وہ ہے اور اسی غار میں ہے۔ پھر چونکہ کہا کہ محبت خان! باہر نکل آؤ گے تو تم نے بڑا نقصان پہنچایا ہے لیکن میں پھر بھی تمہیں معاف کر دیتے تو آدھ ہوں اور یہ معافی اس وقت مل سکتی ہے جب تک تم کسی شرط کے بغیر باہر نہیں آجاتے۔ محبت خان! تم نے جو کچھ کیا اس کا کوئی حساب کتاب تم سے نہیں

لیا جائے گا۔

محبت خان خاموش رہا۔ اس طرح وہ انہیں اپنی عدم موجودگی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ لیکن شادی خان کو پورا یقین تھا کہ محبت خان اسی غام میں موجود ہے۔ اس نے ایک بار پھر بیچ کر کہا: ”محبت خان! زیادہ چالاک نہ بنو۔ میں چاہتا ہوں تم فوراً باہر آ جاؤ اور ہم دروڑن گہرے دوستوں کی طرح سہنے کا ایک یا تین بار عہد کر لیں۔“

محبت خان نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ شادی خان پھر چیخا: ”میں کہتا ہوں محبت خان! تم حماقت کا ثبوت نہ دو۔ خود باہر آ جاؤ۔ میں نے غام کے باہر تمہارے قدموں کے نشان دیکھ لئے ہیں۔“

محبت خان بدستور خاموش رہا۔ شادی خان نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ ”محبت خان! یوں نہیں مانے گا، ہم لوگ غام کے منہ پر دھواں کر دو، جب دھواں اندر بھریں گا اور محبت خان کا دم گھٹے گا تو یہ گھبرائے خود بخود باہر آ جائے گا۔ اس وقت اس کی بہادری کا امتحان بھی لے لیں گے۔“

شادی خان کے آدمیوں نے غام کے دربانے پر مہٹ سادی گھانسی پھولس جلا کے اس میں گیلی لکڑیاں ڈال دیں۔ ان گیلی لکڑیوں نے تیزی سے دھواں دینا شروع کر دیا۔ محبت خان کا خون خشک ہونے لگا۔ اب وہ غام میں مزید نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ دھوئیں کے غٹ غٹ غام میں داخل ہونے لگے اور اس پر کھانسی کا درد پڑا۔ کھانسنے کی آوازیں باہر تک سنائی دیں۔ شادی خان خوشی میں چلا آیا۔ دیکھو میرا خیال! میں نے کھانا محبت خان اندر کھانسی سے لیا ہے۔ اب یہ کسی رعایت کا مستحق نہیں رہا۔“

محبت خان کو اپنا حشر صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے کھانسنے ہوئے مشکل پیچ کر کہا۔ ”شادی خان! میں باہر آ رہا ہوں لیکن تمہیں قسم ہے کہ تم مجھ سے تنہا مقابلہ کرنا۔ میں اپنی زندگی سے بیزار ہوں اور چاہتا ہوں کہ میں تمہارے ہاتھوں قتل ہو جاؤں۔ میں کسی معمولی سپاہی کے ہاتھ سے مرنے میں بے عزتی محسوس کرتا ہوں۔“

شادی خان نے خوشی میں قہقہہ لگایا۔ ”آ کر کہا۔“ محبت خان! اگر تم میری پہلی آواز پر باہر آ جاتے تو میں تمہاری ہر بات مان لیتا۔ یہ تم نے میری بات کا جواب تک نہ دیا اب تم کسی رعایت کا مستحق نہیں رہے اور مجھے تمہیں ملے دم کہ تمہاری موت کس شخص کے ہاتھوں مقدّر ہو چکی ہے۔“

محبت خان نے نلکار کے دھنسنے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور آنسوؤں سے لبریز ہو کر

ملتا ہوا غار کے دیانے کی طرف بڑھا۔ وہ برابر کھانے جا رہا تھا۔ شادی خان کے آدمی موت کے فرشتوں کی طرح غار کے دیانے پر پھیل گئے اور تلوار کی نوکیں دیانے کی طرف کمر دیں۔ غار کے دیانے پر پہنچ کے محبت خان نے پوری قوت سے ارادی سے کام لے کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ آنکھیں ذرا سی کھلیں اور دھوپ نے گھسی گھسی پھر بند کر دیا اس نے دھندلے دھندلے غار کے دیانے کی ایک جھلک دیکھ لی تھی جس میں بہت سا ہی تلوار بردن کی نوکیں اس کی طرف اٹھی ہوئی دکھائی دی تھیں۔ محبت خان نے سوچا اگر وہ اس حالت میں باہر نکلے گا تو بیک جھپکے ہی قتل کر دیا جائے گا اور اندر تک بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اسی تباہان پر کھیل کر غار میں دانتیں بایتیں کوئی تیار اسہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں لے ایک پتلا سائنگا مل گیا۔ یہ شگاف پہاڑی کے پنج سے پھٹ جانے سے پیدا ہوا تھا اور اس میں انہی گنجائش موجود تھی کہ محبت خان اس میں داخل ہو کے جہاں تک چاہتا ہوئی چلا جاتا۔ یہاں دھواں بھی زیادہ نہیں تھا۔ محبت خان اس شگاف میں داخل ہوا اور آہستہ آہستہ اگے بڑھنے لگا۔ اس کے کھانسنے کی آواز بھی دودھ سے ہوتی تھی۔ شادی خان معلوم نہیں کیا سمجھا کہ چراغ کمر بولا "محبت خان! باہر نکل آؤ ورنہ مر جاتے گے!"

محبت خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شادی خان کی کہیں دودھ سے آواز آئی۔ "محبت خان! اسلام میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ دھوپ میں گھٹ کر موت مرو، باہر آؤ۔ میں تم سے مقابلہ کر دوں گا۔ تمہیں کسی معمولی آدمی کے حوالے نہیں کیا جاتے گا!"

آہستہ آہستہ دھواں کم ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن شگاف میں آس پاس اونچی اونچی دیواریں اس کا دم گھوڑے دے رہی تھیں اور یہ سوچ کر اندر ہونے لگا تھا کہ کہیں یہ شگاف تنگے جا کر بند نہ ہو گیا ہو۔ تقریباً پانچ چھ سو قدم بعد یہ شگاف ختم ہو گیا اور محبت خان ایک چھوٹے سے پہاڑی دامن میں پہنچ گیا۔ وہ سستانے کے لئے ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ یہاں نہ دھواں تھا نہ شادی خان کا خوف تھا۔ اس نے ادھر ادھر غار کے نظر کیا ڈالیں اور وہاں سے بھی نکل بھاگا لیکن ابھی وہ زیادہ دودھ نہیں گیا تھا کہ شادی خان اس کے سر پر پہنچ گیا، بولا "تم مجھ سے پنج کمر نہیں جاسکتے محبت خان دیکھو میں نے تمہیں پکڑ لیا یا نہیں؟"

محبت خان کے سر پر لڑکھڑانے لگے۔ شادی خان نے اسی کمر خیزت لہجے میں کہا "محبت خان! تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے اور اب بھی باز نہیں آؤ، لیکن تم نے یہ سوچا نہیں سوچا کہ تمہارا واسطہ شادی خان سے پڑا ہے۔ وہ شادی خان جو حاجی پورہ میں سب سے

نمایاں حیثیت رکھتا ہے!“

محبت خان نے تلوار بلند کی اور شادی خان کی بے عزتی کر دی۔ بولا: ”شادی خان بولا کہ دو، یا تو میں تمہیں مار دوں گا یا پھر تم مجھے مار دو۔“

شادی خان کا لہجہ ہی بدل گیا۔ بولا: ”محبت خان! میں پہلے ہی تمہیں یہ بتا چکا ہوں کہ اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں رہے، میں نے تمہیں قرار ہوتے ہوئے پکڑ لیا ہے اب میں اپنی کسی رعایت سے تمہیں قاتلہ نہیں پہنچا سکتا۔“

محبت خان نے تلوار سونت کے پینتر ابدلہ اور شادی خان کی طرف بڑھنا ”چل ادھر آ۔ میں تجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔“

شادی خان نے حیلہ کیا: ”میں تجھ سے لڑنا نہیں چاہتا محبت خان! تو بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”میں تو اس وقت لڑنے کی کیفیت میں ہوں، میں کسی سے بھی لڑ سکتا ہوں۔“

شادی خان نے بھی تلوار سونت لی، بولا: ”اگر تو لڑنا ہی چاہتا ہے تو میں بھی تیار ہوں، حالانکہ میں تجھے اپنا ماتہ مقابل نہیں سمجھتا۔ میرے آدمی تیرا کام تمام کر سکتے ہیں۔“

محبت خان نے اس پر ہر حملہ کر دیا۔ بولا: ”میں نے تیرے دس آدمیوں کو شکست دے کر اپنی برتری ثابت کر دی ہے اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ حاجی پور میں ہم دونوں میں سے کسی ایک ہی کو رہنا چاہیے۔“

شادی خان نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر محبت خان کا حملہ ناکام بنا دیا۔ محبت خان نے دوسرا وار کیا۔ شادی خان نے اس سے بھی بچا، نیسرا وار ہوا، شادی خان اس سے بھی بچ گیا، محبت خان پر اگلے وار ہوا تھا۔ وہ شادی خان پر اندھا دھند حملے کر رہا تھا، شادی خان چلا یا۔ مقابلے کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں، سب وار کر چکے اب میرے وار رکھ دو۔

محبت خان کے ہاتھ ایک دم ٹک گئے۔

شادی خان نے دھوکہ دے کر ایک بھر پور وار کیا، یہ وار اس کی گردن پر کیا گیا تھا۔ محبت خان نے جھک کر وار خالی جانے دیا۔ شادی خان نے دوسرا وار اس کے شانے پر کیا۔ محبت خان نے ایک طرف ہٹ کر اسے بھی خالی جانے دیا۔

جیسے شادی خان کے حملوں سے بچ رہا تھا، شادی خان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ شادی خان کے آدمی دھڑکھڑاتے رہے تھے۔ جب شادی خان کے سامنے وار خالی گئے

دوہ ذرا گھبراہ اور پیچھے ہٹتا ہوا بولا "محبت خان تم بہت تھکے ہو تم سے معلوم ہوتے ہو اس لئے میں سنم سے مقابلہ نہیں کروں گا، میں اپنے کسی سپاہی کو تمہارے مقابلے پر بھیجے دیتا ہوں، وہ تمہیں تھکانے لگا کر تمہارا قلعہ پاک کر دے گا۔"

محبت خان شیر کی طرح اس پر چھٹا، بولا "کہہ جاؤ تبے اور بڑھل انسان" میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ میں تیرے سپاہی سے لڑ کر خود کو ذلیل نہیں ہوں دوں گا۔ شادی خان نے خود کو بچانے کی کوشش کی، لیکن زخمی ہو گیا، وہ غصے میں چلا آیا۔ محبت خان: "تم کہیں جن سے یوں نہیں بانڈا کر گئے" پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا: آگے بڑھو در جلدوں طرف سے گھیر کر اس کا کام تمام کر دو۔"

شادی خان کے آدمی تیزی سے محبت خان کی طرف بڑھے۔ محبت خان ایک بڑی ٹان کو اپنی بیٹے چاہ ہانکے ان سب کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔

شادی خان ایک دوسری چٹان کے زیر سایہ بیٹھ کر بڑھتی سے کپڑا پہنا کر پہلو پر بیٹے ہوتے خون کو رد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کمر کے گرد مضبوطی سے پگڑی لپیٹ لیا اور ایک بڑے پیچھے کو کنبہ ہانکے دونوں ہاتھ گتری پر رکھ لئے اور آگے سے بٹ کر محبت خان کی جنگ دیکھنے لگا۔ محبت خان ننھا تقریباً بیٹھ آدھوں سے لڑ رہا تھا۔ ہی دوران شادی خان نے اپنی پشت پر آہٹیں محسوس کیں۔ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا اور بوم کر پیچھے دیکھنے لگا، بمبشی بیگم اپنے چہرے کو نقاب میں چھپائے، تقریباً ہی اس کو نظروں اپنے پیچھے لئے اس کے پاس پہنچ چکی تھی، وہ شادی خان کے قریب پہنچ کر کھڑی ہو گئی اور خان اٹھ کر بیٹھ گیا اور جلدی جلدی کہنے لگا "بیگم صاحبہ! یہ محبت خان بڑا ذلیل مان ہے اس نے میری حکم غور دی کی، میرے سپاہیوں کو ہلاک کیا اور ابھی نقد میری دیر پہلے ل کر دینا چاہتا تھا، اس نے مجھے زخمی کر دیا۔ اس لئے میں نے اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا کہ محبت خان کا کام تمام کر دو۔"

بمبشی نے شادی خان کو سرسری نظروں سے دیکھا اور محبت خان کے مقابلے منظر دیکھنے لگی۔

شادی خان نے درخواست کی "بیگم صاحبہ! اپنے محافظ دستے کو حکم دیجئے کہ وہ کسی کوشش کو تھکانے لگا دے، اور وہی دربارہ کے کچھ سمجھ کر ہی اس خطرناک شخص کو دیکھا ہے۔"

بمبشی خاموش رہی اور دیرستور رہے چینی سے لڑائی کا منظر دیکھنے لگی۔ شادی

خان نے بخششی کے محافظوں کو حکم دیا: ”تم لوگ کھڑے شکل کیا دیکھ رہے ہو آگے بڑھو۔“
اس ہمدردی کا کام تمام کر دو۔“

لیکن بخششی نے مداخلت کی، اس نے شادی خان کو حکم دیا: ”تم اپنے آدمیوں
جنگ بندی کا حکم دے دو اب یہ شامہ ختم ہو جانا چاہیے۔“

شادی خان بے چینی میں کھڑا ہو گیا، بوللا: ”یہ کیوں، یہ کیوں؟“ آخر کیوں؟
اس شخص کے خلاف جنگ بندی کا اعلان کر دینا مناسب ہے جس نے ہمارے کئی آدمی
کو قتل کر دیا ہے۔“

بخششی بیگم نے جواب دیا: ”یہ اس کی خوش قسمتی اور بہادری کی بات ہے کہ
حملہ آوروں میں بھی زندہ اور محفوظ رہا، ورنہ اس کی جگہ اگر کوئی معمولی آدمی ہوتا تو
کے کب کے ٹکڑے ہو چکے ہوتے۔“

شادی خان نے تلخی سے کہا: ”میں جنگ بندی کا حکم نہیں دے سکتا میں اپنے
محبت خان کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔“

بخششی نے گھوم کر اپنے محافظوں کی طرف دیکھا اور اسہیں حکم دیا: ”آگے
اور بزدل جنگ بند کر دو۔“

اس وقت تک محبت خان کے جسم پر کئی زخم آچکے تھے اور شادی خان کے
آدمی موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور کئی زخمی پڑے سسک دے تھے۔ بخششی کے سپاہی

کہتے آگے بڑھ کر شادی خان کے آدمیوں کو شکم دیا۔ بیگم صاحبہ کے حکم سے جنگ بند
اعلان ہو چکا ہے، اپنی تلوار میں نیام میں ڈال کر پیچھے ہٹ آؤ۔ ورنہ تمہارے خلاف فوج
کارروائی کی جائے گی۔“

شادی خان کے آدمیوں نے اپنے اس پاس بخششی کے ساتھ دم سپاہیوں کو
پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اور اپنی تلوار میں نیام میں ڈالنے لگے۔ شادی خان بے بسی سے

کاہ روائی دیکھ رہا تھا۔ محبت خان کی سمجھ میں یہ معاملہ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بہت
چکا تھا اور اس کے زخموں سے خون دس رہا تھا۔ اس نے چٹان سے پشت لگا دی اور

دھندلی نگاہوں سے اپنے سامنے موجود آدمیوں کو دیکھنے لگا۔ اس نے کمرے کے
سے چہرے کا پسینہ پونچھا۔

بخششی آہستہ آہستہ محبت خان کی طرف بڑھی، شادی خان حسد و رقابت
اسے دیکھتا سا اور جب بات ناقابل برداشت ہو گئی تو وہ خود بھی بخششی کے پیچھے چلنے لگا

محبت خان اپنے سامنے نقاب میں چہرہ چھپاتے بخشش کو حیرت و استعجاب سے دیکھنے لگا۔
 بخشش چند لمحوں کے لئے اس کے روبرو کھڑی ہو گئی۔ محبت خان سے لئے کہب واذبت
 میں آنکھیں کھلی رکھنا بھی دشوار تھا اور نہ سمجھیں بندہ کر کے بیٹھے رہنا بھی محال تھا۔ اس
 وقت وہ ایسے بے پروا و گام ساز کی طرح تھا جو دشمنوں میں پھنسا موت و زندگی
 کی امید و بیم میں مبتلا ہو گیا ہو۔

بخشش نے آواز سے پوچھا: "محبت خان؟"

محبت خان نے بخشش کی آواز پر ہوش و حواس کھو بیٹھا اور اس کا دل زور زور سے
 دھڑکنے لگا۔ اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں جواب دیا: "ہاں محبت خان!"
 شادی خان نے غصے سے کہا: "ہاں محبت خان، قاتل، سرکش اور منافق!"
 محبت خان؟

محبت خان کے چہرے پر کرب کے آثار شدید ہوتے جا رہے تھے، اس نے سرخت آواز
 میں کہا: "تو نے مجھ پر اتنے کڑواہٹوں کو سہا پہلو لے کے ایک دہائی کی مدت سے ہلاک کر دینے کی کوشش کی
 لیکن جسے اللہ رکھے اچھے کون چکے۔ اگر تو میرے مقابلے پر حاضر ہوتا تو شاید اس وقت تو
 رام میں موجود نہ ہوتا۔"

بخشش نے دل آویز لہجے میں کہا: "ہاں اور تو تم دونوں آپس میں جھگڑا و مت و ستی کر
 آؤ اور اپنے دلوں کے غنا اور بغض کو خلوص اور محبت کے پانی سے دھو ڈالو۔"
 محبت خان نے کہا: "میں شادی خان کو کل تک اپنا دوست ہی سمجھتا تھا لیکن میں
 نے جنگی تلواروں کی فضا میں بھٹے یا اپنی تلوار کو نیام میں رکھ کر خود کشی کر کے کامرنگ ہونا اس
 طرح گوارا کر سکتا ہوں؟"

شادی خان نے غصے میں کہا: "لیکن تم نے میری حکم عدولی کی ہے؟"

محبت خان نے کہا: "لیکن تم دینے والے کون ہو؟"

شادی خان نے جواب دیا: "مجھے یہ مرتبہ بخشش بیگم نے عطا کیا ہے؟"

محبت خان نے کہا: "مجھے اس کا علم نہیں اور اگر علم ہوتا تو تب بھی میں تیرا حکم نہ مانتا
 تھا کیونکہ میرا ہی جیسا کوئی دوسرا شخص جب تک مجھ پر اپنی فوقیت اور برتری ثابت نہ کر دے
 میں اسے اپنے سے بڑا نہیں مان سکتا۔"

شادی خان نے بخشش کو مخاطب کیا: "آپ دیکھتے یہ نا فرمان میری بے عزتی سمجھ
 نہ رہا ہے۔"

بخشی نے کہا: "میں پہلے ہی تم دونوں کو مشورہ دے چکی ہوں کہ دونوں اپنے اپنے
دلوں سے کمرہ تیس دودھ کر کے دوستی کر لو۔"

محبت خان نے جواب دیا: "میری شادی خان سے کر لی دشمنی نہیں۔ میں اسے بھی اسے
دوست ہی ماننے کو تیار ہوں بشرطیکہ یہ خود بھی مجھے اپنا دوست تسلیم کر لے۔"
بخشی نے شادی خان کو حکم دیا: "شادی خان! تم میرے کہنے سے محبت خان کی دوستی
دوستی کا ہاتھ بڑھا دو۔ اس مہر اور افغان کی دوستی کس بھی شخص کے لئے باعث فخر و
ہوسکتی ہے۔"

محبت خان کھڑا ہو گیا۔ شادی خان متذہب ہوا۔ بخشی نے شادی خان سے کہا: "ہاں
بڑھانے میں تم سبقت لے جاؤ کیونکہ پھل دار شاخ ہمیشہ جھکی رہتی ہے۔"
شادی خان نے بدھجہ جمجوری اپنا سیدھا ہاتھ محبت خان کی طرف بڑھا دیا۔
خان بھی اس کی طرف ہاتھ اٹھا کے بڑھا اور اپنا ہاتھ شادی خان کے ہاتھ میں دے دیا۔
خان نے سر دھری سے محبت خان کا ہاتھ دیا اور چھوڑ دیا۔
بخشی نے کہا: "میرا خیال ہے اب تم دونوں ایک دوسرے کو اپنا دوست
سمجھو گے؟"

محبت خان نے جواب دیا: "میں نے شادی خان کو بھی بھی اپنا دشمن نہیں سمجھا۔
شادی خان نے کہا: "میں واقعی محبت خان کو اپنا دوست ہی سمجھتا اگر اس نے یہ
چند آدمیوں کو ہلاک نہ کیا ہوتا۔"

بخشی بیگم نے جھنجھلا کے کہا: "شادی خان! میں تمہاری عزت کرتی ہوں تم بھی
قول اور فعل سے اس عزت کو قائم رکھنے کی کوشش کرو۔ جب تم دونوں نے ایک دوسرے
کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کے ملا لیا ہے تو اب اس دوستی کو برقرار بھی رکھو اور اپنے
دلوں سے بغض و عناد کی گرد صاف کر ڈالو۔"

شادی خان پیپ ہو رہا اور محبت خان ہار بیک جا بیویاں چھپے ہوئے بخشی کے
حسین پہرے کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

✽

✽

✽

بخشی، محبت خان کو اپنے ساتھ ہی لے آئی تھی۔ اس نے اپنے طبیب خاص سے
خان کا علاج کرایا۔ یہی طبیب شادی خان کا علاج بھی کر رہا تھا اور یہ بھی بخشی کے قریب

سرد رہا تھا۔ بخشی چوبیس گھنٹوں میں زیادہ سے زیادہ دو بار محبت خان کی عزت بڑی کو ضرور
 باقی۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب بھی ڈور کر دی تھی، بے نقاب چہرے نے محبت خان کو
 کوئیں کا بھی نہ مرکھا اور اسے شاید زندگی میں پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ حسن میں کتنی طاقت ہوتی
 ہے اور شاعر محبوب کی بلبل بلبل کو نیز دستان سے کیوں تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ محبت خان
 کے پاس آئی اور چند لفظوں میں اس کی خبر بہت پوچھ کر واپس چلی جاتی۔ محبت خان معلوم نہیں
 کیوں، شادی خان کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا تھا، وہ یہ بھی پتا نہ تھا کہ بخشی اس کے پاس
 زیادہ دیر ٹھہرے۔ وہ اسے کس طرح مدد کے۔ یہ بات اس کی سہیلی سارن محل میں نہیں آتی
 تھی۔ بخشی محض حسین ہی نہ تھی بلکہ اس کے چہرے پر ایک قسم کا غلبہ بھی تھا۔ اس کے
 چہرے کو زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس کے زخم مند مل ہو چلے تھے اور اب اسے یہ فکر پریشان کر رہی تھی کہ زخموں
 کے مند مل ہونے ہی بخشی اسے رخصت کر دے گی۔ ایک دن، شام کے وقت طبیب اس کے
 پاس بیٹھا زخموں کو دیکھ رہا تھا کہ بخشی بھی دیر پہنچ گئی۔ اس نے طبیب سے پوچھا: اس
 کے زخم کپ تک بالکل بھر جائیں گے؟

طبیب نے جواب دیا: "زیادہ سے زیادہ تین دن اور لگیں گے۔"
 بخشی نے کہا: "اور صحت مند ہونے میں کتنے دن لگیں گے؟"

طبیب نے جواب دیا: "زخموں سے خون اتنا بہا ہے کہ اس کمی کی بحالی میں کافی دن
 لگ جائیں گے۔"

بخشی نے طبیب کو حکم دیا: "اب تم جا سکتے ہو۔"
 طبیب اسی وقت چلا گیا۔ بخشی، محبت خان کو دیکھنے لگی۔ محبت خان نظریں بچرانے
 لگا کچھ دیر تک دروازوں ہی خاموش رہے۔ آخر یہ سکوت بخشی نے توڑا: "تم نے شادی خان کا حکم
 کیوں نہیں مانا تھا؟"

محبت خان نے جواب دیا: "مجھے شادی خان کی اصل حیثیت کا اب تک علم نہیں، میں
 حاجی پور کو ایک خاندان اور اس خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کی ذات سے واقف ہوں،
 بقیہ کون کیا ہے؟ میں نہیں جانتا۔"

بخشی نے آہستہ سے کہا: "ہر کچھ لیکن تمہیں جھگڑے کو اس حد تک طول نہیں دینا
 چاہیے تھا۔"

محبت خان نے جواب دیا: "جھگڑے کو طول میں نے نہیں خود شادی خان سے"

دیا تھا۔

”کیا تم نے شادی خان کو دل سے اپنا دوست بنا لیا ہے؟“

”ہاں۔ محبت خان نے جواب دیا۔ ”گو کہ اس نے میرے ساتھ زیلوتی کی ہے لیکن میں نے آپ کی خواہش اور خوشی کی خاطر اسے اپنا دوست بنا لیا ہے۔“

بخشی نے کہا: ”میں نے شادی خان کو بھی سمجھا دیا ہے، لیکن جہاں تک میں اسے سمجھا سکی ہوں، اس کا سر نہ کسی وقت بھی کینے سے خالی نہیں رہتا، اس سے ہوشیار رہنا۔“
محبت خان نے جوش میں کہا: ”میں شادی خان تو شادی خان، لیوہی حکمران ملک سے نہیں دوتا۔ شادی خان اگر میری لپٹ سے دامن میں کمرے گا تو اسے منہ توڑ جواب دینا پڑے گا۔“

بخشی نے کہا: ”لیکن میں یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ تم دونوں برابر جھگڑتے رہو۔“
محبت خان نے جواب دیا: ”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شادی خان سے جھگڑے میں پہل نہیں کروں گا۔“

بخشی نے کوئی جواب دینے بغیر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور چلی گئی۔ محبت خان اس کی اس کج ادائیگی کو دیکھتا رہ گیا۔

طیب نے اس کا علاج بنا کر دیا تھا، بہت دن کو رہا ستور شادی خان کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا، شادی خان کی بات اگر کوئی شخص سمجھتا سکتا ہے تو وہ طیب ہے۔ اس نے گھر سے دھرتے طیب سے پوچھ ہی لیا: ”یہ شادی خان کا کیا حال ہے؟ اس کا علاج جلدی ہے یا ختم ہو چکا؟“

طیب نے محبت خان کو کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ محبت خان نے کہا: ”تم میری صورت کیا دیکھ رہے ہو، میری بات کا جواب کہیں نہیں دیتے؟ شادی خان کہاں ہے؟“
طیب نے جواب دیا: ”شادی خان کب کا اچھا ہو چکا اور اب وہ اپنے گھر جا چکا ہے۔“

محبت خان نے کہا: ”اس کا گھر کہاں ہے؟“

طیب نے چڑ کر جواب دیا: ”تم شادی خان کی فکر مت کرو، تم کسی اچھے خاندان کے نوجوان نظر آتے ہو، اچھی پوند کتنے دنوں کے لئے آتے ہو۔“

محبت خان نے کہا: ”یہ سچے معلوم نہیں یہاں کتنے دن رہوں گا اور شاید مستقل رہ جاؤں۔“

طیب نے کہا: "تم جنگ جوڑوؤں کا اصل ٹھکانا میدان جنگ ہے جو دنیا کے بہادروں
 دوزیر سر لیتے ہیں، انہیں عورتوں کے ہاتھوں مفتوح نہیں ہو جانا چاہیئے"
 محبت خان: اس کا مطلب سمجھ سکتا تھا، طیب فوراً ہی چلا گیا۔

بعد میں اسے بخٹی کا یہ پیغام ملا کہ وہ کہیں رہنا پسند کرے گا؟ شادی خان سے: "خیر
 تعلقات کے پیش نظر بخٹی کو اس بات کی فکر لاحق ہو گئی تھی، اس نے اپنے پیغام سے یہ واضح
 کر دیا تھا کہ اگر وہ بخٹی کے مہمان نہ بنے کے بجائے کہیں اور رہنے کی خواہش نہ کرتا ہے تو اس
 میں بخٹی کو کوئی اعتراض نہ ہو گا ہاں اس صورت میں اسے محبت خان کی فکر ضرور لگی رہے گی
 یہ ہو کہ اسے شادی خان پر مذہب و اعتقاد نہیں تھا، لیکن اگر محبت خان محلہ میں اس کے قریب ہی
 رہے گا تو بخٹی اس کی جان و مال کی خاموشی رہے گی۔ محبت خان نے اس پیغام کے جواب میں
 فوراً ہی یہ کہلا دیا کہ وہ محلہ میں بخٹی کے قریب ہی رہنے کا خطا مستمند رہے۔ بخٹی نے اسے
 اپنے محل کے قریب ہی رہنے کی جگہ دے دی۔

ایک عرصے بعد شادی خان اس سے ملنے آیا۔ بولا: "دوست محبت خان سنتے ہیں بخٹی
 تم پر بہت مہربان ہے؟"

محبت خان نے جواب دیا: "نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"
 شادی خان نے اپنے اس پر اس نظر میں ڈالیں اور سرخوشی میں کہا: "محبت خان اتم
 ایک غیرت مند رہو اور افغان ہو، میری تنہا ہی کوئی دشمنی بھی نہیں، کیا تم میری نصیحتیں
 نہ سنا گوارہ کرو گے؟"

محبت خان نے طنزاً کہا: "نہیں یقیناً تو کسی سے بھی سن سکتا ہوں، ان پر عمل پیرا
 کرنا ہونے کا وعدہ نہیں کر سکتا۔"

شادی خان نے سرخوشی میں کہا: "بخٹی کی باتوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا، اٹری ظالم عورت
 ہے، کہنے ہی دیا دوں کہ وہ باہر کے چھوڑ دیا ہے؟"

محبت خان نے کہا: "یہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ نصیحتیں تو میں کسی سے بھی سن سکتا
 ہوں لیکن ان پر عمل پیرا ہونے کا کوئی وعدہ تمہیں کر سکتا۔"

شادی خان نے عین یہ جہیں ہو کر کہا: "تم پر لے دے جسے کہے کے احمق ہو میں تمہارے
 بھلے کو کچھ باتیں بتا رہا ہوں اور تم ان پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔"

محبت خان نے ہنسنے پر چڑھ اٹیں۔ بولا: "خارائی قسم، اگر میں بخٹی سے جھگڑا نہ کرتے
 کا عہد نہ کر چکا ہوتا تو اس وقت تمہیں احمق کہنے کی سزا ضرور دیتا۔"

شادی خان نے اس کا منہ چڑھایا۔ بوللا اس دن اگر بخشی نہ پہنچ گئی ہوتی تو تمہاری پٹریوں کا بھی پتہ نہ ہوتا۔“

محبت خان نے شکل سے کہا: ”اور شاید تمہاری بھی“
شادی خان غصے میں اٹھ کر چلا گیا۔

اس شام اس کے پاس بخشی بھی پہنچ گئی۔ سیاہ کپڑوں میں ملبوس بخشی قیام رہی ہوئی تھی، اس وقت وہ بہت ادا اس تھی، اتنے ہی محبت خان سے پوچھتا: ”کیا آج تمہارا پاس شادی خان آیا تھا؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”ہاں یہ تھا، کیوں کوئی خاص بات؟“
بخشی نے افسردہ لہجے میں پوچھا: ”وہ کیا کہہ رہا تھا؟“

محبت خان نے کہا: ”وہ مجھے احمق کہتا تھا اور اگر میں نے آپ سے یہ وعدہ نہ کرتا ہوتا کہ شادی خان سے نہیں جھگڑوں گا تو آج اسے میں احمق کہنے کا مزہ ضرور چکھا دیتا۔“
”اور کیا کہتا تھا؟“

”اور کیا کہتا؟“ محبت خان پس و پیش میں پڑ گیا کہ شادی خان کی ساری باتیں کچھ کہہ دیتے یا نہ بتاتے۔

بخشی نے کہا: ”کس سوچ میں پڑ گئے؟ وہ اور کیا کہتا تھا؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”وہ کہتا تھا، میں آپ کی باتوں پر اعتبار نہ کروں، آپ ظالم ہیں۔ آپ نے کتنے ہی بہادروں کو مد باہ بنا کے چھڑ دیا ہے۔“

بخشی کے چہرے پر صدمہ بادل ادا اسی پھیل گئی۔ بولی: ”محبت خان! شادی خان جو ہے، میں نہ تو ظالم ہوں اور نہ ہی بے دفا، پھر اس نے اپنے سیاہ لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”تم میرا یہ سیاہ لباس دیکھ رہے ہو؟“

محبت خان اس کا سیاہ لباس بغور دیکھنے لگا۔ بخشی کہتی رہی: ”آج میرے چہرے شرم کی برسی ہے۔ آج اسے مرے ہوئے پورے چار سال بیت گئے ہیں۔ لیکن تم یقین کرو: وہ مجھے آج بھی یاد ہے، ہنوز دفنہ اول کی طرح۔ میں اسے بھلا دینا چاہتی ہوں لیکن نہیں بھلا پاتی۔“

محبت خان کو بخشی پر جرات سے آیا، بخشی کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں۔ وہ رک رک کر بولتی رہی: ”شادی خان مجھے ظالم کہتا ہے، حالانکہ میں نے اس پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ نہ ہی میں نے کسی بہادر کو مد باہ بنایا۔ یہ مجھ پر الزام ہے، بہتان ہے، نہمت بہتان۔“

افسوس کہ میں شادی خان کو اس الزام کی سزا بھی نہیں دے سکتی۔
محبت خان نے کہا: لیکن میں آپ کے ہر حکم کی پکی آوری کو حاضر ہوں کیونکہ میں شادی
خان کو وہ سزا دوں کہ پھر کبھی بھی آپ کو ظالم نہ کہے گا۔

بخشی نے رد و آل سے آلسو پونچھے، بولی: "میں، میں شادی خان کو کچھ بھی نہ کہوں
گی، اس کی ناک بالکل میرے مرحوم شوہر جیسی ہے اور اس کی بھنڑیں بھی میرے مرحوم شوہر
کی طرح ہیں، بس انہی مشابہتوں نے مجھے اس پر مجبور کر دیا ہے کہ میں شادی خان سے
عبت کروں میں شادی خان کو چاہتی ہوں اگر میں شادی خان کے بقول ظالم ہوتی تو آج کے
بعد وہ حاجی پور میں نظر بھی نہ آتا، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

محبت خان کو حاکم آن لگا، ایسا لگا، جیسے دنیا گھوم رہی ہے، بخشی بر ملا اظہار کر
رہی تھی کہ وہ شادی خان کو چاہتی ہے، اس سے محبت کرتی ہے، اس نے سوچا، اگر یہ درست
ہے تو پھر بخشی کے دل میں محبت خان کا کیا مقام ہو گا؟ شاید کوئی بھی نہیں۔ محبت کا دل حاجی
پور سے ایک دم اچھا ہو گیا۔

بخشی کی آنکھیں دھڑبھا گئی تھیں۔ اس نے کہا: "تم خود کو یہی لے لو میں چاہتی تو
تمہیں شادی خان کے ہاتھوں قتل ہو جائے دیتی۔ لیکن میں ایسا کس طرح چاہ سکتی تھی، محبت
خان، افسوس کہ تم نے میرے شوہر کو نہیں دیکھا اگر دیکھتے تو یہی کہنے کا سہ اس کی آنکھیں
تو بالکل میری جیسی ہیں اور اس کے ہونٹ تو بالکل ہو ہو تمہارے جیسے تھے، تمہارے بال بھی
بالکل میرے مرحوم شوہر کی طرح ہیں اور جب تم چلتے ہو تو جس نے بھی میرے شوہر کو دیکھا ہے،
تمہیں چلتا دیکھ کر یہی کہے گا کہ حاجی پور کا مرحوم قلعے وار دل رہا ہے۔ تمہاری انہی خصوصیات
نے مجھے تمہاری طرف مائل کر دیا ہے اور آج میں اپنے دل میں تمہارے لئے بھی ایک محسوس
کرنے لگی ہوں، کیا تم بھی مجھے ظالم کہہ سکتے ہو؟"

محبت خان کو حاجی پور پھر دلکش نظر آنے لگا۔ اس نے بتاؤں لہجے میں کہا: "میں آپ
کو ظالم نہیں کہہ سکتا۔"

بخشی نے آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، بولی: "تب پھر تم مجھے سہارا دو، میری مدد
کر دو، میں اپنی مدد پر کسی بھی جیل کو باسانی آمادہ کر سکتی ہوں، لیکن میں ایسا نہیں کر دوں
گی، مجھے ان مردوں کی تلاش رہتی ہے جن میں میرے شوہر مرحوم کی مشابہتیں پائی جاتی ہوں
مجھے اپنی شوہر سے عشق تھا اور یہی وجہ ہے کہ میں ہر اس شخص سے عشق کرتے ہو جو
ہوں جس میں میرے مرحوم شوہر کی شبیہ موجود ہو۔"

محبت خان نے بخششی کے گلانی بہتھ آہستہ سے دبانے اور پھر انہیں اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ بخششی نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ محبت خان کے دل دماغ غبارے کی طرح بلندی میں اڑنے لگے۔ اُسے بخششی کے سوادین کی ہر شے پسند اور کمتر نظر آ رہی تھی۔

★

★

★

اب وہ بخششی کا فرماں بردار ملازم بھی تھا اور سعادت مند عاشق بھی۔ اب اس کی نظر میں شادی خان بھی پیار نہ تھا۔ اُس نے کسی بار بخششی کو شادی خان کے خلاف سمجھایا بھی لیکن بخششی نے اُس کا کوئی خاص اثر نہیں لیا۔ شادی خان بھی اس تماشے کو دیکھ کر اور ٹولیشن سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کئی بار محبت خان کو تنبیہ بھی کی کہ زیادہ نہ اڑے، ورنہ سارا لشکر اڑا دیا جائے گا۔ محبت خان نے ہمیشہ یہی کہا کہ اب وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ خدا اور قسمت اُس پر مہربان ہیں اس لئے اُس کا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن خود بخششی کو اس لڑائی جھگڑے سے نفرت تھی۔ وہ دونوں ہی کو پیر سکون رہنے کی تلقین کرتی رہتی۔

اُس دن بخششی محبت خان کے ساتھ باغیچے میں جہل قمری کر رہی تھی۔ بخششی اُس سے ابراہیم لودھی اور اُس کے درباریوں کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کر رہی تھی اور محبت خان کو جس شے کے بارے میں جتنا علم تھا اُن کا اتنا ہی جواب دیتے جا رہا تھا۔ بخششی نے دُجھا "آخرا فغان امراء ابراہیم لودھی سے بدظن اور نالاں سپہوں رہتے ہیں؟"

محبت خان نے جواب دیا: "ابراہیم لودھی ہر شخص کو ملازم سمجھ لیتا ہے اور اس کی اس بدظنی اور ظلم نے ہر شخص کو اس کا دشمن بنا ڈالا ہے۔" بخششی نے ہنس کر کہا: "تعجب ہے کہ لودھے ہندوستان کا بادشاہ لودھی اپنی سلطنت کا انتظام نہیں کر سکتا؟"

محبت خان نے کہا: "لوگوں کے دلوں کو محبت اور خلوص سے تو جیتا جاسکتا ہے لیکن نفرت اور اکڑنوں سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ ابراہیم لودھی سراسے کام طاقت اور نفرت سے نکال لینا چاہتا ہے جو ناممکن ہے۔"

بخششی نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا: "محبت خان! تم شادی خان کو سمجھاؤ۔ وہ بے کار باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ میرے دل میں اُس کے لئے بڑی

عزت معرودہ ہے۔“

محبت خان نے جواب دیا: ”لیکن میں خود آپ کو یہی مسطورہ دینا چاہتا ہوں کہ کردار بڑی اہمیت ہے اس کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی چاہیئے۔ شادی خان سے بچے رہتا ہی بڑی عقلمندی کی بات ہوگی۔ سمجھئے یہ شخص کچھ جچا نہیں۔ ممکن ہے اس کی خوریاں میں نہ دیکھ سکا ہوں۔ اور آپ نے دیکھ لی تھی؟“

بخشنی نے اسے ڈانٹا، بولی: ”محبت خان! میں نے تمہیں یہ حق نہیں دیا ہے کہ تم شادی خان کو بڑا بھلا کہنے لگے۔ میں ایک بار پھر تمہیں یہ یاد دلاؤں گی کہ تم دونوں نے آپس میں نہ جھگڑنے کا عہد سے عہد کیا ہے اور تم دونوں میں سے جو بھی اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا، میری نظروں سے گم جاتے گا۔“

محبت خان نے بخشنی کے دل میں جگہ تو بنالی تھی، لیکن شادی خان کو اس کے دل سے نہیں نکال سکا تھا۔ وہی خبریہ حسد و رقابت جو پہلے شادی خان کے دل میں محبت خان کے خلاف پایا جاتا تھا، اب محبت خان میں پیدا ہو چکا تھا۔ بخشنی اپنی مرضی کی مالک تھی اسے جبراً اپنی مرضی پر نہیں چلایا جاسکتا تھا۔ آخر یہ سرچ کر اس نے اپنے دل کو حلقی دی کہ جس طرح اس نے بخشنی کے دل میں جگہ بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے اسی طرح ایک نہ ایک دن وہ شادی خان کو اس کے دل سے نکال دینے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔

رات کو کھانا میں تینوں ایک ساتھ بیٹھے۔ بیچ میں بخشنی بیٹھی تھی اور اس پاس محبت خان اور شادی خان بیٹھ گئے۔ بخشنی کی کنیز بڑا اور خدمت گار مرتد بچھے کھڑے ہو گئے بخشنی کو اس کے کمرے کے دونوں کو کھلائی رہی خود بہت کم کھارہی تھی۔ وہ دونوں ہنس ہنس کے کھارہے تھے اور آپس میں ہنسی مرقی بھی کرتے جارہے تھے لیکن دونوں کے انداز یہ بتاتے تھے کہ ان کے دل ایک دوسرے سے صاف نہیں ہیں۔ چالاک بخشنی بھی ان دونوں کی اندر دلی کشمکش اور کیفیت سے بخوبی واقف تھی۔ امن موقع پر بخشنی نے بڑی دلچسپ انداز میں گفتگو شروع کی۔ اس نے محبت خان سے دریافت کیا: ”محبت خان! تمہارے والد نے کتنی شادیاں کی تھیں؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”دو مرتبیں، ایک زندہ ہے۔“

بخشنی نے شادی خان سے سوال کیا: ”اور شادی خان! تمہارے باپ نے؟“

شادی خان نے جواب دیا: ”دو شادیاں اور یہ دونوں ہی پٹیاں ہیں۔“

زندہ ہیں۔“

بجٹھی نے کہا: "خدا نے مردوں کو بڑی چھوٹ دی ہے، کیا ایک عورت ایک دقت
ہیں دو مردوں سے شادی نہیں کر سکتی؟"

محبت خان نے: "اگوری سے جواب دیا: "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"
بجٹھی نے شادی خان کی طرف دیکھا اور بولا: "اس سلسلے میں تم کیا
کہتے ہو؟"

شادی خان نے جواب دیا: "کم از کم ایک افغان یہ ہے غیرتی برداشت
نہیں کر سکتا۔"

محبت خان نے کہا: "کبھی بھی نہیں کسی حالت میں بھی نہیں، اس بے غیرتی
سے موت ہزارہ درجہ بہتر ہے۔"

بجٹھی نے ہنس کر مذاقاً پوچھا: "اگر ایسا تجربہ کیا جائے تو کیسا رہے؟"
محبت خان نے نفرت سے جواب دیا: "اس میں ایک آدمی کی جان جا سکتی ہے۔"
شادی خان نے کہا: "افغان اپنی غیرت سے بچا جاتا ہے۔"
بجٹھی نے کسی سیزرک شور بائیں شروع کر دیا، پھر منہ بند نہجنتی ہوئی، بولی: "یہ تجربہ
ہیں کرنا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں تم دونوں آپس میں دوستی اور ریکانگت کو برقرار رکھو
اور میرے لئے درد مرکا باعث نہ ہو۔"

دونوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا، ہمدردیوں کے جھرے ٹمٹمانے لگے۔ محبت خان کا
نوالہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بولا: "کم از کم میں اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور
حاجی پور سے کہیں اور چلا آؤں گا۔"

شادی خان نے غور غور کا اظہار کیا، بولا: "محبت خان، ہم نے بالکل صحیح فیصلہ کیا۔
میں تمہارے فیصلے پر مبارکباد دیتا ہوں، تم جتنی جلدی حاجی پور سے چلے جاؤ گے تمہارے حق
میں بہتر ہوگا۔"

محبت خان نے نوالہ پھر اٹھا لیا اور اسے منہ میں رکھتا ہوا بولا: "میں تمہیں خوش
کرنے کے لئے حاجی پور نہیں چھوڑوں گا۔ میں کیوں جاؤں گا؟ حاجی پور تو تمہیں چھوڑنا چاہیے۔"
بجٹھی کو ہنسی آگئی۔ اس کے منہ سے شور باریا نہ نکلا۔ بولی: "خوب گویا تم دونوں
ہی میرے پاس رہنا چاہتے ہو۔"

محبت خان نے کہا: "شادی خان مجھے چلنا کہہ کے خود تمہارے پاس ہی رہنا چاہتا ہے
اور یہ ظاہر ہے کہ میں اس کو اتنا خوش قسمت نہیں بننے دوں گا۔"

شاہزی خان نے طنزاً سوال کیا: "تو کہا تم بہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں بخششی کے پاس
چھوڑ کے چلا جاؤں گا؟"

بخششی نے کہا: "میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم دونوں ہی میرے پاس رہو۔
اور ایک دوسرے کو ایسا دوست سمجھنے لگو اور اگر تم دونوں ہی مجھے چاہتے ہو تو تمہیں میری
یہ بات ماننی پڑے گی۔"

محبت خان خاموش ہو گیا اور شاہزی خان اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتے لگا۔
بخششی نے کہا: "تم دونوں میں میرے مرحوم سوتیلے بھائی کی مشابہتیں پائی جاتی ہیں اس لئے
میں دونوں کو اپنے پاس رکھنے چاہتی ہوں۔"

محبت خان نے طنزاً بول دیا: "اگر درجہ دار ایسے آدمی اور مل گئے جن میں تمہارے ٹوہر
مرحوم کی مشابہتیں موجود ہوں تو ان کے ساتھ تمہارا کیا سلوک ہو گا؟"

شاہزی خان نے بخششی کو محبت خان کے خلاف چڑھایا: "اس گستاخی کا بھی کوئی
جواب ہے، محبت خان کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔"

محبت خان نے جواب دیا: "یہ نہیں افسردہ بنیے تکلف محسن ہے اس میں آزاد گفتگو
کے گمراہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ آداب حق ہے۔"

بخششی نے مسکراتے ہوئے کہا: "میں تمہاری بات سے متفق ہوں۔" پھر
شاہزی خان کو سکھاتا ہوا کہ: "شاہزی خان! آخر میں بھی تو یہی قسم کی
گفتگو کر رہی ہوں۔"

محبت خان نے کہا: "بھروسے سے سوال کا جواب عذارت ہے۔"
بخششی نے جواب دیا: "میرے سوتیلے بھائی کی مشابہتیں اور مائلیتیں رکھنے والوں کو میرے
سامنے کئے ہوئے درد بھری کوئی فیصلہ کرنے کی۔"

محبت خان تو ایک عورت کی ایسی صاف گوئی پر حیرت منی۔ وہ تو اس پر گہرا لیکن شاہزی
خان انہماک سے اس کے سامنے خان کو اس کے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ کیونکہ محبت خان کی
اداسی اور افسردگی کسی وقت بھی اس کا بخششی سے پیچھا چھڑا سکتی تھی۔ یہ اس کا دورہ
اس پر کہ دن کے پڑا چلا کہ بخششی اس کی اس کیفیت کو گہری نظروں سے دیکھتی اور اس کی
سبب سمجھتی رہی۔ اسی دوران تو وہ بھی دوبارے چند افسردہ پریشان ایک دورہ آ گیا۔ یہ دن بخشی
سے امداد و اعانت حاصل کرنے آئے تھا۔ اس لیے اس سے پانچ ہزار فوجی ایک ہزار
گھوڑے اور بیس ہاتھی طلب کیے تھے۔ یونکہ فرغانہ کا مغل فرمان روا باہر دہلی کی طرف بڑھا

چلا آ رہا تھا۔ بخشنی نے دھڑ سے بات چیت کرنے پر شادی خان کو متعین کر دیا۔ محبت خان نے بخشنی سے درخواست کی کہ اسے بھی خوجیوں کے ساتھ باہر کے مقابلے پر روانہ کر دیا جائے لیکن بخشنی نے اس کی درخواست مسترد کر دی، بولی: ”محبت خان! تم ہمیں حاجی پور میں نہ بھرا اگر کسی اچھے خوجی کا بھیجا ضروری ہوا تو میں شادی خان کو روانہ کر دوں گی۔“

محبت خان کے دل میں امید کی کرن پھر طلوع ہو گئی۔ پوچھا: ”کیا شادی خان اس مہم میں شامل ہو سکا؟“

بخشنی نے تیرہ یوں پہ بل ڈال کے کہا: ”کیا مطلب؟ شادی خان میرا ملازم بھی ہے۔ زیادہ میرے حکم کے خلاف دم مارنے کی بھی ہمت کر سکتا ہے۔“

محبت خان کی آنکھوں میں محبت کی شراب جھلکنے لگی، احاسے بخشنی بھی مسکرا رہی تھی اور اس کی آنکھیں بھی کچھ چاہنے کی حسنی سے لبریز ہو گئی تھیں۔ اچانک اس پر غشی کا دورہ پڑا اور وہ گمے لگی لیکن اس گمے میں بھی اتنا ہوش موجود تھا کہ اس نے محبت خان کا شانہ پکڑ لیا۔ محبت خان نے بھی اسے اپنے ہاتھوں میں سے لیا۔ بخشنی میں اتنی طاقت بھی نہ رہی تھی کہ اپنی مرضی اور اختیار سے ذرا اسی جنبش تک کر سکتی۔

وہ اسے جس کی منقش اور آئینہ سی مہر کی تک لے گیا۔ مہر پر بشمی چادر بھی تھی اور سر ہانے دو رنگے رکھے تھے جن پر دھوپ چھاؤں کے رہشمی غلاف چڑھ چکے تھے۔ پائنتی پر ہلکی دلائی پڑی تھی۔ محبت خان نے بخشنی کو مہر پر ڈال دیا۔ وہ بہت گھبرا ہوا تھا کہ بخشنی کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ جھک گیا اور بے تابی سے پکارے لگا: ”بخشنی! بخشنی! آنکھیں کھولتے، یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ خبریت تو ہے۔“

بخشنی نے کوئی جواب نہ دیا، بس پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی رہی محبت خان نے اسے شانے سے پکڑ کر بلایا: ”یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے بخشنی؟ کچھ بولتے تو۔“

”بخشنی نے نہ سہل لب کچھ کہ: ”جو محبت خان کی سمجھ میں نہ آیا۔“

محبت خان نے پوچھا: ”کیا میں آپ کے طبیب خاص کو بلواؤں؟“

✽

✽

✽

بخشنی نے بے چینی سے نفی میں گھون بلانی کر دیا۔ محبت خان نے پھر پوچھا: ”پھر میں کیا کروں؟ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے بخشنی؟“

بخشنی نے ہاتھ کے اشارے سے ازور زور سے لپٹتے ہوئے سامنے کے دروازے

کو بند کر دینے کی خواہش کی۔ محبت خان نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ
 بخشوں کے پاس چلا گیا۔ بخش نے اُسے کھڑے دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے مسہری پر بیٹھ
 جانے کا اشارہ کیا۔ محبت خان دُور سے دُور سے جھپکتے جھپکتے مسہری کی پچی پر بیٹھ گیا۔ بخش
 نے وارفتگی میں محبت خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خفیف آواز میں بولی "محبت خان
 مجھے درحقت، ہو رہی ہے، مجھے معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے، میرے سینے میں درد ہو رہا ہے۔"

محبت خان نے غم انداز میں پوچھا "کہاں؟ درد؟ کیسا درد؟"
 بخش نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھنا چاہا لیکن محبت خان نے کھینچ لیا بخش نے
 کہا "بائیں طرف پیسوں کے اندر بڑا درد ہو رہا ہے، محبت خان"۔ پھر وہ بلیک بلیک کر دے
 لگی "محبت خان! تم سمجھتے کیوں نہیں، میں مر جاؤں گی، یہ درد میری جان لے کر چلے گا
 میں مر جاؤں گی محبت خان۔"

سادہ لوح محبت خان پریشان ہو کر جا رہا تھا، درحقت سے پوچھا "آخر یہ کیسا درد
 ہے بخش؟ مجھے کچھ کھن کے تو بتائیے؟"

بخش نے غمزدہ نظروں سے محبت خان کو دیکھا اور کرب ناک مسکراہٹ سے اس
 کا ہاتھ تھما لیا۔ اسے دہائی ہوئی بولی "میں نہیں اتنا سادہ لوح نہیں سمجھتی
 تھی محبت خان! اسی کی آنکھیں بند تھیں۔"

"تمہارا دل پتھر کا ہے محبت خان! کیا میں نے تمہیں اپنے دل کی
 بی بات اخلاص میں نہیں بتا دی تھی کہ تم میں میرے مرحوم شوہر کی ہمت ساری علامتیں
 اور ستائشیں موجود ہیں، میں نے تمہیں نہیں بتایا، اپنے مرحوم شوہر کو بتایا ہے تم مجھے سمجھنے کی
 کوشش کرو محبت خان!"

اب محبت خان سب کچھ سمجھ چکا تھا، اس نے ایسا محسوس کیا، جیسے حاجی پور
 کا اقتدار اس کے قدموں میں پڑا، بوسہ دے رہا ہے۔ حاجی پور کا ہر گھر اور ہر فرد اس
 کی قدم بوسی کر رہا ہے۔ انہی لوگوں میں شادی خان بھی موجود تھا، لیکن اب وہ پہلے
 جیسا شادی خان نہیں تھا۔ اس نے نصرت کی آنکھوں سے شادی خان کو اپنے دروہرو
 سوز بکھر کر دیکھا۔

بخش نے ایک طرف کھٹکتے ہوئے کہا "ادھر آ جاؤ محبت خان، میرے دل
 میں سما جاؤ۔"

مکرا دیا۔

بخشی نے ابراہیم لودھی کے وفادار سے وعدہ کر لیا کہ وہ بادشاہ کی مطلوبہ مال ایک ماہ کے اندر اندر آگے سے روانہ کر دے گی یہ سارے معاملات شادی خان کے ذریعے طے پا رہے تھے۔ محبت خان کو وفادار سے نہیں ملنے دیا گیا تھا، محبت خان نے وفادار کے ارکان سے ملنے کی خواہش بھی کی لیکن بخشی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اب اس کی پہلی جیسی حیثیت نہیں رہی۔

شادی خان ابراہیم لودھی کو بھی جانے والی مال کی فراہمی میں مشغول ہو گیا۔ محبت خان شب و روز بخشی کے قریب رہنے لگا۔ ان دنوں وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا تھا۔ ان آسائشوں میں آئے اپنی ماں اور بہن کی یاد بھی آتی اور اس نے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ کچھ دنوں بعد وہ ان دنوں کو بھی حاجی پور ہی میں بلاتے گا۔ اب تک یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ ان ابراہیم لودھی کے کتاب کا شکار ہیں۔

شادی خان نے پچھ ہزار سپاہ، ایک ہزار گھوڑے اور پچیس ہاتھیوں کا انتظام کر لیا تھا۔ انہیں قلعے کے سامنے میدان میں بخشی کے معتمد کی خاطر گھڑا کر دیا گیا۔ بخشی ایک اعلیٰ گھوڑے پر سوار ہو کر اس میدان میں پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ محبت خان بھی اپنے سپاہ گھوڑے پر سوار چل رہا تھا۔ بخشی کے چہرے پر باریک حالی کی سیاہ نقاب چڑھا ہوئی تھی۔ شادی خان بھی اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار بخشی کو مدانتہ کر رہا تھا۔ بخشی کا سر شکست سے ذرا تھکا ہوا تھا۔ اس نے شادی خان سے پوچھا: ”کیا یہ سپاہ تمہیں یافتہ ہے؟“

شادی خان نے جواب دیا: ”بہت اچھی تربیت یافتہ اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے خلاف معرکہ آرائی میں یہ خاص نام پیدا کریں گی۔“

بخشی نے ہاتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: ”ان پچیس ہاتھیوں کے چبھ جانے کے بعد ہمارے پاس کتنے اور باقی رہ جائیں گے؟“

شادی خان نے جواب دیا: ”کل دس۔“

بخشی نے پوچھا: ”کیا یہ سدھاتے ہوتے ہیں؟“

”ہاں بہت اچھے سدھاتے ہوتے۔ ان سے ہمارے مغل فوج کو روکا جاسکے گا۔“

اور چھوٹے موٹے قلعوں کو زمین بنوایا جاسکے گا۔“

بخشی بہت خوش ہو گئی۔ بولی: "ان کے کچھ مرتب دکھاؤ۔"
شادی خان نے فیملی بالوں کو حکم دیا اور انہوں نے ہاتھ کیوں کے مرتب دکھانے
میں مدد کر دی۔

"سب کے آخر میں شادی خان نے بخشی سے دریافت کیا: "یہ انداز کس شخص کی
سرمدگی اور نگرانی ہیں؟ اگر تم روز کی جلتے گی؟"

بخشی نے جواب دیا: "منہاری سرمدگی میں۔ انہیں تم آگے لے جاؤ گے۔"
شادی خان چونک بڑھا۔ ایسا لگا جیسے کسی نہ ہرٹ کیسے کے قریب مار دیا ہو۔ اس
نے حیرت اور پڑمردگی سے پوچھا: "یعنی انہیں تم آگے لے جاؤں گا؟"

"ہاں،" بخشی نے کہا۔ "انہیں تم آگے لے جاؤ گے۔"
شادی خان نے معنی خیز نظروں سے محبت خان کی طرف دیکھا اور پھر بخشی کی
طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا: "اور یہاں حاجی پور میں آپ کے پاس کون سے ہے؟" گا؟"
بخشی نے جواب دیا: "میرے پاس حاجی پور میں محبت خان رہے گا۔"
شادی خان کے چہرے کا رنگ سیدھا ہو گیا، وہ ایک دوا اس ہو گیا سبب خان
کا بخشی اور محبت سے سینہ تن گیا۔

شادی خان ف آہستہ سے لیکن مضبوط لہجے میں کہا: "میں آگے نہیں جاؤں گا محبت
خان کو اس مہم پر روانہ کر دیا جاتے تو بہتر رہے گا۔"

بخشی نے سختی سے کہا: "حکم میں ددں گی اور حاجی پور میل ہے، یہاں میری حکومت
ہے اور یہاں کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ میرے فیصلوں میں مداخلت کرے، میری
برخی اور میرے حکم کے خلاف کوئی کام کرے۔"

یہ کہہ کر اس نے محبت خان کی طرف دیکھا۔ محبت خان اپنے گھوڑے کو بڑھا کر شادی
خان کے قریب لے گیا اور توار کے دیتے پر ہاتھ رکھ کر بخشی کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

بخشی نے نکاحیوں سے ان ددوں کو دیکھا اور شادی خان کو حکم دیا: "تم پڑسوں
علی الصباح حاجی پور سٹا آگے چلے جاؤ گے۔ میں تعمیل کے سوا کچھ نہیں جانتی۔"

شادی خان سرعوب ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اب بھی اپنی ضد پر قائم رہا
تو بخشی اس کے گھر سے اٹھا دے گی۔

بخشی نے درستی لے کہا: "شادی خان! میں تمہارے منہ سے تمہارا جواب سنا چاہتی
ہوں۔"

شادی خان نے مردہ دلی سے کہا: "آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی؟"
 یخشی خوش ہو گئی، محبت خان کو حکم دیا: "محبت خان! تم اس سپاہ کے ارد گرد
 پھر کے شکار تو کرو کہ یہ پودے سے پلٹے ہزار ہیں بھی یا نہیں؟"
 محبت خان سپاہیوں کی کشتی کرنے لگا تو یخشی نے شادی خان کو کچھ اونہ قریب لے
 لیا۔ اس نے پوچھا: "شادی خان! تم میں یہ ہمت کہاں سے آگئی کہ تم میرے حکم کی خلاف
 ورزی کرنے لگے؟"

شادی خان جیسے بھلے ہی بیٹھا تھا۔ بھڑائی ہوئی آواز میں بولا: "یخشی، محبت خان
 جیسے لو آؤں گا یہاں آپ کے قریب رہنا اور میرا آگے سے چلا جانا، البتہ معاملہ نہیں ہے کہ مجھے صبر
 معزز اور بختہ کا امیر خوش دلی سے گوارا کرے؟"
 یخشی نے اسے تسلی دی، بولی: "تم کیوں گھبراتے ہو شادی خان! میرے عارضی اور
 دائمی فیصلے ہیں، میں تمہیں چاہتی ہوں، تم سے محبت کرتی ہوں اور آخر تک تمہی کو چاہوں
 گی۔ تمہیں آگے اس لئے بھیجا جا رہا ہے کہ اس ذمہ دار مہم کو تمہاری ہی نگرانی اور سرکردگی
 میں بھیجا جا سکتا ہے؟"

شادی خان نے معلوم آواز میں کہا: "لیکن آپ آگے میں بہت یاد آتی گی؟"
 یخشی نے جواب دیا: "اور مجھے تم بھی بہت یاد آتے رہو گے کیونکہ تم میں میرے راز
 شوہر کی بہت ساری مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔"
 شادی خان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: "کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ مجھے بھلا دیں؟"
 یخشی نے کہا: "نہیں ایسا نہیں ہو گا، تم مطمئن رہو۔"
 شادی خان جھپ تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات یہ بتاتے تھے کہ اسے
 یخشی کی باتوں پر یقین نہیں ہے۔

کچھ دیر بعد محبت خان نے آگے بتایا کہ سپاہی پودے سے پلٹے ہزار ہیں گھوڑے
 ایک ہزار اور ہاتھی بچیں۔

یخشی نے شادی خان سے کہا: "شادی خان! تمہیں چہرے میں تک باہشاہ کی
 خدمت میں روانہ ہو جانا ہے اور روانگی سے پہلے تمہیں مجھ سے کم از کم دو ملاقاتیں
 ضرور کرنی ہیں؟"

اس آخری جملے نے محبت خان کے دل کو چوٹ لگائی لیکن بے بس تھا، کچھ کہہ
 سکتا تھا۔

محبت خان نہایت ہوشیار اور چالاک کی سے شادی خان کا انتظام کرتے ہوئے۔ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ بخششی جب بھی اٹھے! لانا پائے گی وہی محبت خان کی ملاقات کے ہونگے۔ وہ خود محبت خان ہی گئے۔ وہ دوسرے دن دوسرے کو اس نے محبت خان کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کی مطلوبہ امداد کی چند گھنٹے نگہ رانی کرے! اٹھے! بادشاہ کی امداد کے سلسلے میں شادی خان سے کچھ اہم مشورے کرنا ہیں۔ محبت خان بلا چون و چرا چلا گیا لیکن بخششی کی طرف سے اس کا دل ہٹنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ بخششی وہ دوسرا کھیل کھیل رہی ہے! وہ اس کے قول و فعل پر آنکھ بند نہ کر کے یقین نہیں کیا جاسکتا۔

کئی گھنٹے بعد شادی خان واپس پہنچا اور محبت خان سے کہا: اب تم واپس
 آ سکتے ہو۔“

محبت خان نے شادی خان کو بغور دیکھا، شادی خان اس دقت بھی خوش نہیں
 تھا، اٹھ کے چہرے پر حزن و ملال کی گہری چھائیوں بٹری ہوئی، تعجب۔ محبت خان نے طنزاً
 بوجھا، ”تم دونوں میں کس قسم کے مشورے ہوئے، سبب کیا تم دونوں اپنے ان مشوروں
 سے مطمئن بھی ہوئے یا نہیں؟“

شادی خان نے اسے چھڑک دیا۔ ”محبت خان! زیادہ مت انداز اور اپنے بہوش میں
مرہمہ میں جانتا ہوں کہ غلط اور تقدیر کھلمے سے ساتھ ہیں۔“

محبت خان نے ترشی سے جواب دیا: "میں نے تم سے جو کچھ بڑھ چاہا یہ اس کا جواب تو نہیں!"

مٹا دی خان نے اس کے قریب جا کر کہا ”تم بخشی سے ہو، وہ آگے
تہیں روانہ ہوئے“

محبت خان نے کہا: "یہ تو میری دلی خواہش ہے لیکن بخششی میری بات نہ لے گی کیوں نہ؟"

مذہبی جان نے افسردگی سے کہا: "نہم کہہ کے تود مجھ کو میرا خیال ہے وہ مان جائے گی۔"

عجبت خان نے جواب دیا: "اگر مجھے اس بات کا ذرا سا بھی یقین ہوتا تو میں اس سے کب کی نہ درخواست کر چکا ہوتا!"

شاہدی خان نے مایوسی سے کہا: ”آج میں نے اس بات کی بڑی کوشش کی کہ وہ میری جگہ تہیں روانہ کر دت لیکن وہ نہیں مافی مگر میرا دل کہتا ہے کہ اگر یہی بات

تم کہہ کر تو وہ ضرور مان لے گی۔

محبت خان نے شادی خان کو سوا بیہ نظریں سے دیکھا اور بولا: ”اگر تم مکہ میں
ہو تو میں آج اس سے پرہیز کر رہا ہوں گا۔ اگر مان لیا تو میں فوراً ہی تمہیں اس فیصلے سے
مطلع کر دوں گا۔“

شادی خان نے کہا: ”ہاں ایک بات اور اگر بخشی تمہاری بات نہ مانتے تب بھی تم مجھ سے
کل بل ضرور لینا۔ تم سے کچھ ہمت ضروری باتیں کرتا ہوں۔“
محبت خان نے جواب دیا: ”بہتر ہے۔“

اُس روز رات کو محبت خان درمیان تک بخشی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش
کرتا رہا کہ وہ شادی خان کی جگہ اسے آگے سے روانہ کر دے لیکن بخشی اس پر کبھی جواب
بھی نہ دیا نہ ہنسی۔ آخر جب وہ محبت خان کے اصرار سے ہمت نہ رہ سکی تو اس نے ٹھٹھا
سے کہا: ”محبت خان! تم ایک بے کار بات کے لئے اتنی حد تک آمادہ ہو گئے کہ اگر سے تم نہیں
حاجی پور کو ضرورت ہے۔ اگر اہم خود بھی کو نہیں بخشی کو ضرورت ہے۔“

محبت خان نے کہا: ”میں اپنی ماں اور میں سے مناجا ہوتا تھا میں نے سوچا کہ یہ
اگر سے حاجی پور کا تو وہاں تمام سڑک بند ہوتے دروں سے خوب اچھی طرح مل لے اپنی ماں اور
کوئلے کو روایہ حاجی پور واپس آؤ گا۔“

بخشی نے آنکھیں مٹا کر کہنے ہوئے کہا: ”میں نہیں اتنی ساری سے آگے نہیں
جائے دوں گی، میں نہیں اتنی باریک یا دو راؤں کہ تم میں میرے مزاج سے ہمت ہی مشابہ
پاتی جوابی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتی کسی قیمت پر تم میں آگے نہیں جاؤ گے۔
ضرورت آگے سے نہیں حاجی پور کو ہے بادشاہ کو نہیں سمجھے ہے۔“
محبت خان نے خاموشی اختیار کر لی۔

دوسرے دن حسب وعدہ محبت خان، شادی خان کے پاس پہنچ گیا اور
”شادی خان! میں حسب وعدہ تمہارے پاس آ گیا ہوں، بتاؤ تم نے مجھے کیوں بلایا؟“
اس وقت یہ

شادی خان نے کہا: ”پہلے یہ تو بڑا بخشی نے کیا کہہ دیا۔“
محبت خان نے جواب دیا: ”دو باتیں ہیں کہ آگے سے تمہارے حاجی پور کو ہے؟
ضرورت ہے۔“

شادی خان نے نرمی سے کہا: ”مجھے معلوم تھا کہ تم دونوں کی بات چیت

یہی انجام ہوگا۔“

محبت خان نے بے نرمی سے پوچھا: ”تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟“
شاہی خان نے کہا: ”ذرا دم نہ لو، ابھی بتانا ہوں۔“
محبت خان نے ہر صورت بے نرمی سے کہا: ”میں دم نہیں لوں گا جو بات بھی نہ کہے“
”خدا کر ڈالو۔“

شاہی خان کھڑا ہو گیا۔ پوچھا: ”تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟“
محبت خان نے جواب دیا: ”بہر گھر ہے۔“
شاہی خان اندر چلا گیا۔ بولا: ”میں ابھی آتا ہوں۔“
محبت خان معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے یہ شبہ بھی گذرا کہ کہیں شاہی خان نے اس کی خلاف کوئی سازش نہ نہیں بنی ہوگی۔ وہ احتیاطاً باہر نکل گیا اور اپنے گھوڑے سے پاس جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد شاہی خان سرخ لباس پہنے ہوئے نمودار ہوا۔ شاہی کے شانے پر دو تلواریں اور دو ڈھالیں بٹری ہوئی تھیں۔ محبت خان انھیں میں بڑھ کر کہہ دیا
”ان آخر چاہتا کیلئے ہے۔“

شاہی خان نے دونوں تلواریں محبت خان کی طرف بڑھا دیں، بولا: ”ان میں تو تلوار چاہو، لے لو۔“

محبت خان نے پوچھا: ”آخر کہیں؟ بات کیلئے ہے؟“
شاہی خان نے کہا: ”تم دونوں تلواریں بکڑو تو سہی۔“
محبت خان نے دونوں تلواریں لے لیں۔ شاہی خان نے ایک ڈھال محبت خان کی پشت پر ڈال دی، بولا: ”محبت خان! میں ساری رات اس کشمکش کا حل سوچتا رہا، میں بھی افغان ہوں، تم بھی پٹھان ہو، ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف دعا گوایا نہیں کر سکتے۔ ہم دونوں کو ایک ایسے دھڑا ہے پر کھڑا کر دیا ہے جس کے ایک طرف سامان دل بستگی ہے، دوسری کی خوشیاں ہیں، آسائشیں ہیں اور دوسری طرف موت ہے، بالواسطہ ہیں، دل بستگی ہے اور دوسری اور دوسری اذیتیں ہیں، اور ان دونوں راہوں پر ہم تسماعی سے ہم دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ بہت زیادہ غور و فکر کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو واقعی شہداء بننا کی راہ پر چلنے کا مستحق قرار پا جائے گا، مرنا ہو جائے گا۔“

محبت خان نے پوچھا: ”اس استحقاق کا فیصلہ کس طرح ہوگا؟“
شاہی خان نے جواب دیا: ”ہم دونوں اپنے حق کا فیصلہ جاہل سے کریں گے جو مقابلے

میں جیت جیت کا وہ بخشنی کے پاس رہنے کا مستحق ہو گا۔“

محبت خان نے ایک تلوار بے دلی سے لے کر دوسری شادی خان کی طرف بڑھا دو بولا۔ ”لیکن میں نے تو اب تک یہی محسوس کیلے کہ بخشنی ہم دونوں میں سے کسی ایک کو بچھڑا کر دے گا۔“

شادی خان نے تلوار لے کر غصے میں کہا۔ ”لیکن یہ ہم کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ وہ بیک وقت ہم دونوں کی محبت پر غور کرے۔ اس کو ایک ہی کا بن کر دینا ہو گا۔“

شادی خان اپنا گھوڑا لے آیا۔ محبت خان نے پوچھا۔ ”ہم دونوں کہاں مقابلہ کریں گے؟“

شادی خان نے جواب دیا۔ ”اس جگہ، جہاں ہم دونوں پہلے بھی ایک بار مقابلہ کر چکے ہیں اور بخشنی نے حمل ہو کر اس مقابلے کو روک دیا تھا۔“

محبت خان گھوڑے پر بیٹھ گیا، بولا۔ ”میں مقابلے پر اس لئے آمادہ ہو گیا ہوں کہ اگر تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جاسے کہ محبت خان تو نہ کر بیٹھ دکھلا گیا، درجہ جس مقابلے کو تو ذکر کر رہا ہے اس میں میرے ساتھ تو نے دھوکا کیا تھا اور وہ مقابلہ تجھ سے نہیں تیرے آدمیوں سے ہوا تھا۔“

شادی خان بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا، بولا۔ ”محبت خان تم مجھے تو کر کے مرنے کی طلب کر رہے ہو، ہم دونوں اپنی کمری اور برتری کو عنقریب ثابت کرنے والے ہیں، لہذا میری طرف سے تم سے کہ تم اس سے پہلے میری تحقیر نہ کر دو۔“

محبت خان نے گھوڑے کو حرکت دی، بولا۔ ”مہتر ہے لیکن جب تمہارے اس آدمی کو یاد کرنا ہوں تو میرا خون کھو لے لگتا ہے۔“

دونوں وہیں پہنچ گئے جہاں ایک دن محبت خان قتل ہونے ہوتے پڑے گبا تھا۔

مقابلے سے پہلے شادی خان نے کہا۔ ”محبت خان! ہم دونوں میں جو فاصلہ ہے وہ دوسرے کے مقتول ہونے کی خبر بخشنی تک کس طرح پہنچائے گا۔“

محبت خان نے جواب دیا۔ ”یہ بات ہے، اس پر ہمیں قبل از وقت غور کرنا چاہیے۔“

شادی خان نے کہا۔ ”دیسے تو میں نے یہ سوچا ہے کہ اگر میں نے نہیں کر کے بلکہ کرنا یا تو بخشنی سے کہوں گا یہ مقابلہ محبت خان کی ایسا پر ہوا تھا اور ہم دونوں نے

وہاں اٹھا کہ یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جو ماہِ زنت میں جیت کر خود کو بخشی کا مستحق ثابت کرے گا، بخشی کے پاس رہے گا۔

محبت خان نے جواب دیا: ”جہاں یہی سہی جو تم کہتے ہو میں بھی وہی کہہ دوں گا۔“

دو دن اپنے گھوڑوں کو ذرا فاصلے سے، برابر لے گئے، دونوں کی تلواریں ایک ساتھ پیام سے طلوع ہو گئیں۔ مشرق میں سورج ادا اور پہاڑ چمکا تھا۔ اس کی شعاعیں چمکیلی تلواروں سے ٹکرائیں۔ لگا بھوں کو خبر نہ کہیں۔ شادی خان نے اس پر حکم کیا تو محبت خان نے جھک کر گردن، بچا۔ محبت خان نے شادی خان کے ایک ہاتھ کو ادا دینا چاہا لیکن شادی خان پھرتی سے اپنے گھوڑے پیچھے ہٹا لے گیا اور ہاتھ کو بچا لیا۔

شادی خان گھوڑے کو کا داسے کہ ایک دم محبت خان کے سر پر آیا اور تلوار کا پھلور مار کر دیا لیکن محبت خان چپتی سے اس کے پہلو سے بچ نکلا اور شادی خان کے ہاتھ سے تلوار ڈھرجا گئی۔ محبت خان پلٹ لے ڈاکر نے ہی والا تھا کہ شادی خان گھوڑے سے پھانسی پر ادر دھرتی تلوار اٹھا لیا بچھ کر بولا: ”محبت خان! مجھے گھوڑے پر بیٹھ جانے دو۔ ذرا دم لو مقابلہ پھرے شروع ہو گا۔“

محبت خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”اچھا بیٹھ جاؤ اپنے گھوڑے پر۔ میں تین دقت تک مقابلے سے باز رہوں گا جب تک تم خود مقابلے کا اعلان نہ کرو گے۔“

شادی خان دوبارہ گھوڑے پر بیٹھ گیا، اور تلوار کو فضا میں لہراتا سہرا بولا: ”ہاں اب میں تیار ہوں، مقابلہ کا آغاز کرو۔“

دونوں پھر لڑنے لگے۔ ستائیس میں تلواروں کی کھٹ کھٹ اور گھوڑوں کے ادھر ادھر چھٹے رٹھنے سے ٹاپوں کی آوازوں سے فضا کا سکوت لڑے لڑے جاتا تھا۔ دینک دھول میں سے ایک بھی دوسرے کو نہ پہنچ سکا لیکن چھپتے چھپتے ہوتے زخمی دونوں ہی کو آپکے تھے۔ دونوں ہی نہایت احتیاط سے سنبھل سنبھل کے لڑ رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ بار بار یا مرنے کو ہی بھی نہیں چاہتا اور دونوں ہی بخشی کی کیف اور معیت میں زندگی کے بہترین دن گزار دینا چاہتے ہیں۔ لڑتے لڑتے شادی خان کو اپنا وہ زمانہ یاد آئے لگا، جب وہ بلانزکت غیرے بخشی کا مالک تھا اور آزادانہ حاجی پور کی کیف اور ادا شہانہ فضا میں سانس لیا کرتا تھا۔ تصویر اتنے اچھے فائل کر دیا اور محبت خان کی تلوار کے ایک پھلور مار نے شادی خان کے گھوڑے کو زخمی کر دیا، گھوڑا تکلیف سے ہنسیا اور الف ہر کر شادی

خان کو اتنا مسخت جھٹکا میا کہ وہ گھوڑے کی پشت سے دوڑ جا کر اٹھ اس کی پسیلیوں میں کئی پتھر چھوڑ گئے۔ محبت خان بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور شاوی خان کو قتل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ شادی خان نے اپنی تلوار محبت خان کی طرف پھینک دی اور کہتا ہوا بولا: "محبت خان میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں، مجھے قتل نہ کرو اب میری بخوشی اگر سے چلا جاؤں گا۔"

محبت خان کا اٹھا ہوا ہاتھ جھک گیا، اچھے شادی خان پر رحم آنے لگا۔ شادی خان نے اسے اپنے قریب بلایا: "محبت خان! تم میرے قریب آ جاؤ، میرے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں، اگر میں جیت جاتا تو وہ باتیں قطعی دے رہتا۔" محبت خان اس کے پاس جا بیٹھا۔ شادی خان ایک طرف کھسکنے لگا، مگر محبت خان نے اچھے کھسکنے سے منع کر دیا۔ پوچھا: "شادی خان! تمہیں پیاس تو نہیں لگ رہی؟" شادی خان نے ہنسنے پر مذہبان پھیری، بولا: "لگ تو رہی ہے لیکن پانی گھر چل کر پیتے گئے پہلے میری باتیں تو سن لو۔"

محبت خان نے کہا: "میں پہلے پانی پی لو، ورنہ باتوں میں فرق نہیں آتے۔" چشمہ قریب ہی ہے، میں تمہیں سہارا دے کر چشمے تک لے چلتا ہوں وہیں پانی پی کر باتیں بھی ہو جائیں گی۔"

شادی خان مسکراتے ہوئے بولا: "ہاں چشمے تک بالکل چل سکتا ہوں۔" پھر اچھے کی کوشش کی۔ محبت خان نے سہارا دے کر اٹھا دیا۔ شادی خان نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور دونوں آہستہ آہستہ چشمے کی طرف چل دیئے چشمے کے پانی سے پہلے تو دونوں نے اپنے منہ ہاتھ دھوئے اس کے بعد دونوں نے چلوؤں سے پانی پیا پانی پی کر دونوں وہیں بیٹھ گئے۔

شادی خان نے نہایت محبت سے اپنے رقیب کو دیکھا، پھر مسکرا کر بولا: "محبت خان! تم بہت شاندار افغان ہو، معلوم نہیں کیوں میرا دل تمہاری محبت سے لبریز ہو گیا ہے۔"

محبت خان نے جواب دیا: "شادی خان! تمہاری عزت تو میں بھی کرتا ہوں۔" شادی خان نے پوچھا: "محبت خان! آگے میں تمہارے کتنے غریب رہتے ہیں؟" محبت خان نے کہا: "یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے شادی خان۔ آگے میں یاد تو میرے کئی غریب رہتے ہیں لیکن تمہارے فیچے میں اپنی ماں اور بہن کو یہ پیغام پہنچا:

چاہتا تھا کہ میں انہیں بھی مہرت جلد اپنے پاس بلا لوں گا۔“
شادی خان نے افسوس سے کہا: ”تمہیں شاید ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ
تمہارے بعد تمہاری ماں کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور تمہاری بہن ایک دوسرے افغان
امیر کے حوالے کر دی گئی۔“

محبت خان نلکا کر کھڑا ہو گیا، مشتعل ہو کر کہہ لیا: ”او ملعون زادے! یہ تو کیسی
باتیں کرنے لگ گیا مجھ سے؟“

شادی خان نے تحمل سے کہا: ”اس وقت میں تمہاری گالیاں بھی سن لوں گا کیونکہ
ایسی خبریں کہ میں بھی ایسی ہی باتیں کرنے لگتا۔“

محبت خان نے کہا: ”تو نے ایسی جبری خبر کیوں سنائی؟“ تجھے یہ باتیں کس سے
معلوم ہوتی ہیں؟“

شادی خان نے کہا: ”ابراہیم اور جی کے دفتر کا ایک رکن مجھے یہ باتیں بنا گیا ہے۔
وہ تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن بخشتی نے اسے تم سے ملنے نہیں دیا۔ اس نے مجھے بھی منع کر
دیا تھا کہ میں یہ خبر تم تک نہ پہنچاؤں۔“

محبت خان سر پکڑ کے شادی خان کے قریب ہی بیٹھ گیا اور جیکے جیکے آگے بڑھتا
لگا اسے وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں جو آخری بار ابراہیم اور جی کے درمیان پیش
ہئی تھیں اور بد قسمتی سے وہ بہ بھول ہی گیا تھا کہ بادشاہ نے اس کے سامنے ہی اس کی
جائزہ اور املاک کی ضبطی کا حکم صادر کر دیا تھا اس نے بھڑائی آواز میں پوچھا: ”تو نہیں
بخشتی نے منع کر دیا تھا کہ یہ خبر مجھے نہ سنائی جائے؟“

”ہاں؟“ شادی خان نے کہا: ”اور تم قسم کھاؤ کہ اس کا ذکر بخشتی سے نہیں
کر دو گے!“

محبت خان نے غصے میں کہا: ”نہیں، میں اس معاملے میں بخشتی سے ضرور
بات کر دوں گا۔“

شادی خان نے گھبرا کر کہا: ”خدا کے لئے تم ایسا غضب نہ کرنا۔ میں لوہی دربار
کی مدد سے کہ عنقریب آگے چلا جاؤں گا۔ میرے چلے جانے کے بعد تمہیں اختیار ہو گا
کہ بخشتی سے باتیں کر لو۔“

محبت خان نے کہا: ”نہیں شادی خان تم میری بخشتی کے پاس رہو، میں
آگے سے جاؤں گا۔“

شادی خان نے کہا۔ ”لیکن بخشش تمہیں جانے کب دے گی؟“
 محبت خان نے جواب دیا۔ ”ہیں نہ ہر دسویں چلا جاؤں گا۔“ لیکن پھر سو
 سر بولا۔ ”اچھا تم بادشاہ کی مدد سے کمر آگے سے مدد نہ ہو جاؤ۔ میں تمہاری داپس
 تک نہیں رہوں گا۔“

شادی خان اس اچانک تبدیلی کا مطلب نہیں سمجھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے
 اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

محبت خان نے کہا۔ ”جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب میرے بھگسہ بیٹے
 کا قاتل رہا۔“

اچانک دونوں کے گھوڑے بھٹانے لگے۔ اور ساتھ ہی کہیں دور سے گھوڑوں
 کی ٹاہیں سنائی دینے لگیں۔ شادی خان سنبھل کر بیٹھ گیا۔ محبت خان کھڑا ہو گیا۔



دونوں کی نظریں آواز کی طرف اٹھیں ہوئی تھیں۔ گھوڑی دیر بعد کئی گھر سوار
 سوار ہو گئے۔ سب سے آگے بخشش کا گھوڑا تھا۔ یہ لوگ دونوں کے قریب پہنچ کر رک
 گئے۔ بخشش نے پہلے ان دونوں کے گھوڑوں کی طرف دیکھا۔ شادی خان کا نہ خوش گھوڑا نہ ختم
 پر بار بار بیٹھنے والا منقیدوں کو دم ہلا ہلا کر ادراشت اور پیٹ کو لڑھکھک دے کر اظہار تھا۔
 اس کے بعد اس نے شادی خان اور محبت خان کو گہری نظروں سے دیکھا۔ دونوں کی
 ڈھالیں اور تلواریں ان کے قحوں میں رکھی تھیں۔ بخشش گھوڑے سے اتر پڑی اور ان
 دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھ کر سوال کیا کیا بات
 ہے؟ تم دونوں نے آپس میں مبارکت کی ہے؟

محبت خان نے جواب دیا۔ ”ہاں۔ کیونکہ شادی خان کی جگہ میں آگے جانا چاہتا
 تھا۔ لیکن شادی خان نے کہا کہ آؤ اس سلسلے میں ایک مقابلہ ہو جائے پھر جو مقابلے
 میں جیتے وہی آگے سے بھی جائے۔“

بخشش کو شاید محبت خان کی بات بہت پسند نہیں آیا، بولی، ”پھر کون جیتا۔؟“
 محبت خان نے کہا۔ ”میں۔“

بخشش گھبرا گئی، بولی، ”پھر کیا تم آگے سے چلے جاؤ گے؟“
 ”نہیں!“ محبت خان نے جواب دیا۔ ”کیونکہ شادی خان کہتا ہے کہ درحقیقت“

حکم عروسی نہیں کرے گا۔“
 بخششی خوش ہو گئی: بولی: ”مجھے شادی خان سے یہی امید تھی، تم دونوں کو آپس

میں لڑنا نہیں چاہیے تھا۔“

شادی خان ابھی تک خاموش تھا، وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں محبت خان بخششی کو وہ ساری باتیں نہ بتا بیٹھے جن کا ابھی حضور می درمقابل اس نے چغل خوری کے انداز میں محبت خان سے ذکر کر دیا تھا۔

بخشنشی نے دونوں سے کہا: ”اب تم دونوں یہاں سے گھر چلو۔ میں تم دونوں کو یہاں دیکھ کر بہت ادا اس ہو گئی ہوں۔“

دونوں اٹھ کر اپنے اپنے گھوڑوں کی طرف چلے گئے۔ بخششی نے اپنے ایک سپاہی کو اغاسے سے حکم دیا کہ وہ ان دونوں کی ڈھالیں اور تلواریں اٹھالے جس کی فوری تعمیل ہوئی۔

حضور می درمقابل لوگ دہان سے روانہ ہو گئے۔

سہ پہر کو بخششی نے شادی خان کو بہت سمجھایا، اور اسے یقین دلایا کہ وہ ایسے نہ ہوا جس کے دل میں شادی خان کے لئے اتنی ہی محبت موجود ہے جتنی محبت خان کی آرم سے پہلے تھی۔ دوسری طرف محبت خان کو یہ سمجھایا کہ وہ محبت خان کو آگے سے اس لئے نہیں بھیجے گی کہ بادشاہ کے دفتر سے اسے تنبیہ کی ہے کہ محبت خان بادشاہ کا معتبوب ہے اور جب تک بادشاہ اسے غور نہ طلب کرے، محبت خان کو آگے سے نہیں بھیجا جاسکتا۔

شادی خان پانچ ہزار سپاہ، ایک ہزار گھوڑے اور بیسیں ہاتھیوں کی مدد لے کر آگے چلا گیا۔ بخششی اسے دیر تک چھوڑنے لگی اور جب دابیں آتی تو بہت ادا اس تھی، اس نے محبت خان کو بھی نظر انداز کر دیا اور آسو بھاتی بنے کرتا، میں ہا کر لبتی گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے محبت خان بھی وہیں پہنچ گیا۔ لیکن ایک کنیز نے اسے کمرے کے باہر ہی روک لیا۔ بولی: ”اس وقت آپ اندر نہیں جاسکتے، کیونکہ بیگم صاحبہ نے کسی کو بھی اندر جانے سے منع کر رکھا ہے۔“

محبت خان نے زور سے کہا: ”میں افسر وہ دسو گوار بیگم کو تسلیاں دینا چاہتا ہوں تم مجھے اندر جانے سے نہیں روک سکتیں۔“

بخشنشی اچانک دروازے پر نمودار ہوئی، بولی: ”محبت خان کو دست

رود کہ، اندر آتے دو۔“

کپنر نے مزاحمت ختم کر دی۔ اور محبت خان کمرے میں داخل ہو گیا۔ اشکبار
بخشی نے آہستہ سے کہا، ”دروازہ بند کر دو۔“

محبت خان نے دروازہ بند کر دیا۔

”وہ بولی“ محبت خان، ”تم مجھے چاہے کتنی ہی بڑی عورت کیوں نہ سمجھو لیکن میں اقرار
کروں گی کہ میں شادی دان کو بھی چاہتی ہوں، اس سے بھی محبت کرتی ہوں۔“

محبت خان نے اندر سے کہا، ”لیکن یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں
آتی کہ کوئی عورت بیک وقت درودوں سے محبت کرے، اب کیا کہیں نہیں ہوا، اس
کی دوسری کوئی مثال تمہیں ملنی۔“

بخشی اسے نشہ تک لے گئی، بولی، ”تم قحطی در میرے پاس بیٹھو، میں
دلیلوں سے تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گی۔“

محبت خان اس کے ساتھ بستر پر بیٹھ گیا۔ بخشی نے کہا، ”جس طرح مرد کے
سینے میں بائیں طرف دل ہے اسی طرح عورت کی پلید کے پیچھے بائیں جانب دل موجود
ہے، جو جذبات عشق و محبت ایک مرد کے دل میں موجزن ہوتے ہیں وہی جذبات عورت کے
دل میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک مرد تو کئی کئی عورتوں سے بیک وقت
عشق کرے اور ایک حکمران ایک ہی وقت میں بہت سی عورتوں کو زیر اپنے حرم میں ڈال لے لیکن
ایک عورت ایک وقت میں ایک ہی مرد پر قناعت کر لے۔“

اس دلیل نے محبت خان کو چکرا دیا۔ گھبرا کر بولا، ”لیکن ایک عورت کو یہ باتیں زیب
نہیں دینیں۔ لوگ ان باتوں کو بہتر پسند نہیں کریں گے۔“

بخشی نے بڑھاپا، ”لوگ؟ لوگ منہ کھولیں یہ کہہ سکے ہو کہ مرد اس بات
کو پسند نہیں کریں گے، لیکن میں تو یہ کہہ دوں گی کہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو تم اپنے لئے پسند
کر لے ہو وہی مرد مردوں کے لئے پسند کر دو۔“

محبت خان نے جھنجھلا کر کہا، ”لیکن تمہارے سوا ایک عورت بھی تمہاری ہم خیال نہ
نکلے گی اور کوئی عورت بھی یہ گواہ نہیں کرے گی کہ وہ بیک وقت کئی مردوں سے عشق لڑاتے۔“

بخشی نے کہا، ”تم مرد ہو کہ عورتوں کی ترجمانی نہیں کر سکتے۔ محبت خان، عورت
کیا چاہتی ہے اور کیا سوچتی ہے، یہ تم مردوں کو کیا معلوم، عورت بھی وہی چاہتی ہے جو
مرد چاہتے ہیں لیکن یہ دوسری بات ہے کہ عورت اپنی کمزور حیثیت کے پیش نظر اس کا

ظہار پر افراد نہ کرتے اور مرد ایسے اس کی اجازت بھی نہیں دیتے جس طرح مجھے گلاب
پندر ہے، پلا پندر ہے، اگل داؤدھی پندر ہے، یا سمیں پندر ہے اسی طرح میں تمہیں پندر
سرفی ہوں، شادی خان کو پندر سرفی ہوں اور کسی اور کو بھی پندر کر سکتی ہوں، یہ کہیں نے
کہہ دیا کہ دل جیسے دسین سمندر میں کسی ایک ہی شخص کی یاد رہ سکتی ہے محبت خان!
دل تو عمر و زمانہ کی زندگی کی طرح ہے کہ اس میں بہت کچھ رہ سکتا ہے، بہت سے لوگ رہ
سکتے ہیں۔ ہاں ان شہوتوں پر کن پینلو ضرور رہ سکتی ہے۔
بہت سے خان کا سمجھ میں نہ آتا، انہی "نکڑ" سے بھی تعین حاصل نہ ہو چکا، تم شادی
خان سے کافی اگے کا رہتی ہو۔"

بچہ بھی نے سوچ دیا، "بہت محبت نہ لادو، پندر اپنے من پر رہ کر کہہ دیا اور
بچہ شہوتوں پر کھڑا ہو کر، پندر کے ہاتھ پر لگے، جو ہاتھ کو اس نے ہی خان کو دیا، اس نے
لوگ کا ہاتھ لیا۔"

محبت خان نے بھی ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو۔"

"جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"

بچہ نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"

بچہ نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"

بچہ نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
بچہ نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
بچہ نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
بچہ نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
بچہ نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
بچہ نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"

★

★

★

محبت خان نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
محبت خان نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
محبت خان نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
محبت خان نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
محبت خان نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"
محبت خان نے ہاتھ سے پندر کے ہاتھ کو سمجھ لیا، "جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو، جی اجائی ہو۔"

بادشاہ کا معزوب تھا اب اس کے سامنے ایک سی ٹھکانا تھا، ایک ہی در تھا۔ اس نے ابراہیم لودھی کے حریف بابر کے لشکر میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک صبح وہ چپ چاپ حاجی پور سے نکل کر پانی پت کی طرف روانہ ہو گیا جہاں بابر پہلے ہی سے لشکر لے بیٹھا تھا۔ یہاں اور بہت سے افغان امراء بھی موجود تھے اور یہ سبھی وہ لوگ تھے جن کے ساتھ بادشاہ نے ظلم و تشدد کا سلوک کیا تھا اور وہ انتقام لینے کی خاطر بابر کی فوج میں آ گئے تھے۔

سامنے ابراہیم لودھی بھی عظیم الشان لشکر لے کر آ گیا تھا۔ ایک لاکھ نوے کے ساتھ دو ہزار باگھی بھی کھڑے جھوم رہے تھے۔ ان کے مقابلے میں بابر کی فوج بالکل مختصر تھی، کل بارہ ہزار افراد پر مشتمل۔ محبت خان بابر کی طرف سے بالوڑہ ہونے لگا۔ بابر اپنے ان تے امراء کی بڑی عزت کرنے لگا تھا۔ محبت خان ابراہیم لودھی کے لشکر میں شادی زان کی جگہ دیکھنا چاہتا تھا۔ آخر ایک دن اسے ایک مغل خیمہ کی نہ بانی یہ معلوم ہو گیا کہ شادی زان اور اس کے پانچ ہزار سپاہی ابراہیم لودھی کے آس پاس اس کی حفاظت پر مامور تھے۔

ابراہیم لودھی کی فوج آگے بڑھی اور بابر کی فوج پر حملہ آور ہو گئی۔ اس نے بابر کے میسرہ پر بہت سخت حملہ کیا تھا۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا گویا دریا اور بعد مغلوں کے پاؤں اکھڑا یقین گئے لیکن بابر نے ہر جگہ پہنچ کر ان کی ہمت افزائی کی ابراہیم لودھی نے باگھی آگے بڑھاتے اور انہیں مغل فوج کو کچلنے کے لئے بابر کے لشکر کی طرف دھکیل دیا۔ باگھیلوں نے انہیں روندنا شروع کر دیا۔ لیکن بابر کے حکم پر ان کی سپاہ نے باگھیلوں پر آنشیں اسلحہ سے حملہ کر دیا۔ باگھی چنگھاڑتے ہوتے اپنے ہی آدمیوں کو بے دردی سے کچلنے لگے۔ پانی پت کی زمین لرز رہی تھی اور گرد و غبار نے فضا میں ایک چادر سی تان دی تھی۔ محبت خان کو اپنے سہامیوں سے جنگ کرتے ہوئے شرم آ رہی تھی لیکن ایک وہ حکمت جس نے اس کی املاک کو ضبط کر کے ان کو فیر اور جہن کو کسی امیر کے حوالے کر دیا تھا اور جس نے افغان امراء کو ذلیل و خوار کیا تھا اس کا ختم ہو جانا ہی ضروری تھا۔

اس وقت آفتاب کوئی سوائیزے کی بندھی پر پہنچا ہو گا کہ جنگ معلومہ شروع ہو گئی۔ دونوں فوجیں آپس میں دست و گم بان ہو چکی تھیں اور لودھیوں کی نمایاں بہادری تھیں۔ یہ کیفیت دیر تک قائم رہی، اس کے بعد ابراہیم

لودھی کی فوج پسپا ہونے لگی۔ بابر جیتے چیتے کراپنے سرداروں کو حکم دے رہا تھا۔ "خبردار! براہیم لودھی جانے نہ پاتے، اس کا پیچھا کیا جائے کیونکہ جب تک بابر موجود رہے گا جنگ جاری رہے گی۔"

محبت خان براہیم لودھی کو تلاش کرتا ہوا شادی خان کے پانچ ہزاری لشکر میں پہنچ گیا۔ یہ ظہر کا وقت تھا۔ براہیم لودھی اپنے خزانے سمیت میدان جنگ میں آیا تھا کیونکہ اسے اپنے پیچھے کسی پر اعتماد نہیں تھا اور بصورت شکست اپنے خزانے سمیت کہیں فرار ہو جانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ مغل فوجیوں کے اس کے گرد بھیلی ہوئی پانچ ہزاری فوج کے حصار کو ٹوڑ دینا چاہا لیکن شادی خان سیرسہ پلائی ہوئی دیوار بنا کھڑا تھا۔ جہاں اتنا زبردست ہنگامہ نہ کیا کہ نہ گرم ہوا کہ پورے پانی پت میں وہ جنگ نہ ہوئی تھی۔ لیکن مغل فوجی یہ نہیں جانتے تھے کہ ان میں براہیم لودھی بھی موجود ہے۔ شادی خان اور اس کے سپاہیوں نے دُفاداری کا حق ادا کر دیا۔ ایک ایک کمرے کے سارے ہی مارے گئے انہیں میں براہیم لودھی بھی کام آ گیا۔ محبت خان لاٹوں کو ہٹاتا ہوا شادی خان کے پاس پہنچا۔ اس وقت شادی خان میں جان باقی تھی۔ محبت خان، شادی خان کے پاس بیٹھ گیا اور افسوس کہتے ہوئے کہا۔ "شادی خان، تم کو اتنی جان تباہی دکھانے کی کیا ضرورت تھی، بارشاد کی امداد نہ بچا کے حاجی پورہ واپس چلے جانے۔"

شادی خان نے کراپتے ہوئے کہا۔ "محبت خان جو کچھ ہو چکا ہے اس پر تم سمجھ نہ کر رہے ہو۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں حاجی پورہ واپس نہیں جاؤں گا اور اس فیصلے کے بعد میری بہترین جگہ میدان جنگ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔" پھر بڑے زور سے کراہ کر بولا۔ "میں جس انجام کا نچوٹا ہوں، وہ حاصل کر چکا۔"

محبت خان کی آنکھیں کھل آئیں۔ اس نے شادی خان کے سر پر ہاتھ پھیرا بولا۔ "تمہیں ابھی اور زندہ رہنا چاہیے تھا۔"

شادی خان ہنسا، بولا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ، تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟ کیا تم بھی حاجی پورہ سے چلے آتے ہو؟"

محبت خان نے جواب دیا۔ "شادی خان! وہ بڑے عجیب و غریب خیالات رکھتی ہے۔ تمہارے چلے آئے گے بعد وہ بہت افسوس ہو گئی تھی اور شاید محبت

تمہی سے کرنی تھی، میں خود اس کی محبت پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔
 شادی خان نے بیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "میرے بیروں کی جان
 نکل چکی ہے۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے جلد از جلد کہہ ڈالو۔"

محبت خان نے کہا: "میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ بخششی تمہارے چلے
 آنے کے بعد ناراد قطار روٹی نہیں ہے، رہا اس کے عجیب و غریب خیالات کا معاملہ
 تو اس وقت ان باتوں کا کرنا فضول سی بات ہے۔"

شادی خان نے آنکھیں بند کر لیں، بولا: "اب میں یہ آسانی سرھاؤں
 گا، بخششی مجھ سے محبت کرتی ہے، اس نے میرے لئے آتش بھرتے یہ میرے لئے بہت
 بڑی خوش خبری ہے۔"

محبت خان کے جی میں آئی کہ وہ شادی خان کو یہ بھی بتا دے کہ بخششی
 مرد حکمران کی طرح اپنے لئے سردار کا حکم رکھنے کی خواہش مند ہے لیکن پھر
 یہ سمجھتا کہ بار بار کہ اس وقت وہ جن خوش کن خیالات میں غور کر رہا ہے وہ
 ہے وہ مزہ کھاتا ہو جائے گا۔

شادی خان کی حالت بگڑتی چلی گئی اور وہ پکھنے ہی دیکھنے لگی۔ اس نے ہمیشہ کے
 لئے آنکھیں بند کر لیں۔

مغل فرجی ابراہیم لودھی کو ملاش کمرے بھر رہے تھے۔ محبت خان،
 شادی خان کے پاس سے اٹھ کر رہا تھا کہ اس نے ایک جگہ ابراہیم لودھی کی
 لاش پڑی دیکھی۔ اس کے منہ میں سپاہیوں کو اشارہ سے اس اپنے پاس بلایا۔ طاہر
 تبریزی بھی ایک مغل امیر اس کے پاس پہنچا، محبت خان نے پوچھا: "تم کسے
 ملاش کمرے پہنچے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "ابراہیم لودھی کو؟"
 "تم ابراہیم لودھی کو پہنچائے ہو؟"
 "نہیں۔"

محبت خان نے کہا: "اگر میں بھی اپنے توادھر آؤں، پھر ابراہیم لودھی کی لاش
 کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ابراہیم لودھی کی لاش ہے۔"
 طاہر تبریزی کو یقین نہ کیا لیکن اس نے ابراہیم لودھی کا سر کاٹ لیا
 اور ابراہیم کے پاس لے کر پہنچ گیا۔ دوسرے افغان امرا نے وہاں تصدیق کر دی

کہ یہ میرا ہیمل لودھی کا ہے۔

باہری فوجیں دہلی کے بعد آگے میں داخل ہو گئیں۔ محبت خان اپنی ماں کو تلاش کرتا رہا۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد یہ سچا کہ قباصلان کی صعوبتیں برداشت نہ کر کے وہ انتقال کر چکی ہیں۔ افغان امیر اس کی بہن کو لے کر کہیں فرار ہو چکا تھا کیونکہ وہ آخر تک امیر ہیمل لودھی کا درخشاں رہا تھا۔ محبت خان کا دل ٹوٹ چکا تھا اب اس کا اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔ باہر مقلد حریفانے اپنے آدمیوں کے انتظام میں دے رہا تھا۔ محبت خان نے بخشش کی سفارش کی کہ اس کے غلام کو اس کے تصرف میں رہنے دیا جائے۔ باہر نے اس کی درخواست قبول کر لی۔ وہ خود بخشش کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ مرقوں آوارہ و گمراہان اور ہمدردی کی سیاحت کرتا۔ باہر نے بخشی کو اپنے دل سے نکال دینے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ اس کی سیاحت اور کوششوں کے بعد بھی وہ اس میں ناکام رہا۔ آخر تک باہر اس نے دل سے یہ سمجھ کر کہ یہ وہ حاجی پور سے بھیجے گئے بخشش سے معافی مانگ کر اس کے قریبوں میں رہ جانے کی درخواست کرتا گا۔ حاجی پور کی اوس۔ اب اس کے دل میں گدگدایا کہ لگتے ہیں یہاں ہی جیسے اور سر سبز خطے اس کے دل و دماغ کو فریب بخشے تھے۔ جب حاجی پور کا قلعہ اس کے نظر آیا تو اس کا دل زبردور سے دھڑکنے لگا۔ بخشش کے ہمارے خدمت گاروں نے اس کا سر زہری سے اٹھایا۔ کہا اور اس کی آمد کی خبر اندر پہنچی تھی۔ گئی۔ بخشش کے حکم سے اسے یہاں خانہ میں ٹھہرا دیا گیا۔ ایک ہفتہ گزارا گیا مگر بخشش نے اسے طلب نہیں کیا۔ وہ تنگ آ کے واپس چلا گیا۔ چاہتا تھا لیکن ایک دن بخشش نے اسے ایک طلب کر لیا۔ دونوں سامنے کھڑے ہو کر سیدھے نظر میں آئے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر بخشش نے انہوں کی طرح پوچھا۔ ”محبت خان! مجھ سے کوئی کام ہے“

محبت خان کے دل کو چوٹ سی لگی، بولا۔ ”میں کئی سال سے آوارہ گردی کر رہا ہوں، میرا خیال تھا کہ میں اپنے دل سے آپ کی یاد نکالتے ہیں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن میں کھلے دل سے صاف افسوس کرتا ہوں کہ میں اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔“

بخشش نے ان جاتے انداز میں دریافت کیا۔ ”اب کیا چاہتے ہو؟“

محبت خان نے جواب دیا۔ ”کیا میں اب بھی یہاں رہ سکتا ہوں؟“

بخشش نے دوسری طرف متہ پھیر لیا اور بے مروتی سے بولی۔ ”ہنیں ہرگز نہیں!“

محبت خان کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر ایک سخت گھونسا دیکر دیا ہے۔
 کا دل ہل گیا اور آہستہ آہستہ ڈوبنے لگا۔ اس کی نگاہیں ہوتی آ نکھیں کچھ دیکھنے سے محروم
 ہوں جا رہی تھیں۔ اسی بارہوی اور دل شکنگی کے عالم میں محبت خان نے سزا
 کہہ رہی تھی۔ ”تم نے مجھے دھوکا دیا اور مجھے بتائے بغیر مجھ کو اس کی طرح فرما ہو گئے۔
 نے وہ دن کیئے کسب میں گزارے ہیں بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن اب میں نے حالات
 سمجھو نہ کر لیا ہے۔ میں نے ایک مغل امیر نے شادی کر لی ہے، اس مغل امیر کے بال بچہ
 اور بارہوؤں میں میرے مرموم شوہر کی حیرت انگیز مشابہت موجود ہے۔“

محبت خان نے بے چارہ گی سے بخششی کی طرف دیکھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ
 شاہی خان کی موجودگی میں اس نے محبت خان کو دیکھ ہی لیا تھا لیکن کہہ نہیں
 چلا کہ بخششی نے معلوم نہیں کس طرح اس کے خیالات کو پڑھ لیا، پوری ”دہا یہ سوا
 میں نے شاہی خان کی موجودگی میں نہیں بھی اپنے ساتھ کھ لیا تھا، تو وہ دوسرا
 تھا، یہ وقت اس سے مختلف ہے۔ حاجی پور کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ میں
 شوہر مغل امیر کی خواہشوں اور میں نے یوں بھی اپنے شوہر سے قسم کھا کے یہ
 ہے کہ میں زندگی بھر اس کی دفا دار رہوں گی۔“

اب محبت خان کے لئے حاجی پور میں کچھ بھی نہ رہا تھا۔ وہ واپس
 لئے مڑا۔ بخششی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: ”میں اس افغان امیر کی ضد
 گزار رہوں جس نے مغل فرمان بردار سے حاجی پور میں میری حکمرانی کو بحال
 کی سفارش کی تھی۔“

محبت خان نے چونک کر بخششی کی طرف دیکھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ
 واقعی یہ ہیں معلوم کہ وہ افغان امیر محبت خان ہی ہے۔

بخششی کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی: ”میں اپنے سابقہ
 کی قیمت اس طرح ادا کر سکتی ہوں کہ تمہیں حاجی پور میں کوئی اچھا
 سے دوں!“

محبت خان نے کہا: ”میں نہیں بخششی میں یہاں کسی منصب کے لئے
 بخششی نے بے سرفروشی سے کہا: ”تب پھر خدا حافظ۔“

یہ کہہ کر وہ قیزی سے مڑی اور جانے لگی، محبت خان کے جی میں
 بخششی کو یہ بتا دے کہ جس افغان امیر کی وہ شکر گزار ہے وہ خود محبت خان

لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ شاید اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا۔ اس نے جانی
 ہوئی بینحشی کے جواب میں آہستہ سے کہا۔ ”خدا حافظ بینحشی“
 اس کے بعد وہ باہر نکل آیا اور حاجی پور کے قلعے پر اوداعی نظریں ڈالتا
 آگرمے کی طرف روانہ ہو گیا۔



وبالهدوء



پر بھاگ کر کے لئے یہ فخر کیا کم تھا کہ اس کا آسمانی نسل سے تعلق ہے۔ اس نے اپنے بڑے بوڑھوں سے اپنی آسمانی نسل کی ایک مزیدار کہانی سنی تھی۔ وہ کہانی سمجھا اس طرح تھی کہ ابتدائے آفرینش میں مہادیو نے شیر اور بیل کو پال رکھا تھا۔ یہ دونوں ایک ساتھ رہتے تھے۔ کچھ عرصے بعد مہادیو کو یہ دیکھ کر پریشانی ہوئی کہ شیر بیل کو ہلاک کر دینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ مہادیو نے بیل کی حفاظت کے لیے سیٹ کو پیدا کر دیا۔ کم ہمت بھائیوں نے بڑی کوشش کی کہ شیر کو ظلم اور زیادتی سے باز رکھا جائے لیکن وہ ناکام رہے اور ایک دن شیر نے بیل کو ہلاک کر دیا۔ مہادیو بہت زیادہ پریشان ہو گئے اور بڑے غور و فکر کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب ایسے لوگوں کو پیدا کرنا چاہیے جو بھاٹ کی طرح کمزور اور کم حوصلہ نہ ہوں۔ انہیں اطاعت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ مہادور اور بندہ حوصلہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ مہادیو نے چاروں کو پیدا کیا اور ان کے سپرد بیل کی حفاظت کا فرض سونپ دیا گیا۔ مہادیو نے انہیں حکم دیا: "اے مہادور اور اطاعت گزار چارو! خوب احتیاط، چوکسی اور مہادوری سے بیل کی حفاظت کرو اور شیر کو ظلم و زیادتی سے باز رکھو۔"

چاروں نے مہادیو کے حکم کے آگے اپنے سر جھکا دیے اور عرض کیا: "مہادیو جی! ہمیں جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اسے پوری دیا تمہاری سے انجام دیں گے۔"

چاروں نے جو کچھ کہا تھا اس پر ہمیشہ قائم رہے۔ انہوں نے شیر کو کمزور و قوت ظلم سے باز رکھا۔ عرصے بعد چاروں در در قبیلوں میں تقسیم ہو گئے ان کے ایک قبیلے نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور تدریج میں کچیلو کہلا گئے۔

دوسرے نے مذہبی رسوم کی ادائیگی، قبیلوں کے نسب ناموں اور ان کے سہاراؤں کی داستانوں کو ازبر کر لیا، یہ لوگ مار دھماکے کہلاتے حالانکہ ابتدا میں یہ لوگ چھوٹے ہوا کرتے تھے اور خود کو براجموں ہی سے متعلق سمجھتے تھے لیکن جب یہ دو قبیلوں میں بٹ گئے تو دونوں کے دلوں میں اتنا فرق آ گیا کہ آپس میں شادی بیاہ ممنوع قرار پائے لیکن جہاں تک ان کے آسمانی نسل کے عقیدے کا تعلق تھا تو تجارت پیشہ پھیلی اور علم انساب کے حافظ اور قبائلی رجال کے داستان گو دونوں ہی خود کو آسمانی نسل سے سمجھتے تھے۔

پھر سمجھا کہ کا تعلق مار دھماکے قبیلے سے تھا۔ اس کو بھی نسب ناموں اور سورماؤں کی داستانوں کا وسیع علم حاصل تھا۔ مذہبی رسوم سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھا اور رائے ذہانت اور فصاحت سے بھی خوب نوازا تھا۔ ذاک نفسہ بھی ایسا کہ اول رنگت کا ایک تراش ہوا مجسمہ معلوم ہوتا تھا۔ چلتا پھرتا، باتیں کرتا، ہنستا مسکراتا شاہکار متناسب اعضا جسے جسمانی برطاعت کا سچا راہنما ہوتا تھا۔ بڑکیوں اور عورتوں کا ممنوع معنی، ان کے خیالوں کا محبوب، لیکن خود پر بھرا کر اس بات کا بڑا احساس رہتا کہ اس کا جس آسمانی نسل سے تعلق ہے اس کو مہادیو نے بشر کے نثر کا مقابلہ کرنے کے لیے پتہ کیا تھا۔ اب وہ جس ددر میں رہ رہا تھا اس میں نہ تو مہادیو کا شیر ہی نظر آتا تھا اور نہ ہی ان کا بیل لیکن ان دونوں کی عدم موجودگی سے اس کو خدمت اور فرائض ختم نہیں ہو جاتے تھے۔ وہ اب بھی عائد تھے کیونکہ مار دھماکے بڑوں نے یہ بتایا تھا کہ شیر اور بیل مہادیو کی نثر اور خیر کی اصطلاحیں تھیں اور جب تک دنیا موجود ہے نثر اور خیر بھی موجود رہیں گے اور نثر اور خیر کی موجودگی میں مہادیو کی مفوضہ خدمات اور فرائض بھی برقرار اور قائم رہیں گے۔

پھر سمجھا کہ مال باپ اور بھائی بہن اس کی اس خصوصیت اور عادت سے خود زود رہتے تھے کہ وہ کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت میں بے سوچے سمجھے سینہ سپر ہو جایا کرتا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ یہ نہیں سوچتا تھا کہ اس کا مقابلہ کس سے ہے اور اس کا حریف دنیاوی جاہ اور مرتبے میں کتنا ذائقہ اور ہر ہے لیکن پھر سمجھا کہ کو اس کا نسلی افتخار ہمیشہ ہی قائم رہے چاہتا رہا۔ اگر یہ نسل ہرنزی اس کی پشت پناہی نہ کرتی تو شاید اس کا کبھی کام تمام ہو چکا ہوتا۔

دیہاتے نزدیک کے جس کنارے میسر آباد تھا وہاں سے انہوں نے زیادہ فائدہ

نہیں تھا، شمال میں مشرقاً غریبا بندھیا چل کا کوہستانی سلسلہ پھیلا ہوا تھا جہاں ہندوستان کے قدیم باشندے پھیل آباد تھے۔ جنوب میں سنت پڑے کی پہاڑیاں تھیں۔ یہ ان دنوں کی داستان ہے جب مالوے پر ہوکر خاندان کی حکمرانی تھی۔ اس خاندان کا پہلا فرد دا ملہاراؤ ۷۴ سال کی عمر میں رخصت ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا کنڈی راجپانی پیت کے تیسرے معرکے ۷۱ء میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ اب اندور میں کنڈی راج کی بیوہ اہلیا بانی اور اس کا بیٹا مالی راجدوٹوں ہو کر حکومت کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھے۔ اہلیا بانی کو شہر تھا کہ کہیں اس کے حاسد اور مخالف اس کی راہ میں کانٹے رچھا دیں۔ وہ بیٹھولتے پوٹا کے ہاتھ میں تھی اور اسی کی توثیق اور تنسیخ سے حکومتیں قائم اور ختم ہوتی تھیں۔ اہلیا بانی اندور کے بجائے ہمیسر میں مقیم تھی اور یہیں سے حکومت کر رہی تھی۔

ہمیسر کے مشرق میں آبادی کے آخری سرے پر چارلیوں کا بار دھھاٹ قبیلہ آباد تھا اور پر بھا کر کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ یہاں ان کا ایک خاندان مندر بھی تھا جس میں مہادیو کی موروثی رکھی ہوئی تھی۔ بار دھھاٹ خاندان کی عورتیں اور مرد صبح و شام مہادیو کی خدمت میں حاضری دیتے اور اپنی اطاعت گزاری کا مہادیو کو عملاً یقین دلا کر قلبی طمانیت حاصل کرتے۔

پر بھا کر بھی مہادیو کی خدمت میں حاضری دیتا اور ان کے قدروں میں ادب سے جھک کر دعا مانگتا کہ ہے مہادیو! میں پر بھا کر تیرا ادنیٰ چاکر ہوں۔ ہماری پیدائش جس مقصد کے لئے ہوئی تھی تو اس کو میرے ذہن اور حافظے میں ہمیشہ محفوظ اور تازہ رکھ۔ مجھ کو ہیری انسی خصوصیات اور اوصاف سے معروف اور مشہور کر۔

اس کی یہ دعا ہر ایک کے علم میں آ چکی تھی ماس کے والدین اور بھائی بہن اس کی اس دعا کے خلاف تھے۔ باپ کہا کرتا: پر بھا کر! میں کچھ عرصے سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تو خاندانی روایات کا حامل نہیں رہا۔ اگر میرا یہ شبہ درست ہے تو ہم سب کے لئے بڑے فکر کی بات ہے، اگر مجھے غلط فہمی ہوئی ہے تو میں باپ ہونے کے باوجود تجھ سے معافی مانگ لوں گا۔

پر بھا کر نے اپنے باپ کو گھورا اور کسی اجنبی کی طرح سوال کیا: پتا چلی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

باپ نے جواب دیا: بیٹے! پر بھا کر! میں چاہتا ہوں کہ تو بدلتے ہوئے

حالات سے کچھ فائدہ اٹھائے۔“

پرمبھا کمر نے جواب دیا: ”میں خود دیکھی یہی چاہتا ہوں اپنے حق میں، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ ان بدلتے ہوئے حالات سے میں نا جائز فائدہ اٹھاؤں۔“
ان دونوں کے پیچھے ہاں اور ہاں بھائی بھی موجود تھے۔ ہاں ذرا آگے بڑھی اور پرمبھا کمر کی طرف گیا۔ بیٹے! تو اپنے باپ کی باتوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش نہ کر، ہم سب کی یہ خواہش ہے کہ پریشان اور متروکہ محل سے نکل کر کسی طرح متمول لوگوں میں پہنچ جائیں لیکن شاید ہم یہ نہیں جانتے کہ قدرت کا عمل اور مشروط کیا ہے کسی معائنے پر اور ہمیں اسودہ حال بننے کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا؟“

پرمبھا کمر نے ناک بھونچ کر ہوا کر لیا۔ ”ماں جی! ہم آسمانی نسل کے لوگ مہادیو کے میل کو شہرے محفوظ رکھنے کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ چنانچہ اگر ہم بھی مایا لودھ کا شکار ہو گئے تو مہادیو کے میل کی حفاظت کون کرے گا؟“

ماں نے ہنا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اب بہن آگے بڑھی اس نے کہا: ”بھائی! ہمیں مہادیو نے جو دور یا پتی اور دوران بنایا ہے اس سے تم ہم سب کی کاپیٹ کر سکتے۔ یہ بہترین وقت ہے جس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ مہادیو کی موت نے مالوتے۔ راج سنگھاسن کو خالی کر دیا ہے، سودرگیا شی ماڈ کی بہو اپنی بیٹے کو راجا بنانا چاہتی۔ تم امید دار رہا کی بہو، ان اہلیا بانی سے ملو اور اس کی دل جوئی اور ہمت افزائی کر کے نبردانہ حاصل کر دو۔“

پرمبھا کمر بہت پریشان تھا کہ وہ کس کس کو راضی کر کے چپ کرے، جان چھڑانے کے لئے جواب دیا: ”اگر تم سب کی یہی خواہش ہے کہ میں اسودگی کی خاطر بھگتو بن جاؤں تو میں یہ بھی کر دوں گا۔“

ماں باپ اور بھائی بہن پرمبھا کمر کے جواب سے بہت خوش ہوئے اور وہ سب عالم بیداری ہی میں اسودگی اور طائیت قلبی کے خواب دیکھنے لگے۔ وہ اپنے خونی دستہ داروں کے پاس سے اٹھا اور مندر کی طرف چل دیا۔ یہ قدیم مندر معلوم نہیں کب کھڑا اپنے پجاریوں اور عقیدت مندوں کے دلوں میں گھر گئے ہوئے تھا۔ یہاں شیہ اور پارہتی کی پوجا ہوتی تھی۔ وہ شیو جو حوت اور مندرگی کا دیوتا ہے، وہ جو تعمیرات خدا ہے اور پارہتی شیو جی کی اسٹری تھی۔ پرمبھا کمر وہ دار درختوں کی خار دار جھاڑی سے گزرا کر مندر کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ پجاریوں اور مندر کے پروردہ سے پرمبھا کمر نے

خاص توجہ نہیں دی۔ وہ لوگ کسی ادبی خیال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پردہت نے اپنے ایک چیلے کے کان میں کہا۔ ”درا اندر! پرہیا کر بھاٹ بڑے بڑے سمے آیا ہے اس نمبر یہاں سے تسی طرح چلتا کر دے کیونکہ اگر یہ یہاں موجود رہا تو وقت اور موقع کا زیادہ فائدہ اس کے حصے میں چلا جائے گا۔“

پرہیا کرنے پر پردہت کی سرگوشی کو محسوس کر لیا، پرہیا۔ ”پردہت جی! آپ پریشان کیوں ہیں؟ میں شیوجی کے چہرہوں میں سیس نچا کر چلا جاؤں گا۔“
 پردہت کھسیا کر کہنے لگا۔ ”پرہیا کر جی! میں اپنے چیلے سے تمہاری بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو اس سے یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پرہیا کر جی سے میں کچھ جمل پان کا بندوبست ہو جائے تو خوب ہے۔“

پرہیا کرنے جواب دیا۔ ”پردہت جی! جمل پان کی کوئی ضرورت نہیں مہربانی۔“
 پردہت جی اپنی جگہ سے اٹھ کر پرہیا کر کے پاس پہنچ گئے اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا، کہا۔ ”پرہیا کر جی! میں تم سے یہ کہوں گا کہ اس سمے تم اپنے گھریا کہیں اور چل جاؤ کیونکہ میں نے تمہاری بابت ایک خوفناک پسند دیکھا ہے، اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ تم یہاں کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔“
 پرہیا کرنے جواب دیا۔ ”میں شیوجی کے دلہن کر کے چلا جاؤں گا۔ آپ میری وجہ سے بالکل پریشان نہ ہوں پردہت جی!“

پردہت کی پریشانی اپنی جگہ نکلی، اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ پرہیا کر شیوجی شبیرہ سنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دل ہی دل میں جذباتی کیفیت سے دھما گئے لگا۔ وہ شیوجی سے اپنے حالات میں خوشگوار تبدیلی کی آمد کو سراہا تھا۔ اس کے آس پاس پردہت اور اس کے چیلے جمع ہو گئے۔ یہاں دیوداسیاں بھی تھیں جو سچی سندری شیوجی کی باگاہ میں حاضر رہتی تھیں۔ پرہیا کر دیوداسیوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ وہ اس طرح اور صبح نوجوان کو نچائی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ پرہیا کرنے بھی انہیں پریشانی نظروں سے دیکھا اور ایسی اچائی کیفیت کا شکار ہو گیا کہ شیوجی سے پرہیا کرنا کرنا بھولی گیا۔

پردہت کو دیوداسیوں کا اجتماع گمراہ کر رہا تھا۔ اس نے اشارے سے دیوداسیوں کو ہٹانا چاہا۔ ان میں کی چند جو بزدل تھیں چلی گئیں، بقیہ وہیں کھڑی رہیں۔ پردہت ان کو دونوں ہاتھوں سے آس پاس ہٹاتا شیوجی کے سامنے پرہیا کر

کے۔ دہرود جا کھڑا ہوا، بولا: ”پرہیا کر! میرا خیال ہے اگر تو میری دعا مہادیو جی سے مانگے تو فوڑنا پوری ہو جائے گی، کیونکہ چاندیوں کی پیدائش مہادیو جی کی زمینِ جنت سے ہے۔“

پرہیا کر نے جواب دیا: ”پرودھت ہی! آپ میری فکر نہ کریں، میں مہادیو کے پاس بھی جاؤں گا لیکن اس سلسلہ میں تبدیلی کا کام شیو جی ہی انجام دیتے ہیں۔ زندگی موت اور موت سے زندگی شیو جی کی مرضی اور اجازت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مہادیو بھی شیو جی کے حکم کے خلاف نہیں جاسکتے، اس لئے میں شیو جی کو کس طرح نظر انداز کر دوں گا؟“

لتنے میں ایک دیوداسی نے پرودھت جی سے پوچھا: ”پرودھت جی! کیا ماد بھاگ برادہ کی کس پرہیا کر بھی صاحب ہیں؟“

پرہیا کر نے اس حسین اور نوجوان دیوداسی کو سرسری نظر سے دیکھا تو لڑکھڑا گیا۔ گویا وہ مخمور شخصیں اس کے دہرود میں شراب داخل کئے دے رہی تھیں۔ پرودھت نے ابھی کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ پرہیا کر بول اٹھا: ”اے دیوداسی! تو نے صحیح سمجھا۔ میں ہی ماد بھاگ برادہ کی کا پرہیا کر ہوں لیکن کیا ہیں تجھ سے پوچھ سکتا ہوں کہ تو مجھ کو کس طرح جانتی ہے؟“

اب پرودھت کے لئے پرہیا کر کا وجود ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ اس نے دیوداسی کو ڈانٹا: ”رجنی کانت! تو بہت زیادہ باتیں کرنے لگی ہے۔ بس اب چلی جا یہاں سے۔ ہونے والے راجا کی ماں اہلیا بائی منہ میں آنے ہی والی ہے۔ اس نہیں پتا کہ وہ منہ کی بدنظمی کی شکایت کرے؟“ پھر پرہیا کر سے کہا: ”اور پرہیا کر جی! تم بھی کچھ خیال کرو۔ تمہاری عزت اور مرتبہ اپنی جگہ لیکن اس منہ کے پرودھت کی حیثیت سے مجھ پر جو ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کا تو مجھے خیال کرنا ہی پڑے گا۔“

لیکن پرودھت کی باتوں کا نہ تو رہی کانت پرہیا کوئی اثر ہوا اور نہ ہی پرہیا کر رش سے مس ہوا۔ رجنی کانت نے پرہیا کر کو مخاطب کیا بولی: ”پرہیا کر جی! سنتی ہوں جھگڑانے نہیں جتنی عقل دی ہے اس سے زیادہ علم بخشا ہے اور ان دونوں سے زیادہ زبان کی طاقت دے دی ہے۔ کیا تم کو ان چند دیوداسیوں کی کتھائیں یاد ہیں جنہوں نے اپنے جیون کی اس آگ کو بالکل بجھا ڈالا تھا

جس سے جیو میں سرکشی اور گمراہی آتی ہے اور ان دیوداسیوں کے وہ کون سے حروبہ اندہ طریقے تھے جن کی مدد سے انہوں نے اپنی نفس کی آگنی پر قابو پایا تھا؟
 پہنچا کر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت جی! میں تمہیں کئی ایسی کھتاہیں سناؤں گا جن سے یوتیرتا اور معصوبیت کا بھید تم پر کھل جائے گا۔“

اسی وقت مندر کے باہر سے لوگوں کے زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اچانک ایک چیلّا بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور پردہت کو مطلع کیا۔ ”پردہت جی! اہلیا بانی ہی آگئی ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا اور ماہرے کا ہوشے والا راجا جانی راؤ بھی ہے۔ آپ فوراً باہر تشریف لے چلتے۔“

پردہت بوکھلا گیا لیکن اس بوکھلاہٹ میں بھی وہ رجنی کانت اور پہنچا کر کو نہیں بھولا۔ اس نے رجنی کانت کو حکم دیا۔ ”رجنی کانت! میں! شیبوجی کا پردہت تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو میرے سامنے ہی یہاں سے چلی جا۔ کیونکہ میں اس خطرے کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ یہ پہنچا کر تیرے جیسی جذباتی اور ناخبر بے کار! اللہ کبتیا کے حق میں آگنی کا بھکتا ہوا شعلہ ہے جو تیرے حزم و احتیاط، نکھر کھاؤ، پانی اور نیکی کو دم بھر میں جلا کر رکھ کر دے گا۔ میں یہاں سے اس وقت رانی اہلیا بانی کے پاس جاؤں گا جب تو اپنی ساتھی دیوداسیوں کو لے کر یہاں سے چلی جائے گی، ورنہ میں یہیں کھڑا تم سب کی نگرانی کرتا رہوں گا۔“

اب باہری شور یا نکل قریب آچکا تھا۔ پردہت کو اپنے ارادے سے باز نہ ہنا پڑا۔ اس نے رجنی کانت اور پہنچا کر کو ان کے حال پر چھوڑ کر باہر نکلنا چاہا۔ لیکن وہ ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اہلیا بانی اپنے بیٹے مانی راؤ کے ساتھ مندر میں داخل ہو گئی۔ پردہت نے مانی راؤ اور اہلیا بانی کا مسکراہٹوں سے خیر مقدم کیا اور اہلیا بانی نے بھی مندر کے مقدس لوگوں کا خوش دلی اور مسکراہٹوں ہی سے جواب دیا۔ دیوداسیوں نے اہلیا بانی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اہلیا بانی کا دلی عہد بیٹا مانی راؤ حسین اور مدد بھری دیوداسیوں کو حریفانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ پہنچا کر کو ہر شخص نے نظر انداز کر دیا تھا۔ رجنی کانت مانی راؤ کی حریفانہ نظروں کو بھری طرح محسوس کر رہی تھی۔

پردہت نے اہلیا بانی سے کہا۔ ”بانی جی! ہم سب بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے تھے اور اس وقت آپ کو اپنے سامنے دیکھ کر ہم جب بے انتہا خوش ہیں۔“

اہلیا ہانی کی پیشانی پر فکر اور تشویش کی سرسبز پٹری ہوئی تھیں، بولی —
 ”پر دہمت جی! میں مانی راؤ کے حق میں آپ کی دعاؤں کی طلبگار ہوں۔ پر نا کے پیشوا
 نے ابھی تک مانی راؤ کے لئے خلعت نہیں بھیجی اور جب تک ہمیں یہ خلعت نہیں
 مل جاتی میرا من پریشانی میں گھرا رہا ہے گا۔ میں آشا اور نرناشا کے دور رہے پر کھڑی
 ناقابلِ بیان دکھ جھیل رہی ہوں۔“

پر بھاکر اپنے نظر انداز کیے جانے کو برداشت نہیں کر سکا۔ وہ مانی راؤ کے
 ہوس اور طمع کی نظریں بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے پر دہمت اور اس لئے چلیوں کو
 دونوں ہاتھوں سے ہٹا کر اہلیا ہانی کے پاس جا کر عرض کیا: ”ہانی جی! میں مار دیکھا
 ذلت کا پر بھاکر ہوں اور آپ کو دیکھنے اور ملنے کی بڑی تمنا رکھتا تھا۔ میں نے اپنے تصور
 میں آپ کی جو شبیہیں بنائی تھیں آپ کی صورت شکل اس سے بہت زیادہ مختلف
 ہے اور یہ کہ۔۔۔۔۔۔“

اہلیا ہانی نے اس عجیب و غریب سا نولے سونے نوجوان کو نہ دیکھا۔ پر بھاکر کی سکھ
 کی پرک نے اہلیا ہانی کو اس کی غیر معمولی ذہانت کا یقین دلادیا۔ اس نے پر بھاکر سے تو
 کچھ نہیں کہا۔ مگر پر دہمت کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا گیا۔ پر بھاکر ہی ہوا پر دہمت
 جی! یہ کون شخص ہے؟

پر دہمت کے چہرے سے اضطراب اور غصے کا اظہار ہوا تھا۔ مہتا بن کر جواب
 دیا: ”ہاں جی! کچھ لوگ دوسروں کے لئے بلاتے بے درماں ثابت ہوتے ہیں، یہ
 پر بھاکر بھی انہی میں سے ایک ہے۔ میں اس کا بے عزتی تو نہیں کر سکتا لیکن یہ میں
 بر ملا اور علی الاطلاق کہوں گا کہ پر بھاکر سخت گستاخ اور بے ادب نوجوان ہے اور یہ
 شخص اپنی آسمانی نسل کے اعزاز کی سپر کے سہارے جو چاہتا ہے کہہ پا کر گزندے ہے۔
 اسی مادان ہاتھی میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے رہا تھا۔ یعنی کانت نے اس کو
 چھوڑ دیا۔ بولی: ”مہاراج! آپ شیرو جی کی دایوں کو جن نظروں سے دیکھ رہے ہیں کیا
 یہ مناسب ہے؟“

مال: ”اپنا لگوں کی طرح ہنسنے لگا ہوا چھالہ“ لڑکی! یہ نام ہے۔
 اس نے جواب دیا: ”رجبی کانت“

مانی راؤ نے ہنسنے ہنسنے نکھیں بند کر لیں۔ اس کی دونوں آنکھیں آنسوؤں
 سے لبریز ہو گئیں: بولا: ”یہ نام تو بہت اچھا ہے۔ تیری ہی طرح دلکش اور حسین۔“

رجنی کانت شرمگئی، بولی: "شکریہ مائی راڈ جی، لیکن میں شیرو جی کی داسی ہوں، یہ بات ذہن نشین رہے۔"

پرمودیت خوش تھا کہ مائی راڈ رجنی کانت کے ہاتھوں مسخر ہو چکا تھا۔ اس طرح وہ مالوے کے ہونے والے راجا کو اپنے قابو میں کر کے زیادہ سے زیادہ معائنات اور فائدے اٹھا سکتا تھا۔

اہلیا بانی نے گھوم کر اپنے بیٹے مائی راڈ دراس کے بعد رجنی کانت کی طرف دیکھا۔ پر بھاکر نے کسی کی پرناہ کئے بغیر اہلیا بانی سے بطور خاص کہا: "بانی جی، انیسویں کہ آپ خود بھی عمرت ہیں اور میں بہت آپ کے بیٹے مائی راڈ کو عورتوں اور لڑکیوں کی طرف توجہ کی نظر دے گھورتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اپنی اور مالوے کی قسمت پر ماتم کرنے لگتا ہوں کہ ملہا رات کے بعد اس کو کیسا نالائق حکمران مل رہا ہے۔"

پر بھاکر کے شوخی آمیز انداز سے پاک طرزِ نخطا لب نے مندر میں موجود ہر شخص کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔ مائی راڈ ایک دم مشتعل ہو گیا، وہ تیزی سے پر بھاکر کی طرف بڑھا اور ڈانٹ کر پوچھا: "تو کون سے اور یہاں کیوں کھڑے ہے؟"

پر بھاکر نے بڑے تحمل سے جواب دیا: "ماڈ جی، میں اپنا تعارف پہلے ہی کر چکا ہوں۔ میرا نام پر بھاکر ہے اور میں مار دھات ذات سے تعلق رکھتا ہوں۔"

پرمودیت نے پر بھاکر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، بولا: "پر بھاکر جی، اب تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں یہاں سے زبردستی نکلوا دوں۔"

پر بھاکر نے اکڑ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا: "میں اپنی مرضی سے تو باہر نہیں جاؤں گا، ہاں اگر تم مجھ کو دھکے دے کر نکلوا سکتے ہو تو نکلوا دو لیکن ایسا کرنے سے پہلے یہ بات رکھنا کہ میرے معاملے میں تمہاری زبردستی اور زیادتی نقصان دہ ہے گی۔ میں آسمانی نسل کا سحر زہر دہوں مجھے بے عزت اور ذلیل کرنے والا خود بھی ہے عزت اور ذلیل ہو جاتے گا۔ وہ خود بھی خواہ ہو کر رہے گا۔"

اب رجنی کانت بھی بول اٹھی: "پر بھاکر جی بات سچی کہنے ہیں میں تاہم کرتی ہوں۔"

پرمودیت نے ڈانٹا: "تو چپ رہ سنی، پر بھاکر کو ایسی باغی نہیں کرنا چاہیے تھیں؟"

اہلیا بانی پر بھرا کر سے خاصی متاثر ہو چکی تھیں پر مروت سے کہا۔ ”پر مروت جی آپ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جائیں۔ یہ سارے بھٹ ذات کا نوجوان خاصا دلچسپ، جڑو اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے چند باتیں ضرور کر دوں گی۔“

پر مروت نے ایسی ہی اور بے دلی سے کہا۔ ”بالی جی! آپ کی مرضی دینے میں یہی کہوں گا کہ آپ اس سے باتیں کر کے خوش نہیں ہوں گی۔ یہ نوجوان ضرورت سے زیادہ منہ پھٹ نامہ گستاخ ہے۔“

اہلیا بانی نے جواب دیا۔ ”مجھ کو ایسے لوگ پسند ہیں جو سیدھی سچی بات کر دے ہر پھر بھرا کر سے کہا۔ ”مارے بھٹ کے نوجوان میرا خیال بے تم نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی، شاید تم کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے؟“

”یہ رادھ پچل گیا، اما جی! اگر آپ نے اس شرعی اور گستاخ شخص سے باتیں کیں تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

لیکن اہلیا بانی نے بیٹے کی بات پر کوئی توجہ نہ دی، پر مروت سے کہا۔ ”ہاں پر مروت جی! تم ادھر کیا کہنا چاہتے تھے؟ کچھ نہیں بھی تو معلوم ہو۔“

پر مروت نے جواب دیا۔ ”بالی جی! جو شخص عورتوں کا دسبا ہو، وہ حکومت نہیں کر سکتا۔ اماں! اذ جی جب سے یہاں آئے ہیں عورتوں اور لڑکیوں ہی سے انکھیں بینک رہے ہیں، حاناکم انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کسے کہتے ہیں؟ عورت کیا ہے؟ اماں! رادھ نے پر مروت کو کامنڈی اڑایا۔ عورت کیا ہے؟ یہ کیا ہے ہودہ موال ہے؟ عورت عورت ہے۔ اس کے علاوہ عورت کیل ہے؟ میں نہیں جانتا اگر پر مروت کو اس کے علاوہ کچھ معلوم ہو تو بتا دے۔“

پر مروت نے کہا۔ ”عورت ڈبڈھوں کا بگونا، شرارت کا سکن، اگنا ہوں کا محزن، مکادیوں کا محل، بدگمانوں کا ڈیرا، خرابیوں کا پٹالا، یہ حیاتی کی نگری۔ یہ شے جو عورت کہلاتی ہے، امرت لے زہر کا دوسرا نام ہے۔ اس کو دنیا میں جس نے بھی پیدا کیا، محض اس سے کہ پادرمائی کو میٹ دے۔“

پر مروت نے پر مروت کو دھکے دے کر مندر سے نکلنے کی کوشش کی ”پھر بھرا کر اب نوگھر میں لمحہ بھر بھی نہیں رہ سکتا۔ اسی وقت چلا جا رہا ہے۔ تو نے عورتوں کی خدمت بالی جی کے سامنے کی، ان بالی جی کے سامنے جن کی نیکی اور شرافت کی قسمیں کھانی جاسکتی ہیں۔“

رجنی کانت نے بھی پرہیا کر سے ناراض ہو کر اپنا منہ پھیر لیا۔ مانی راد نے اپنی ماں کو مشعل کرنے کی کوشش کی، بولا: ”ماں جی! آپ نے اس بدنہ بان کی باتیں سنیں؟ آپ برداشت کریں تو کریں لیکن میں آپ کا اہیان برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ اس کو مندر سے نکلوا دیں۔ ورنہ یہ قدم مجھ کو اٹھانا پڑے گا۔“

اہلیا بانی نے محل سے جواب دیا: ”بیٹے! یہ گیانی نوجوان دہی کچھ کہہ رہا ہے جو ہزاروں سال پہلے منور نے کہا تھا اور بیچ تنز میں موجود ہے۔ عورت کے باہ سے میں یہ اس کی اپنی رائے نہیں ہے۔ منو کی رائے ہے۔“ اس کے بعد اس نے پرہیا کر سے درخواست کی: ”اے گیانی ددھوان! نوجوان! تو ہمیں میرے آس پاس موجود رہ۔ میں تجھ سے بہت ساری باتیں کر دوں گی، دیر تیری عقل اور علم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر دوں گی۔“

پرہمت، مانی راد اور دوسرے موجود لوگوں کو اہلیا بانی کی یہ مہربانی اور شفقت آمیزی ناگوار گزری لیکن وہ اس کے خلاف دم نہ مار سکے۔ حاضرین میں صرف رجنی کانت ایسی تھی جو پرہیا کر کی تلخ اور ادا بابت آمیز باتوں کو پسند نہ کرنے کے باوجود اہلیا بانی کی باتوں سے خوش اور مطمئن ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر ایک باہ پھر پرہیا کر کو دیکھا اور مسکرا کر گردن جھکا لی۔

اہلیا بانی پرہمت اور اس کے چیلوں کے ساتھ شیوجی کے چرنوں میں مودب ہو کر بیٹھ گئی اور رقت زدہ آواز میں اپنے مشکل معاملات میں شیوجی سے سہانتا چاہی مندر کی فضا لوہان کے دھوئیں سے کھراؤ اور دیر معطر ہو رہی تھی۔ مانی راد اس وقت بھی حسین دیو اسیوں کے محسن میں کھویا ہوا تھا۔ پرہیا کر مانی راد کو بہ حیر برداشت کر رہا تھا۔

پرہمتا تھا سے فارغ ہونے کے بعد اہلیا بانی نے پرہیا کر سے کہا: ”اسے عاقل اور عالم نوجوان! تو ہمارے ساتھ چلے گا! ہمیں تیری ضرورت ہے۔ تیری رہنمائی، عاقلانہ باتوں اور نصیحتوں کی ضرورت ہے۔“

پرہمت کو حیرت کے ساتھ رشک بھی ہوا کہ جس شخص نے اہلیا بانی کے سامنے عورت ذات کی مذمت کی تھی۔ اہلیا بانی اس سے کس ضرورت اور احترام کے ساتھ ہمیش آ رہی تھی۔ یہاں پر اس کو قسمت کا قائل ہو جانا پڑا۔ اہلیا بانی نے پرہمت اور اس کے چیلوں کو دیر دہش سے خوش کر دیا۔

جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو اہلیا بانی سے چند قدم پیچھے پر بھاگ کر بھی چل رہا تھا۔ رجنی کانت پر بھاگ کر سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن موقع نہیں ملا رہا تھا۔ جب یہ لوگ مندر سے نکلنے لگے تو رجنی کانت بھاگ کر پر بھاگ کر کے پاس پہنچ گئی۔ اس کی مٹھی میں چاندی کا ایک چھلّا تھا۔ اس نے مٹھی پر بھاگ کر کے سامنے کھول دی اور کہا۔ ”مارد بھاٹ کے گیانی نوجوان، غالباً یہ چھلّا آپ ہی کا ہے جو پرار کھنا کے دوران شبیر جی کے چہروں میں گر گیا تھا۔“

پر بھاگ کر نے ایک نظر ڈاکتے اہا انکار کر دیا، بولا: ”نہیں یہ میرا نہیں ہے کسی اور کا ہوگا۔ میرے پاس میں شبیر کو غلط فہمی ہوتی ہے۔ محمد کو چھلے کا شوق اہی نہیں ہے۔“

اہلیا بانی اور مانی راؤ بھی رجنی کانت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ رجنی کانت نے کنکھروں سے ان دونوں کی توجہ کو محسوس کر لیا اور پر بھاگ کر سے اصرار کیا۔ ”لیکن میرا خیال ہے یہ چھلّا آپ ہی کا ہے کیونکہ اگر یہ بانی جی اور راؤ کا ہوتا تو یہ بیچاندی کے بجائے سونے کا ہوتا، حافظے پر مدد دے کر چھلے کو دیکھئے شاید پہچان میں آجائے۔“

اہلیا بانی نے کہا: ”پر بھاگ کر! ہو سکتا ہے یہ تیرا ہی ہو اور تو بھول رہا ہو کیونکہ شبیر جی کے چہروں میں یا تو تو تھا یا میں کچھ دیر نہ ہی ہوں۔ میرے پاس چاندی کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں اس لئے یہ تیرا ہی ہوگا۔“

اہلیا بانی یہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ مانی راؤ ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ تو کمر چاکرمان دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کا پر بھاگ کر سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے وہ بھی پر بھاگ کر تو رجنی کانت کے پاس چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ اب پر بھاگ کر اور رجنی کانت ہتھارہ گئے تھے۔ پرویت، اس کے چیلے اور چند دیو دیویاں بیس کچیس قدم دور کھڑے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پر بھاگ کر نے کہا: ”رجنی کانت، شاید تیرا ہی نام ہے۔ میں ایک بار پھر انکا کہتا ہوں کہ یہ چھلّا میرا نہیں ہے۔“

رجنی کانت نے آہستہ سے کہا: ”میں جانتی ہوں کہ یہ چھلّا آپ کا نہیں ہے، مگر ہے لیکن اس وقت تو آپ اسے اپنے ساتھ لیتے جا رہے ہیں۔ چھلے کے سہارے ہی آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ آپ نے آج عودت کی جواہانت کی ہے محمد کو اس سے

سنت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ یہاں ایک بار پھر آئیں گے تاکہ میں اس موضوع پر آپ سے باتیں کر سکوں۔“

پر بھاکر رجنی کانت کی چالاکی پر حیران رہ گیا۔ سرد مہری سے چھلٹا لے لیا اور آہستہ سے کہا۔ ”جب تو اس باتوں میں اتنی فطرت بھی رہتی ہے تو پھر مجھ سے باتیں کس طرح کرے گی؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”آپ آئیے گا تو سہی، باتوں کا بھی موقع نکال لیا جاتے گا کسی نہ کسی طرح۔“

ان دونوں کو اتنے اہمیاک سے مصروف گفتگو دیکھ کر بہرہ بہت تیز تیز قدموں سے چل کر ان کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا۔ ”تم دونوں میں یہ کیسی باتیں اور ہوا کرتی ہیں؟“

رجنی کانت پر بھاکر کے پاس سے ہٹتی ہوئی بولی۔ ”بہرہ بہت ہی ایگیا نی ودھوان اپنا چھلٹا شیرجی کے چرنوں میں گر آیا تھا۔ میں اس چھلٹے کو واپس کرنے آئی تھی۔“

بہرہ بہت نے کہا۔ ”شاید ممکن ہے لیکن اب تو اس چھلٹے کو تو واپس کر چکی ہے۔ اس میں اتنا وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل؟“

رجنی کانت نے جاتے جاتے سرگوشی میں کہا۔ ”آئیے گا ضرور انتظار کر دوں گی۔“

پر بھاکر نے چھلٹے کو حفاظت سے رکھ لیا اور رجنی کانت اور بہرہ بہت کو چھوڑ کر اہلیا بانی کے پاس چلا گیا۔

*

*

*

مہسیر کی شاندار عمارت میں اہلیا بانی اور اس کا کنبہ والیان ریاست کی شان سے رہ رہا تھا۔ اہلیا بانی نے پر بھاکر کو جو حصہ مہینے کے لئے دیا تھا۔ اسی کا اہلیا بانی کے کمرے سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ مالی راد کی خواب گاہ ذرا دور تھی پر بھاکر نے کئی بار گھر جانے کا ارادہ کیا لیکن نہیں جاسکا۔ وہ پریشان تھا کہ اس کے ماں باپ اور بھائی بہن اس کی گمشدگی سے کس قدر پریشان ہوں گے اور یہاں تو اس کو اب یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ غالباً اہلیا بانی نے اس کو بھلا دیا تھا۔ وہ نہ وہ اس کو

ایک آدھ بار باد ضرور کمرتی۔ دوسری طرف اس کو دوسری کانت کا بھی خیال آ رہا تھا پر بھرا
دوسری کانت کی ذہنی اذیت کا بھی احساس کمرہا تھا۔

دو صبح سے سہ پہر تک اہلیا بانی کی آمد کی خبر سن کر اس کا انتظار کرتا رہا لیکن
جب وہ نہیں آئی تو اس نے اپنے کمرے کے سنتری سے کہا: "سنتری جی! میں بانی جی
سے ملنا چاہتا ہوں۔"

سنتری نے جواب دیا: "بانی جی سے ملنا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے، آج کل
وہ اپنے بیٹے کو ماجا بنانے کے چکر میں کھوئی کھوئی پریشان پریشان رہتی ہیں بہر حال
میں انہیں مطلع کر دوں گا۔"

کافی دیر بعد سنتری نے اس کو اطلاع دی کہ اہلیا بانی اس سے فوراً ملنا
چاہتی ہے اور پرہیزگار کو اسی وقت یاد کیا ہے۔

پرہیزگار اہلیا بانی کے ایک آدمی کے ساتھ اس کے سادہ سے دربار کی طرف
ردانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ چکر دار ملازموں سے گزرتا ہوا اہلیا بانی کے دربار میں پہنچ گیا
یہاں اسیا بال کے پاس کولھے سے کولھا ملائے مالی راؤ بھی بیٹھا تھا۔ اہلیا بانی کے سامنے
ایک تہہ کی ہوئی چادر پر پیشوائے پونا کی خلعت رکھی ہوئی تھی اور اہلیا بانی کے سامنے
پیشوائے پونا کے ہر کالے کھڑے ہوتے تھے۔ خلعت کے پاس اسی تلوار رکھی تھی پرہیزگار
نے اہلیا بانی کو بے حد خوش و خرم دیکھ کر اور خلعت اور تلوار کی موجودگی میں یہ اندازہ
لگا یا کہ مالی راؤ کو پیشوائے پونا کی طرف سے بردارہ حکومت موصول ہو چکا ہے۔ اس
نے گھبرا کر پوچھا: "ہانی جی! آپ نے مجھے یاد کیا تھا؟"

اہلیا بانی نے جواب دیا: "ہاں! میں نے تجھ کو یاد کیا تھا اور اس لئے کہ تو نے مجھ
کو یاد کیا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے اہلیا بانی معصومیت سے مسکراتی۔ پرہیزگار اہلیا بانی کے
تفصیلی جواب کا منتظر رہا لیکن وہ مختصر سی بات کہہ کے گویا پرہیزگار کو بھول گئی اور
پیشوائے پونا کے دفتر سے مخاطب ہو گئی، بولی: "میں پیشوائے پونا کی شکریہ گزار ہوں
کہ اس نے میرے بیٹے مالی راؤ کا حق حکمرانی تسلیم کر لیا میری طرف سے پیشوائے پونا
کے چچا گھو یا طو کا شکریہ ادا کر دینا کیونکہ وسط ہند کی مرہٹہ فوج کا وہی سپہ
سالار ہے اور اس کی مرضی ادا اجازت کے بغیر حیرا بیٹا مالی راؤ مالو سے کا حکمران
نہیں بن سکتا تھا۔"

اہلیا باقی کے اشارے پر مالی راڈ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور پیشوے پونا کی خلعت کراٹھا کر سر پر رکھ لیا۔ وفد کا سرکار مالی راڈ کے قریب گیا اور تنویر اس کی کمر سے لگا دی۔ اہلیا باقی نے فخران خوشی کے جذبات سے یہ کارروائی دیکھی اور دفعتاً انعام و اکرام سے نوازا دیا۔

کچھ دیر بعد دربار ہر حاجت ہو گیا اور وہاں سے اہلیا باقی، مالی راڈ، پر بھا کر اور چند خدمت گاروں کے سوا ہر کوئی چلا گیا۔ پر بھا کر کا خیال تھا کہ آج اہلیا باقی شاید ہی اس سے کوئی بات کرے لیکن اسی دوران اہلیا باقی کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنے بیٹے مالی راڈ سے کہہ رہی تھی: "مالی راڈ! تجھ پر بہت بڑی ذمہ داری آ رہی ہے تیری مدد کے لئے میں موجود ہوں لیکن میں ہمیشہ تیرے پاس نہیں رہوں گی۔ میں تجھ سے زیادہ بجا چکی ہوں اور تجھ سے پہلے مر جاؤں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں، تجھے احوال حکومت سے باخبر کر دوں اور اس میں توازن پیدا ہو جائے کہ تجھ کو میرے بعد تیری ضرورت ہی نہ محسوس ہو۔"

پھر وہ پر بھا کر کی طرف مڑی، بولی: "ہاں! یہ گمانی وہ دھواں چوڑا بھی نوجوان ہے اس لئے یہ زندگی بھر تیری رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس کی باتوں میں سچائی کی تلی ہوئی ہے لیکن مالی راڈ اگر تو سچائی کی کڑواہٹ کو خلق سے اتارے گی تو میں تجھ کو اسی دقت یہ خوش خبری سنا سکتی ہوں کہ یہ کڑواہٹ تجھ کو ہمیشہ گمراہی اور بے راہ روی سے بچائے رکھے گی۔"

مالی راڈ اور پر بھا کر نے ایک ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک دوسرے کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پر بھا کر کے پھرے ہوئے چہرے پر علم اور تدبیر کا سکون تھا، طہانیت تھی اور خود اعتمادی تھی مگر مالی راڈ کا چہرہ جذباتی اور شاک تھا۔ اس کو پر بھا کر کی باتیں ذرا بھی اچھی نہیں لگتی تھیں اور وہ اپنے معاملات میں پر بھا کر کی مداخلت کو ذرا بھی پسند نہ کرتا تھا مگر قابل احترام اور عقلمندانہ کے آگے بے بس اور مجبور تھا۔ مالی راڈ نے صاف صاف پر بھا کر کی مخالفت نہیں کی مگر اشاروں کنایوں میں اپنے دل کی بات کہہ دی۔ بولا: "ماں جی! جھگڑانے سمجھ کو بھی عقل دی ہے، میں بالغ بھی ہوں اس لئے ہر اس شخص کو جسے اپنے گمانی اور وہ دھواں ہونے پر مان اور گمان ہو مجھ سے جا اور یہ جا ابھنے کی کوشش نہ کرے۔ میں کسی حد تک نوبل خلعتیں اور مراحمین برداشت کر سکتا ہوں لیکن ہمیشہ اور ہر معاملے میں

برداشت کرنے کو قطعاً تیار نہیں۔“

اہلیا بانی نے ہر بھاکر سے کہا: ”اب میں تو سامویش ہوتی جاتی ہوں نیز باتوں کا جواب یہ عاقل اور عالم نوجوان ہی اچھی طرح دے سکتا ہے!“ پھر ہر بھاکر سے کہا: ”تجھ کو میری طرف سے اجازت ہے۔ مالی رادہ سمجھاس کے عندہ اور اعتراف کا معقول جواب دے دے۔“

ہر بھاکر نے جواب دیا: ”قابل احترام خاتون! میں خود بھی کسی حد تک نوالہ دے کے نئے اور نوجوان حکمران کی رہنمائی کر سکتا ہوں لیکن ہمیشہ اور ہر معاملہ میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ نوجوان راجا کو بہت جلد اس کا اندازہ ہو جائے کہ اس کا شاندار لباس اور ظاہری شان و شوکت اسی وقت تک اس کا ساتھ دیں۔ جب تک یہ خاموش رہے گا لیکن جب یہ عقلمندوں کے سامنے اپنی زبان کھولے گا تو اس کی کم علمی اور ناتجربے کاری اس کے شاندار لباس اور ظاہری شان و شوکت کے رعب اور دبے کو ختم کر دے گی۔“

اہلیا بانی ہر بھاکر کی شاندار باتوں سے اتنی متاثر ہوئی کہ مالی رادہ کو حکم دیا: ”جب تک نوجوان نہ رہے اور حکومت کمزور رہے اس وقت تا یاب اور گورہ لا جواب کو قدر اور سہو سستی سے غافل رہ۔ کیونکہ کسی راجا اور حکمران کے ہاتھ پاؤں اور دماغ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔“ مالی رادہ کے پاس اس کے رد اور اعتراض کے لئے کچھ نہیں رہ سکا۔ اہلیا بانی نے مذہب اور متفکر مالی رادہ کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا۔ ہر بھاکر اب بھی اس کے پاس ہی موجود رہا۔

اہلیا بانی نے کہا: ”نوجوان گیانی مالی رادہ جہ بانی، نادان اور ناتجربے کا نوجوان ہے۔ اس کے آگے وہ تیری باتوں پر کان نہ دھرے اور سنی ان سنی کر دے تو تو اس سے بالکل اور بے پروا ہو جانا۔ جھگڑا نہ کرنا تو یہ آہستہ آہستہ راستہ پر مقررہ آجائے گا۔“

ہر بھاکر نے جواب دیا: ”بانی جی! جھگڑا نہ کرو اگر میں مشورہ دے سکتا اور مجھ کو یہ یقین بھی ہوتا کہ وہ میرا مشورہ قبول کرے اس پر عمل دلا کر شروع کر دے گا تو میں اس کو مشورہ دیتا کہ وہ انسانوں کو بہت زیادہ جاہل بیٹوں کے بجائے بس ایک لائق عقلمند اور گیانی بیٹا دے دیا کرے کیونکہ مقدس اور محترم بانی جی! ایک لائق اور گیانی بیٹا سینکڑوں جاہل اور اگیانی بیٹوں سے بہتر ہوتا ہے، جاندار کیلئے ہی اندھیرا دھندہ کر

دیتا ہے جبکہ لاتعداد ستاروں کی جمعیت یہ کام نہیں کر سکتی۔“

اہلیا بانی اس عجیب و غریب نوجوان سے مضروب ہوتی جا رہی تھی۔ پر بھاکر کی ایک بات آپ نہر سے بھی جانے کی مستحق تھی، بوٹی۔ ”مادہ بھاٹ برادر سی کے لائق نہرین نوجوان! اگر تو نے اپنا یہ عالم اور عقل کسی طرح مالی راؤ میں منتقل کر دے تو میں زندگی بھر تیرے احسان مند رہوں گی اور اس پر مانہ کرتی نہ ہوں گی کہ میں نے ایک صحیح نہرین حسان، انتخاب کیا تھا۔“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”میں کوشش سے باز نہیں آؤں گا مگر فی الحال تو میں اپنے والدین اور بھائی بہن کے پاس جانا چاہتا ہوں، جب سے میں یہاں آیا ہوں ایک بار بھی گھر نہیں ساسکا۔ میرے ماں باپ اور بھائی بہن میری بابت معلوم نہیں کیا سوچ رہے ہوں گے۔“

اہلیا بانی نے کہا۔ ”نواج ہی گھر چلا جا اور مجھ سے اپنے ماں باپ اور بھائی بہن کے لئے تحفے لیتا جا اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کرنا جا کہ تیرا واپس بھی آجائے گا میرے پاس۔“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”آپ کی ہمدردی اور محبت کا بہت بہت شکریہ۔“ پھر اس نے اپنے کمرے میں جا کر گھر جاتے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کچھ دیر بعد اہلیا بانی کی طرف سے سونے چاندی کا ایک تھقال، چند مالائیں، ایک خلعت اور خشک میوؤں کا ایک ٹوکرا پر بھاکر کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ اہلیا بانی کا پورا محل پر بھاکر کی غیر معمولی عزت کرنے لگا تھا جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تو کئی خدمت گاروں نے اس کا سامان سنبھالا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ مالی راؤ جھڑکے سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ پر بھاکر سے خوش نہیں تھا اور اس کو اپنے حق میں ایک مصیبت سمجھتا تھا۔ اس نے ایک آدمی پر بھاکر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ محل کے باہر رتھنا گاڑھی پر بھاکر کے انتظام میں کھڑی تھی۔ وہ مالی راؤ کا یہ نبائی دربان پر بھاکر کو ملا کہ وہ پے آقا کی اجازت اور نہایت کے بغیر کہیں بھی نہیں جاتے گا تو یہ بات پر بھاکر کو گراں گزری۔ اس نے کہا۔ ”ابھی تک تو میں مافی اہلیا بانی کو مالوے کی سب سے بڑی شخصیت اداہنی آقا سمجھتا تھا لیکن مالی راؤ کے اس مندریسے سے یہ پتہ چلا کہ اس محل میں ایک چھوٹا آقا بھی موجود ہے۔ اور یہ چھوٹا آقا اپنے حکم کو بڑا آدمی سمجھتا ہے۔“

سندھیہ لائے دالامانی، یہ کا خاص خوشامدی خدمت گار دوار کا تھا۔ پر بھاکر کی بات اس کو گراس گزری، بولا، "مشریمان جی، یہ آپ کی بدھی کا قصور ہے جو اب بھی مالی راڈ کو چھوڑا آقا سمجھ رہی ہے۔ ملہار راڈ کے راج سنگھاسن پر بیٹھ جانے کے بعد مالی راڈ مالوے کا سب سے بڑا آقا بن چکا ہے۔"

پر بھاکر نے اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ وہ سامان کو گھوڑا گاڑی میں رکھیں اور تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہے۔ خدمت گار سامان لے کر محل کے باہر چلے گئے اور پر بھاکر دوار کے ساتھ مالی راڈ کے پاس پہنچ گیا۔ مالی راڈ نے تیریاں چڑھا رکھی تھیں منہ بنا کر پوچھا، "یہ تو کہاں جا رہا ہے؟"

پر بھاکر کو مالی راڈ کا یہ سوال گراں گذرا کیونکہ مہب رانی اہلیا بانی نے اس کو گھر جانے کی اجازت عطا کی تھی تو وہیں سامنے مالی راڈ بھی موجود تھا۔ پر بھاکر نے بھی تمکنت سے جواب دیا، "یہ کہاں جا رہا ہوں اس سے آپ بخوبی واقف ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو آپ کے اس سوال کا کیا جواب دوں؟"

دوار کا نے شکایت کہا، "مالک: یہ گمراہی ابھی تمہارے ہتھے کہ میں رانی جی کو مالوے کی مہب سے بڑی شخصیت اور اپنی آقا سمجھ رہا تھا لیکن اب مالک کے بلاوے سے پتہ چلا کہ اس محل اور اس درجہ میں ایک چھوٹا مالک بھی موجود ہے۔ یعنی آپ یہاں کے چھوٹے مالک ہیں۔"

مالی راڈ کا چہرہ مٹرخ ہو گیا۔ دوار کا سے پوچھا، "چھوٹے کیا کہا؟" دوار کا نے جواب دیا، "میں نے جواب دیا کہ مشریمان جی یہ آپ کی بدھی کا قصور ہے جو اب بھی بڑا آقا آپ کو چھوڑا نظر آ رہا ہے کیونکہ ملہار راڈ سو رہا ہے راج سنگھاسن پر بیٹھ جانے والا مالوے کا مہب سے بڑا آقا بن چکا ہے۔"

مالی راڈ کے چہرے پر تازگی اور شگفتگی آگئی۔ شادمان کی غیبت سے دوار کا کو دیکھ کر پر بھاکر سے کہا، "تو بڑا گیانی اور دھوانی بن رہا ہے، حالانکہ تجھ سے زیادہ علم اور عقل تو اس دوار کا میں ہے تو کچھ دن کے لئے دوار کا کا چیلہ بن جانا کہ دربار سرکار کے آداب میں کھلے۔"

پر بھاکر نے جواب دیا، "آپ کی نظر میں گیانی اور دھووان دربار داری اور خوشامدی کو کہتے ہوں گے لیکن ایک عالم اور عقل مند کے نزدیک دربار داری اور خوشامدی جھک مٹکوں کا پیشہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ وقت کسی وقت طلب ہیٹ کا نہیں ہے"

اس لئے مجھ کو جزوری سوال جواب کے بعد اگر رخصت کر دیا جائے تو آپ کا کرم ہوگا۔
 مالی راؤ کو وہ دہ کر غصہ آ رہا تھا کہ یہ عجیب بے حس نوجوان ہے جس پر اس
 کی حکومت اور دبے کا کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بچوں جیسی ضد پر اندر آیا بولا
 "پر بھاکر ہی! معلوم نہیں تو کس ہوا میں ہے۔ اس محل اور اس راج میں میری طرف
 سے چھڑنے والی ہر بحث اہم بحث ہے اور میری معمولی سی بات بھی ایک بحث
 ہے۔ میں سمجھ سے پوچھتا ہوں کہ عقلمندی اور بادشاہی میں بڑائی کس کو حاصل
 ہے؟"

پر بھاکر نے جواب دیا۔ "قابل احترام رانی کے نادان بیٹے: میرے پاس آپ
 کے اس سوال کا بہترین جواب موجود ہے لیکن اگر جواب پر مجھ کو آپ مجبور نہ کریں
 تو بہتر ہے۔"

مالی راؤ نے سختی سے کہا "نادان انسان! میں اپنے سوال کا جواب لے کر رہوں
 گا۔ اسی وقت ما بھی، اسی لمحے!"

پر بھاکر نے نظریں ملاتے بغیر جواب دیا۔ "اگر آپ بالک ہٹ جاپر تڑپے
 ہیں تو جواب حاضر ہے۔ آپ دانائی اور بادشاہی کے مابین بہتری اور کمتری کا سوال
 ہی غلط کر رہے ہیں۔ آپ بڑائی معلوم نہیں کس شے کو کہتے ہیں۔ میں تو دانائی اور
 بادشاہی کو برابری کا درجہ بھی دینے کو تیار نہیں کیونکہ دانائی بادشاہی سے برتری اور برتر
 ہوتی ہے اور بادشاہی اس سے کمتر ہوتی ہے!"

ددار کا پرستانہ طواری ہو گیا اور مال راؤ مشتعل ہو گیا جیج کر کہا۔ "ادب داتے ہو؟
 تجھے اپنے جواب کی سچائی کسی بڑی دلیل سے ثابت کرنا ہوگی ورنہ میں تیرا حلیہ
 بگاڑ دوں گا۔"

پر بھاکر نے جواب دیا۔ "مالی راؤ جی: مجھ کو اپنے جواب کی سچائی ثابت کرنے
 کے لئے کسی بڑی دلیل کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان نہیں ہونا چاہئے گا۔ آپ
 کی بات اور اپنے جواب کی سچائی میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ بادشاہ کی
 عزت اور حرمت اس کے اپنے ہی ملک تک محدود رہتی ہے جبکہ دانائی عزت اور
 حرمت ہر جگہ ہوتی ہے۔"

مالی راؤ لا جواب ہو کر پانی کے پھین کی طرح بیٹھ گیا۔ جھنجھلا کر پوچھا "اور یہ
 دانائی ہوتی کیا چیز ہے؟"

پھر بھاکر نے جواب دیا: "مہاراج: مختلف لوگوں میں دانائی کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کے نزدیک دانائی لفظوں میں ہوتی ہے۔ جیسے طوطے کی عقل مند۔ بعضوں کا خیال ہے، دانائی کول میں ہوتی ہے جیسے گونگے کی یکن میں کہتا ہوں کہ دانائی دلوں میں اور لفظوں میں برابر برابر بھا کرتی ہے۔"

مائی داد کی سمجھ میں یہ جواب اچھی طرح نہیں آیا لیکن اس نے اپنے دل میں پھر بھاکر کی دانائی اور بڑائی کا اعتراف ضرور کر لیا۔ نرمی سے بولا: "اے بانوئی بھات۔ میں نے تجھ کو اس لئے بلایا تھا کہ اب جبکہ تُو اپنے گھر جا رہا ہے تو وہاں جی بھر کے رہ لینا، واپس آنے میں جلدی نہ کرنا کیونکہ مجھ کو تیری اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی تیرے ماں باپ اور بھائی بہنوں کو ہو سکتی ہے۔"

پھر بھاکر نے جواب دیا: "مہاراج: سمندر کی تہہ میں پڑی ہوئی سیپ میں چھپا ہوا موتی اس وقت تک گنہام ہے قیمت اور بے وقعت رہتا ہے جب تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ میری وقعت اور قیمت گھر میں نہیں گھر سے باہر ہوتی ہے اس لئے میں گھر سے جلدی ہی آنے کی کوشش کروں گا۔"

مائی داد نے کہا: "اچھا، جب تیرے جی میں آئے چلے آنا لیکن آچکنے کے بعد بھگوان سے لئے میرے ذاتی معاملوں میں دخل نہ دینا کیونکہ اگر تُو نے ایسا کیا تو تُو میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو جائے گا اور میرے لئے ناقابلِ برداشت کوئی بھی چیز میرے آس پاس نہیں رہ سکتی۔"

پھر بھاکر نے آہستہ سے کہا: "مہاراج! میں جو کچھ اور جیسا کچھ بھی اس وقت اموں، دلیما ہی ہمیشہ رہوں گا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں خود کو قابلِ برداشت نہ سکوں گا یا نہیں۔ اگر میں نے آپ کو قابلِ برداشت بنالیا تو میں ناقابلِ برداشت نہیں رہوں گا۔"

مائی داد نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا: "اچھا اب تُو زیادہ دماغ نہ کھا اور یہاں سے فرار ہو جا۔ میں حالات کے ساتھ خود کو بدھنے کی کوشش کروں گا۔ پر بہتہ نہیں کرنا میں کامیاب بھی ہوں گا یا نہیں۔"

پھر بھاکر محل سے باہر نکلا تو سامان سے لدی پھندی گاڑی تیار ملی۔ وہ اس میں بیٹھ کر اپنے گھر روانہ ہو گیا۔

ماں باپ اور بھائی بہن پر بھاکر سے مل کر بہت خوش ہوئے لیکن جب انہیں
 پر بھاکر اور مانی زاد کی کشش کا حال معلوم ہوا تو ہر کوئی اس پر نا ارض ہوا۔ باپ نے اس
 کو سمجھایا: ”بیٹے پر بھاکر! راجا کو نا ارض رکھ کر خود کیونکر راضی خوش رہ سکتے؟ میں تجھ
 سے زیادہ تجربے کا رہوں، میری نصیحتیں وصوفی کے پتھر میں باندھ لے۔ راجا کے پاس
 اٹھنے بیٹھنے والا اگر راجا کے ایسا ہر دن کوربات اور رات کو دن کہہ سکتا ہے تو راج دربار
 میں وہی شخص جلد یا بدیر سب سے بڑا کہلائے گا لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو
 ایک نہ ایک دن ایسا کرنے والا کوئی دوسرا شخص اس کی جگہ لے کر اس کو رخصت کر
 دے گا۔“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”پتا ہی! میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ آپ کو سمجھ ہو چھ
 اور عقلمندی کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا، اس لئے آپ مجھ کو جس بات کا حکم دیں گے، میں
 اس کی تعمیل کروں گا لیکن اس نا ازان لڑکے سے میں کس طرح منجھوں گا جس کا نام مانی زاد
 ہے؟“

باپ نے کہا: ”اگر تو ماضی میں جھانک کر دیکھ سکے تو دیکھ لے، وہاں کتنے ہی
 پر بھاکر اور مانی زاد دکھائی دے جاتیں گے۔ یہ تیرے ظرف اور بہت کی بات ہو گئی اگر
 تو مانی زاد کو برداشت کر لے گا تو دنیا کا ہر کام کر سکے گا۔“

اب ماں آگے بڑھی اور پر بھاکر ایک ہی نصیحت کرنی رہی کہ نفس بات سے
 جان کا خطرہ ہو اس کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دینا۔ اگر میری اس نصیحت کے خلاف کچھ
 ہو جائے تو اس سے دل چھوٹا نہ کرنا اور بہت اور حوصلے سے اپنی کوشش جاری رکھنا۔
 بہن نے کہا: ”بھائی! تم اتنا زیادہ تر یا وہ کم کر لاؤ کہ ہمارے دل نہ
 ڈو رہو جاتیں۔“

بھائی نے کہا: ”میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہلدی پھٹکری لگے بغیر رنگ چمکھا
 ہی آئے۔“

گھر کے ہر شخص سے مل چکنے کے بعد جب اس نے یہ سوچا کہ اب وہ کون
 ہے جس سے ملنا باقی رہ گیا ہے تو سب سے پہلا نام راجنی کانت کا تھا جو ذہن میں اٹھرا
 چونکہ عورت کے بارے میں اس کے خیالات اچھے نہیں تھے اس لئے راجنی کانت کو
 اپنے ملاقاتیوں کی فہرست سے نکال دینا چاہا لیکن اس کوشش میں برمی جلدی اس
 کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ راجنی کانت کے معاملے میں دل اور دماغ متحد اور متفق

نہیں ہیں۔ وہ دد دلا ہوتا تھا۔ ایک ہی دل کبھی ملنے کا مشورہ دے دینا اور کبھی اس سے دُور دُور رہنے کی رائے دیتا۔ وہ بڑی دیر تک اسی ہاں اور نہیں کے شش در پنج میں مبتلا رہا آخر نہیں کی جیت ہوئی اور اس نے رجنی کا منت کے نام کو اپنے جاننے والوں کی فہرست سے نکال باہر کیا۔ اس وقت اس کو چاندی کا وہ چھلا یاد آگیا جو رجنی کا منت نے اس سے چند باتوں کا موقع نکالنے کے لئے مہا نئے میں دے دیا تھا۔ اسی دل نے جس نے رجنی کا منت سے ملنے سے منع کر دیا تھا، پر بھاکر کو اجازت دے دی کہ چھلے کی دایبھی کی خاطر فردا میری ملاقات میں کوئی ہرج نہیں چنانچہ اجازت پاتے ہی وہ منہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ معلوم نہیں کیوں رجنی کا منت کی ان متوقع باتوں سے پریشان ہو رہا تھا جو بالآخر ایک ایسے موضوع میں منتقل ہو جاتیں جس کا تعلق جنس سے تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم منہ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اس کے آس پاس پوست کی تیاہ فصل کھڑی تھی۔ پوست کے ایک ایک گز ہی پورے لہار ہے تھے۔ ان میں سرخ و سفید بھول کھلے ہوئے تھے اور دُور کی بہار آئی ہوئی تھی۔ انہی ڈھوڑی کو تراش کر فیروز تیار کی جاتی تھی۔

مندرس وہ جیسے ہی داخل ہوا، ایک ہنگامہ سا اٹھ کھڑا ہوا۔ پرہیت اپنے جیلوں کے ساتھ اپنی کتیا لے نکلا اور پر بھاکر کے ٹوہڑو با کھڑا ہوا، پوچھا، کہو جی، آئی کئی دن بعد نظر آتے؟

پر بھاکر نے جواب دیا، ”پرہیت جی، اس دن جلدی میں میں مالو سے کی مقدس خاتون اہلبابائی کی خواہش پر ان کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اس نیک دل خاتون نے میری اتنی شاندار پیرائی کی کہ میں اپنی مرضی کے خلاف عمل کے اس حصے میں رہ رہا ہوں جہاں رانی کا اپنا قدم نہ رہتا ہے۔“

پرہیت نے نہ شک سے کہا، ”پر بھاکر جی، مبارک ہو، تم ایک خوش قسمت انسان ہو۔“

دیکھتے ہی دیکھتے اس کے آس پاس دیو داسیاں بھی جمع ہو گئیں۔ ان میں رجنی کا منت بھی تھی۔ وہ آئی ماند پر بھاکر کو ایک نظر دیکھا اور دایبھی چلی گئی۔ پر بھاکر نے رجنی کا منت کی نظروں میں ایک رب، شکایت اور افسوس کی ملی جلی کیفیت محسوس کی۔ پرہیت نے خلاف معمول، اجائی ہوئی رجنی کا منت کو آواز دی، ”ارے، یہ رجنی کو کیا ہو گیا؟ یہ کہاں چل دی؟ اری اور جی، ایک تو سہی، یہ کہاں جا رہی ہے تو؟“

بہنِ رحمنی کانت نہیں لگی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

پرمہت نے کھیلنے پن سے پرہکا کر کو دیکھا اور ہنسنے ہوئے کہا: اس چھوٹے پرہکا کو پتہ نہیں کیا ہو گیا۔ کیا تم سے کوئی بات ہو چکی ہے کہیں تم دونوں میں کسی بات پر جھگڑا تو نہیں ہوا؟

پرہکا نے جواب دیا: ”مجھ سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں وہ کیوں چلی گئی۔“

پرمہت نے کہا: ”تم نے اپنی پہلی ملاقات میں عورت کی بے عزتی جو کی تھی۔ شاید وہی بات رحمنی کانت کو برمی لگ گئی۔“

پرہکا کمر سب کو چھوڑ چھاڑ کر رحمنی کانت کی تلاش میں چلا گیا۔ بڑے مندر سے ملحق ایک مندر اور تھا۔ یہ اس سے چھوٹا تھا اور اس کے سامنے اور دائیں بائیں دو دو حجرے بنے ہوئے تھے جن میں پرمہت کے چلیے اور دیو داسیاں رہتی تھیں۔ ان میں پرمہت کا حجرہ بڑے مندر سے منسلک اور خاصا کشادہ تھا۔ بڑے مندر کے دروازے پر برنگہ کا درخت اپنے عظیم چھتر کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کا سایا تمام وسیع دیرین تھا کہ کئی سو آدمی اس کے نیچے رہ سکتے تھے۔ برنگہ کی جڑیں زمین میں پیوست ہو کر جھاڑوں کا سماں پیدا کر رہی تھیں۔ چھوٹے مندر کے سامنے اور پشت پر درم پیل کے درخت کھڑے تھے۔ اونچے اونچے ہرے ہرے پتوں والے۔ یہیں ایک پکریا بھی تھی پیل کے درختوں سے بچی، ہستہ قاست لیکن اپنے پھیلاؤ اور گھنیرے پن میں دونوں پیلوں سے کہیں زیادہ۔ اس کی گتیاں اس کے نیچے بستر کی طرح بچی ہوئی تھیں۔ اس کے گھنیرے پتوں میں کوڑوں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا اور ان کی کایتیں کایتیں سے مندر کی فضا کو بچ رہی تھی۔ رحمنی کانت اسی پکریا کی جڑ میں سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

پرہکا کو مندر سے نکل کر برنگہ کے نیچے رحمنی کانت کو تلاش کرتا رہا اور گول، موٹے چوڑے تنے کے چاروں طرف گھوم پھر کر اور جٹاؤں کے آس پاس تلاش کرتا رہا۔ پھر وہ چھوٹے مندر میں گھس گیا، یہاں بھی شیوجی کی ایک شاندار مورتی رکھی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لئے شیوجی کی مورتی کے سامنے کھڑا رہا۔ یہ شیدہ جی کے تاندر فطی کی مورتی تھی۔ شیوجی غیظ و غضب کے عالم میں جنونی رقص کر رہے تھے، ان کے چار ہاتھ تھے، ایک پاؤں رقص کی وجہ سے اٹھا ہوا تھا اور دوسرا کسی انسان کی لاش پر ٹکا ہوا تھا۔ پرہکا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ہمارے فضا کی ”شیوجی“ آپ

تخلیق اور فنا کے دیوتا ہیں، میرے گیان میں اضافہ اور اگیان میں کمی آپ ہی کر سکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں مالوتے کی لالچی احترام رانی اہلیا بانی کے دربار تک پہنچ چکا ہوں، وہاں میرے گیان اور تہ بھی ہر وقت محط سے میں رہیں گے کیونکہ مجھ کو جس شخص کی ہم تشبیہ ملی ہے وہ بہت بڑا جاہل اور نادان ہے۔

اس کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، پلٹ کر دیکھا تو بدہمت اور اس کے چند چیلوں کو منگولے ہوتے دیکھے۔ بدہمت نے پوچھا: ”پر بھاکر جی! کیا جی کاہ سے ملاقات ہو گئی؟“

پر بھاکر نے کہا: ”نہیں، ابھی نہیں ہوئی۔“

بدہمت نے کہا: ”اگر تم اس سے ملنا چاہو تو یکسر تالے پہنچ جاؤ ورنہ اس کی جڑ میں منہ سجاتے بیٹھی ہے۔“

پر بھاکر حیران تھا کہ بدہمت جی اس پر اتنے مہربان کیوں ہو سکتے ہیں۔ وہ شیوہ جی کے سامنے سے ہٹ کر مندر کے دروازے سے منہ بدہمت کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بولا: ”بدہمت جی! میں اس سے تھوڑی دیر کے لئے ملنا تو چاہتا تھا لیکن اگروہ خود ملاقات سے گریز کر رہی ہے تو میں زبردستی اور اصرار کیوں کروں؟ وہ نہیں چاہتی تو میں کیوں ملوں؟“

بدہمت زور سے ہنسنے لگا: ”بھائی! جو جی میں آئے کرو میں تو چلا لیکن جالے سے پہلے مجھ سے ضرور مل لینا۔“

بدہمت چلا گیا۔ پر بھاکر شیوہ جی کو بدنام کرنے چلا گیا۔ پر نام کر کے وہ مندر کے باہر آ گیا اور آہستہ آہستہ یکریا کی طرف بڑھا۔ رجنی کانت کا منہ مندر کی طرف تھا، اس نے پر بھاکر کو اپنی طرف آنے دیکھا تو منہ پھیر لیا اور بخیہ دافردہ منہ بوند کر بیٹھی رہی۔ پر بھاکر اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ رجنی کانت اسے دیکھے تو وہ کوئی بات کرے لیکن رجنی کانت نے سر ہی نہیں اٹھایا۔ گردن جھٹکائے لاعلم بنی بیٹھی رہی۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد پر بھاکر نے کہا: ”میں تمہارا چھلا والیہ کر کے آ گیا تھا رجنی کانت! اگر مجھ پر معذرت ہو تو کہ تم مجھ سے اس حد تک بیزار ہو تو میں یہاں نہ آتا۔“

اس کے بعد پر بھاکر نے چھلا رجنی کانت کے قدموں میں گر دیا۔ جو

سیدھے پاؤں کے انگوٹھے کے ناخن سے حکمران ایک طرف لڑھک گیا۔ رجنی کانت نے شوخی سے سر اٹھایا اور زبردستی مسکرا کر پوچھا۔ "کسی کی امانت۔ یوں واپس کی جانی ہے؟" پر بھاکر نے کہا۔ "تم پولیس تو سہی دہنہ میں تو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ تم نے شاید اپنی زبان شیوجی کے چرنوں میں چڑھ دی؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "تم جو پا ہو سو چ لو کیونکہ تم کسی بھی معاملے اور مسئلے میں اپنے آپ ہی فیصلہ کر لیا کرتے ہو۔ تم نے عورتوں کی بابت جو اپنا فیصلہ من لیا تھا وہ بھی تمہارے مزاج اور عادت کے مطابق تھا؟"

پر بھاکر نے جواب دیا۔ "میں نے عورت کے بارے میں جو رائے دی تھی اس سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں تھی اور اگر سچی بات سے کسی کو تکلیف پہنچ بھی جاتے تو اس پر مذمت یا اخوس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے رجنی کانت میں اپنی بات کی سچائی پر اب بھی خوش اور مطمئن ہوں اور تیری آزر دگی یا مال مجھ کو نام یا متاسف نہیں کر سکتے۔"

رجنی کانت نے کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم بے رحم اور ظالم انسان ہو اور تمہارے سینے میں دل کے بجائے پتھر کا ٹکڑا رکھا ہے؟"

پر بھاکر ہنس دیا۔ "تو تم بہت غصے میں ہو میرے سینے میں بھی گوشت ہی کا دل ہے، یہ گداز بھی ہے، دو سروں کے دکھ پر لپیٹا بھی ہے لیکن یہ سچائی اور دانائی کا بے دام کا غلام ہے، یہ منافقت اور جھوٹ کو قابلِ رحم نہیں سمجھتا۔"

رجنی کانت نے ادھر ادھر دیکھ کر پر بھاکر کے پاؤں پر پکڑیئے، بولی "یہ کھڑے کھڑے کب تک بائیں بناتے رہو گے۔ کچھ دیر کے لئے بیٹھ تو جاؤ۔"

حسین عورت کے ہاتھ کے لمس نے پر بھاکر میں ہیجان پیدا کر دیا۔ وہ

گھبرا کر بیٹھ گیا۔

رجنی کانت نے کہا۔ "یہ بات ہوئی؟"

پر بھاکر نے کہا۔ "رجنی کانت! میں نے عورت کی بابت جو کچھ کہا تھا، وہ میرا اپنا نہیں تھا۔ منو کی راتے تھی۔ ماضی کے بڑوں کی داتے تھی اور منو کی راتے اور بڑوں کے اقوال کو جھٹلانا ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں ان اقوال کی سچائی پر اتنا ہی یقین رکھتا ہوں جتنا آپ نے سنجے اور شاہدے کی سچائی پر رکھ سکتا ہوں۔"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”پر بھاکر جی! میں کوئی عقلمند عورت نہیں ہوں۔ لیکن چند سچے بچوں کا بچہ بھی گیان حاصل ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں بھی معلوم ہو۔ ہمیں اس کربیان کئے بغیر تمہیں رہوں گی۔“

پر بھاکر نے خوش ہو کر کہا۔ ”رجنی کانت! دانائی اور سچائی کا تو میں عاشق ہوں، جس سے اور جہاں سے ملے میں قیمتاً حاصل کرنے کو تیار ہوں۔ ایک ایسی قیمت پر جو جس ادا کر سکوں۔“

رجنی کانت کی آنکھوں میں چمک آگئی، پوچھا۔ ”قیمتاً؟ یعنی تم سچائی اور دانائی کو اپنی سفر کردہ قیمتوں پر خریدنے کو تیار ہو؟“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”بالکل بالکل لیکن اس شرط پر کہ وہ سچائی اور دانائی سچائی اور دانائی کا ثبوت بھی ہو جائے۔“

رجنی کانت نے تھوڑی سی سانس بھری۔ اس کے بعد ہنسنا شروع ہوا کہ تیرے جھوٹے کی طرح دل میں ہلچل مچا گیا۔ جو کچھ نظر آ رہا تھا پر بھاکر کو پریشان کر دینے کے لیے کافی تھا۔

رجنی کانت نے کہا۔ ”پر بھاکر جی! بہت ساری سچائی اور دانائی انسان کے حق میں مصیبت بن جاتی ہے۔ اگر خوشگوار زندگی گزارنا ہے تو داغی سچائی اور دانائی پر قناعت کر لو۔ بہت زیادہ سچائی اور دانائی انسان کے لئے اس آبِ دلنے کی طرح ہوتی ہے جس کا اعتدالی زندگی کے لئے صرف ہی اور جس کی افراط پیغامِ موت بن جاتی ہے۔ دانائی اور سچائی کو اگر کسی انسان میں یکجا کر دیا جائے گا تو وہ انسان اکیلا رہ جائے گا اور انسان اکیلا نہیں رہ سکتا۔ تم کیا کہو انسان بھی تنہا نہیں رہ سکتا۔“

پر بھاکر پر اچانک جس رجنی کانت کا انکشاف ہوا تھا، اس نے حیرت اور ششدری کے رکھ دیا۔ ”فرضاً حیرت سے پوچھا۔ ”رجنی کانت! یہ تم بول رہی ہو؟ میں تو تمہیں سنگ، بڑھ سمجھا تھا لیکن تم قیمتی پتھر نکلیں۔“

رجنی کانت نے پر بھاکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہتھیلی پر نظر میں جمادیں بونی ”پر بھاکر جی! تم بھی تنہا نہیں رہ سکتے۔ تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے میں ایک ساتھی تلاش کر لینا چاہیے۔“

پر بھاکر نے اس کے ہاتھ کو دبا دینا چاہا لیکن ہمت نہ کر سکا، بولا۔ ”رجنی

کانت : میں تنہا رہ سکتا ہوں۔ اکیلا زندگی گزار سکتا ہوں، اگر ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب رہے اور ملتے بھی رہے تو تم اپنی آنکھوں سے میرے اس دعوے کی سچائی کا مشاہدہ بھی کر لو گی ؟

رجنی کانت نے جواب دیا : ”پر بھاکر جی ! میں تمہاری طرح بہت زیادہ عقلمند مرنے کی دعوے دار نہیں ہوں لیکن اس خدا سی سچائی کا علم میں بھی رکھتی ہوں کہ ساتھی کے بنائے شیطان بھی نہیں رہ سکتا، اس کو بھی ساتھی دے کا رہتا ہے؟ پر بھاکر اچھل پڑا، بولا : ”تب پھر میں بھی کسی کو اپنا ساتھی بنا لیں گا۔ اگر تم شیڈر جی کی داسی نہ ہوتیں تو تمہی کو اپنا ساتھی بنا لیتا لیکن اب کسی اور کو نہ بنا پڑے گا۔“

رجنی کانت نے کہا : ”کیوں مجھے کیوں نہیں ؟ میں شیڈر جی کی داسی ہونے کے کارن تمہاری جیون ساتھی تو نہیں بن سکتی پر ساتھی تو بن ہی سکتی ہیں اس میں کیا دشواری حائل ہے ؟“

پر بھاکر نے کہا : ”اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں اپنا ساتھی بنا لوں گا۔“
رجنی کانت بولی : ”لیکن میں اپنی ٹوٹی لنگڑی، سرری گلی دانائی اور سچائی کی قیمت ضرور لوں گی۔“

پر بھاکر نے جواب دیا : ”میں قیمت بھی دوں گا، اس میں فکر کس بات کی ؟“
رجنی کانت نے پر بھاکر کا ہاتھ دبا دیا : ”اور وہ قیمت یہ ہو گی کہ تم مجھے ہمیشہ اپنا ساتھی بنائے رکھو اور آئندہ میری ذات کو اپنی تنقید کا نشانہ نہ بناؤ۔“
پر بھاکر سوچ میں پڑ گیا، بولا : ”یہ بہت مشکل ہے، جب میں بولوں گا تو سچ ہی بولوں گا اور اس سچ میں اگر تمہاری ذات سے متعلق جھوٹ بھی ہو گا تو میری تلخ لڑائی تم سے محفوظ نہیں رہے گا۔“

رجنی کانت نے کہا : ”لیکن تم احتیاط تو کر سکتے ہو۔“
پر بھاکر نے کہا : ”ہاں ایسا کر سکتا ہوں، ایسا بالکل کر سکتا ہوں۔“
رجنی کانت نے برسی گرم جوڑی سے پر بھاکر کا ہاتھ دبا دیا : ”تب پھر

دعا رہا ؟“
پر بھاکر نے بھی ڈرتے ڈرتے ہاتھ دبا دیا : ”میں وعدہ جو کر رہا ہوں۔“
اب رجنی کانت نے پہلو بدل کر پر بھاکر سے سھر کر بیٹھ جانے کی کوشش

کی۔ پر بھاگنے کو لا یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اگر رجنی کا منت کے پاس زیادہ دیر تک رہے
 رہا تو بات معلوم نہیں کہاں پہنچ جاتے۔ وہ کھسک کھسک کر فرار ہو گیا اور وہیں سے
 کہا۔ ”رجنی کا منت اب تم گھر جا سکتی ہو، کہو تو میں گھر تک پہنچا دو۔ یہیں کسی حجرے
 میں تم رہتی ہو گی۔“

رجنی کا منت نے شوخی سے کہا۔ ”پر بھاگ جی! مجھے دھکا تو نہ دو۔“

رجنی کا منت نے پر بھاگ کر کوڑھ لیا اور دونوں مرنے مرنے کی باتیں
 کرنے لگے۔ آخر میں پر بھاگ نے کہا۔ ”رجنی کا منت! آج میں نے تم سے بڑی
 باتیں کیں، کہیں تم اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں، ایسا
 کوئی بات نہیں۔ میں اس وقت تم سے نہیں تمہاری دانا نی سے باتیں کر رہا ہوں
 رجنی کا منت نے کہا۔ ”میں تم کو بہت پسند کرنے لگی ہوں پر بھاگ جی
 تم مجھ کو رو لے اور آہیں بھرنے کے لئے نہ چھوڑ جانا وقتاً فوقتاً مجھ سے ملنے
 ضرور رہنا۔“

پر بھاگ نے جواب دیا۔ ”دانا! اور سیال کی طلب مجھ کو تمہارے پاس
 لانی رہے گی، تم بے فکر اور مطمئن رہو۔“

اچانک پر دہشت بھی آگئے اور دونوں کے سامنے کھڑے ہو کر خوب
 خوب منہ، بوسے۔ ”پر بھاگ جی! اگر تم رانی اہلیا بانی کی چاکری میں نہ چلے گئے
 ہوتے تو میں تمہیں اپنے پاس رکھ لیتا۔ تم جیسا سچا اور دانا لڑکے گا کہاں، اگر نہ
 کبھی کبھی یہاں آئے جاتے رہو گے تو میں اس کو اپنے اچھے بھاگ میں شمار
 کرتا رہوں گا۔“

پر بھاگ نے جواب دیا۔ ”پر دہشت جی! میں نے رجنی کا منت سے یہاں
 آئے جاتے رہنے کا وعدہ کر لیا ہے، میں یہاں ضرور آیا کر دوں گا۔“

پر دہشت جی نے رجنی کا منت سے کہا۔ ”رجنی کا منت! گو بڑے نصیبوں والی
 ہے۔ ٹوٹی ہوئی کی سچی راسی جان پڑتی ہے کہو کہ میں اگر اپنے دل کی بات تم
 پر کہوں دوں تو تو دنگ رہ جاتے گی اور پر بھاگ جی کے چہرے میں بڑے رہنے
 کی پورا تحفہا کرنی رہے گی۔“

رجنی کا منت نے کہا۔ ”پر دہشت جی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“
 پر دہشت جی نے کنکھیوں سے پر بھاگ کو دیکھ کر رجنی کا منت کو جواب دیا۔

شبیوحی نیرے جذبے اور شوق کو دیکھ کر ہر بھاکر کے روپ میں یہاں آگئے ہیں۔
 اگر یہ خود شبیوحی نہیں تو ان کے ادا تار ضرور ہوں گے۔
 ہر دہت جی کی بات رجنی کانت کے دل میں تیر کی طرح اتر گئی۔ وہ تیزی
 سے اٹھی اور دوسرے ہی لمحے ہر بھاکر کے چہروں میں گر گئی۔ ہر بھاکر نے سمجھے
 بیٹے کی کوشش کی لیکن پیچھے ہر دہت جی اپنے جیلوں سمیت کھڑے تھے۔
 ہر بھاکر نے رجنی کانت کو قدموں سے اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا۔ اب
 اس نے شرم سے اپنے چہرے کو گھیر لگٹ میں چھپا لیا تھا۔ بالکل دھن کی طرح،
 نئی نویلی دھن کی مانند۔

★

★

★

اس بار جب وہ اہلیا بانی کے دربار میں پہنچا تو ہر بھاکر کے دل میں
 کئی خلشیں پیدا ہو چکی تھیں۔ ماں باپ اور بھائی بہن نے زیادہ سے زیادہ مال و
 زر پیدا کرنے کی خواہش کی تھی۔ جبکہ رجنی کانت نے ساقھی بنائے نہ کھنے کی
 درخواست کی تھی اور جب اس کو رجنی کانت میں کسی دانا اور سب سے انسان کا روپ
 نظر آیا تھا تو وہ اس کو ساقھی بنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس وقت تک ہر بھاکر نے
 رجنی کانت کے جسم سے زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی مگر جب ہر دہت نے ہر بھاکر
 کے شبیوحی کا ادا تار ہونے کا اعلان کر دیا اور رجنی کانت کو اس کی داسی قرار دیا تو
 ہر بھاکر کے دل و دماغ میں ہچل پھٹ مچ گئی تھی اور وہ ذہنی اور قلبی طور پر رجنی کانت
 کے قدموں میں گر گیا۔ رجنی کانت پر اپنا حق محسوس کرنے لگا۔

دو جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے
 سامان کو دھریں سے لگائے لگا اسی دخت کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی
 ہر بھاکر نے دروازہ کھولا تو اہلیا بانی کو چند لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ کھڑے
 دیکھا۔ اس نے ادب سے پرنام کیا اور رانی کے لئے کمرے میں جگہ بنانے لگا۔
 اہلیا بانی نے کہا: "ہر بھاکر جی! اسمالی راؤ کو انسان بنانا تمہارا کام ہے در
 میں خود مایوس ہو چکی ہوں۔"

ہر بھاکر نے جواب دیا: "محمترم خاتون! مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔
 بھگوان نے چاہا تو امی راؤ راہ راست ہر ضرور آجائے گا۔"

اہلیا بائی کھڑے کھڑے ہاتھیں کمر سے چلی گئی۔ اس نے دوبارہ کمرے کو اندر سے بند کر لیا۔ اس بار پھر دستک ہوئی اور جب دروازہ کھلا تو دروازے کا کمر کھڑے دیکھا۔ دروازے کے زمرے کہا۔ ”مالک نے کہا ہے کہ یہاں تمہارے لئے اس کمرے سے اچھی کوئی جگہ نہیں۔ اس لئے تم اس کمرے سے باہر نہ نکلنا اور اگر کبھی کسی ضرورت سے باہر نکلنا ہی پڑ جائے تو اپنے کام سے کام نہ کھنا اور مالک کے نہ تو کسی کام ہی میں دخل دینا اور نہ ان سے کوئی بات کہنا۔ تمہیں تمہاری ننھواہ اور دوسری ذرا دہش اسی کمرے میں پہنچ جایا کرے گی۔“

پربھا کمرے سے جواب دیا۔ ”اپنے مالک سے پوچھ کہ میں یہاں سے جو کچھ بھی پائیں گا اپنے آقا اور مالک کی خدمت کے عوض پاؤں گا۔ میں اس مال و زر سے بڑا مالکتا ہوں جو کسی خدمت اور محنت کے بغیر مل جاتے۔“

دروازے رکھائی سے کہا۔ ”پربھا کمرہ جی! اپنی راہ میں خود اپنے ہاتھ سے کاٹے نہ سمجھو ورنہ بہت سمجھنا ڈگے۔“

پربھا کمرے نے جواب دیا۔ ”دروازے کا تو ایک معمولی اور ادنیٰ انسان ہے تو ابھی تک مجھے نہیں سمجھا۔ جا اپنے مالک سے کہہ دے کہ نیرا یوم حساب آہنچا اور ننھ...۔“

دروازے نے کہا۔ ”بھائی پربھا کمرہ! آپ مالک سے اسی وقت مل لیں چل کمرہ نہ وہ خود بھاگے چلے آئیں گے اور یہاں پربھا مالک کا آجانا اچھی بات نہیں ہے۔“

پربھا کمرے نے پیشانی پر کڑی اور ذرا سختی سے کہا۔ ”بھگوان کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دے، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔“

دروازے نے اپنی زبان بند رکھی لیکن اب وہ کمرے کے دروازے کو بھی اندر سے بند کر چکا تھا اور بند کمرے میں دروازے کا بھی موجود تھا۔ جب اس کو پورے طرح یقین ہو گیا کہ پربھا کمرے کی قیمت پر مالی برائی کے پاس نہیں جائے گا تو وہ کمرے سے نکل گیا۔ پربھا کمرے کو اس کے چلے جانے سے بڑی خوشی ہوئی۔ کچھ دیر بعد پربھا کمرے کو اپنی اس غلطی کا احساس ہو گیا کہ وہ دروازے کے ساتھ مالی برائی کے پاس چلا کیوں نہیں گیا۔

جب وہ فراغت پا گیا تو کمرے سے نکل کر میدھا مالی برائی کے پاس پہنچا۔

مالی راؤ تلملایا ہوا تھا، پر بھاکر کو روکھنے ہی سوال کیا۔ "یہ تو واپس کب آیا؟"

پر بھاکر نے جواب دیا۔ "آج ہی، ابھی ابھی۔"

مالی راؤ نے ڈانٹا۔ "تو سیدھا میرے پاس کیوں نہیں آیا؟"

پر بھاکر نے جواب دیا۔ "اب جو آ گیا ہوں۔"

مالی راؤ اپنی جگہ سے اچھلا ادر پر بھاکر کو دھوکہ دے بولا۔ "آج میں تجھے سداپنے ہاتھ سے مرادوں گا۔"

دوا کا نے سفارش کی۔ "مالک! یہ بہت عقل مند انسان ہے اس سے ایسا سلوک نہ کریں۔"

پر بھاکر اپنی بے طرفی سے بے حد ناامنی تھا۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو مالی راؤ کے چنگل سے نکالا ادر غصے میں کہا۔ "مالی راؤ! یہ باتیں ایک حکمران کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔ میں نہیں جانتا کہ تیرا باپ کدھری راؤ اپنے بھائی سب سے کیسا ادر کون تھا، کیونکہ یہ تو نے جو کچھ کیا کسی اچھے خون کا ایسا گمراہا کہن تھا۔ مقدس خاتون اہلیا بائی کے خون سے بھی ایسی تیرے نہیں کی جاسکتی۔"

دوا کا نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "پر بھاکر جی! خاموش ہو جاؤ۔ مالک کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا۔"

مالی راؤ نے پھر سے ہوتے انداز میں کہا۔ "میرے لئے یہ بات قطعی ناقابلِ برداشت ہے کہ میرے چاکر اپنی مرضی استعمال کریں ادر اس میں کسی کی کوئی شخصیت نہیں۔ ہمارے جتنا علم ادر عقل رکھنے والا بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

پر بھاکر نے نرمی سے کہا۔ "مالی راؤ جی! میں یہاں کی چاکری نہیں کر سکتا۔"

سمجھ کو تو بس چھیٹی ہی دے دو۔

مالی راؤ نے کہا۔ "تجھ کو میں نے نہیں رکھا تھا سپھر میں چھٹی کس طرح دے دوں؟"

پر بھاکر نے جواب دیا۔ "جب تم نے مجھے رکھا نہیں تھا۔ تب پھر مجھے پھر یہ سختی کیوں؟ یہ حکومت کیسی؟"

مالی راؤ نے زح ہو کر کہا۔ "میں تجھ سے سخت نہیں کہنا چاہتا کیونکہ میں خالتو بھی نہیں رکھتا، اگر تو اپنی چاکری ادر عزت چاہتا ہے تو اپنے کام سے کام رکھ، میری خواہشوں کو نصیحتوں کی نگاہ نہ لگا۔"

پہر بھا کر لے ایک دم یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کم عقل اور پاگل سے الجھنا مناسب نہیں، جواب دیا: ”بہتر ہے، میں نصیحتیں نہیں کروں گا لیکن میں بھی آپ سے یہ بنتی کروں گا کہ آپ اپنے کسی ایسے معاملے میں مشورہ نہ لیجیے گا جس میں یہ اندیشہ موجود ہو کہ میں مشورہ آپ کی مرضی کے خلاف دوں گا۔“

مال راؤ خوش ہو گیا اور ایک دم جوش و خروش سے پہر بھا کر کوہیٹے لگا لیا۔ بولا: ”پہر بھا کر! اب میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ ٹو دھواتی ہے، تو کیا فتنے ہے اور ساتھ ہی دیر یا پتی بھی، کیونکہ اگر ٹو میرا کناہہ مانتا تو یہاں ہر وقت خطرہ میں گھیرا رہتا۔“

اس کے بعد مالی راؤ کے حکم پر نقص و موہنی کا انتظام کیا گیا۔ دوا کا اس کے کئے اور اٹھ رہا تھا کہ بھاگا بھاگا بھڑکھا ہوا مالی راؤ نے دوا کا حکم دیا کہ اس میں بروہت جی اور دیو واسیدوں کو بھی مدعو کیا جائے۔ پہر بھا کر خوب سمجھ رہا تھا کہ اس طرح مالی راؤ کہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پہر بھا کر اس سے قدر قدر دینا چاہتا تھا لیکن اس وقت ایک ایسے پاگل کے سامنے کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں لنگی تلوار تھی اور وہ تلوار کی نوک کو پہر بھا کر کے پیٹ پر رکھ کر کھڑے رہنے کا حکم دے رہا تھا۔

مالی راؤ نے اس تقریب پر شرب خوب خرچ کیا اہلیا بالی بہ جبر و کراہ یہ سب دیکھ رہی تھی اور خاموش تھی۔ اس نے دوا کا اداس جیسے دوسرے خدمت گاروں کی خوشامدیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور کانوں سے نہیں، یہ لوگ کم عقل مالی راؤ کو بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اہلیا بالی نے دوا کا کوٹلیچہ بلا کر سمجھایا کہ وہ مالی راؤ کے احکام کی تعمیل ذرا پس پیش سے کرے۔

لیکن دواہ کلنے ہاتھ جوڑ کر معذرت کر لی، بولا: ”راؤ جی! ہمارا راج غصے کے بہت تیز ہیں اگر میں نے ان کا حکم نہیں مانا یا پس پیش سے مانا تو وہ مجھ کو قتل کر دیں گے۔“

اہلیا بالی دواہ کلے مایوس ہو کر پہر بھا کر کے پاس پہنچی، اس وقت پہر بھا کر مالی راؤ کے آگے پیچھے پھر ہاتھ نہ چلنے لگنے والیاں آنے لگی تھیں، پہر بھا کر ان کے پیچھے کا انتظام کر رہا تھا لیکن مالی راؤ کا حکم یہی تھا کہ پہر بھا کر

کہیں جائے نہیں، اس کے سامنے با آس پاس ہی موجود ہے مگر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ پیر بھاکر کو اس کی ماں یاد کر رہی ہے تو مالی راؤ نے اسے چلے جانے کی اجازت دے دی اور یہ دھمکی بھی دے دی کہ اگر پیر بھاکر نے ماں جی سے شکایتی انداز میں کچھ کہا سنا تو اس کے برے نتائج نکلیں گے۔

اہلیا بائی پیر بھاکر کو تنہا میں لے گئی شکایتا کہنا۔ "پیر بھاکر جی! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میں تو کہیں بہت عقل مند سمجھتی تھی اور خیال تھا کہ تم! ائی راؤ کو علم و دانش بخشو گے نیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ تم خود مالی راؤ کے آگے پیچھے پھر رہے ہو!"

پیر بھاکر نے جواب دیا۔ "دائی جی! اگر آپ جراتہ مانیں تو میں عرض کروں کہ ماں راؤ کی فطرت کی خرابی میں قدر نہیں کر سکتا اور میں ہی کیا یہ شرابی کوئی بھی قدر نہیں کر سکتا!"

اہلیا بائی نے رنج و غم سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ فطرت کی خرابی سے تمہیں کیا مراد ہے؟"

پیر بھاکر نے جواب دیا۔ "مقدس خاتون! منو شاستر میں کہا گیا ہے کہ کم نسل شخص اخلاق میں یا لوانے باپ سے مشابہ ہوتا ہے یا اپنی ماں سے یا پھر دونوں سے۔ وہ اپنی جبلت اور فطرت کو چھپا نہیں سکتا!"

اہلیا بائی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "پیر بھاکر! تجھے کچھ بتہ ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟"

پیر بھاکر نے جواب دیا۔ "دائی جی! میں نے جو کچھ کہا ہے خوب سوچ سمجھ کر کہا ہے۔ ماں راؤ کی خرابی آپ کی طرف سے تو نہیں ہو سکتی۔ آپ مجھ کو قتل کروا دیجئے لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں آؤں گا کہ مالی راؤ کی خرابی اس کے باپ کی طرف سے ہوگی!"

اہلیا بائی نے کہا۔ "میں مجھ کو قتل نہیں کروں گی تو مالی راؤ کی اصلاح کرو۔ جہاں علم و دانش موجود ہوں وہاں کیا نہیں ہو سکتا اگر تو چاہے تو مالی راؤ بھلا مانس بن سکتا ہے!"

پیر بھاکر نے مر جھکا لیا۔ "دائی! فطرت نہیں بدل سکتی۔ بائی کو کتنا ہی کھولاؤ آخر کار ٹھنڈا ہو کر اپنی اصل فطرت میں آجائے گا۔ کتے کو بادشاہ بنا

دو پردہ جھٹے چبانام نہیں چھوڑے گا۔“

اہلیا بانی لا جواب ہو گئی بولی : ”مگر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ علم و دانش
جہالت کے آس پاس پھرے۔“

پربھا کمر نے جواب دیا : ”دیوی جی ! سونے، چاندی جیسی نرم و نازک اور
کمزور دھاتوں کی نو ہے جیسی طاقتور اور مضبوط چیز درہائی کرتی ہے۔ یہ تو مقتدرات
کی باتیں ہیں ان پر کسی کا کیا اختیار؟“

اہلیا بانی توجہ ہو گئی : ”پربھا کمر جی ! اپنی شاندار باتوں سے تم مالی راؤ کو کچھ نہ
کچھ بدل ضرور دو گے۔ خواہ یہ تبدیلی عارضی اور وقتی ہی کیوں نہ ہو بالکل پانی کی
طرح جس کو آگ سے گرم کیا جاسکتا ہے۔“

پربھا کمر نے جواب دیا : ”میں کوشش کروں گا اور اس کوشش میں میں
مارا بھی جاسکتا ہوں، کیونکہ اگر میرے علم اور دانش اس کی جہالت اور بد طبیعتی
کے مقابلے میں کم ہوتے، تو اس ٹھوڑی سی آگ کی طرح جو پانی کے بہت
بڑے ذخیرے کو گرم کرنے کی کوشش میں بجھ جاتے، میں اپنی زندگی سے ہاتھ
دھو بیٹھوں گا۔“

اہلیا بانی نے کہا : ”اچھا، تم اپنی کوشش جاری رکھو، میں نے پرمہمت
جی کو بھی سمجھا دیا ہے، وہ بھی مالی راؤ کے سدھارنے کی کوشش کریں گے۔
میں نے مالی راؤ کو اس کے داوا ملہا راؤ کے راج سنگھاسن پر بٹھا تو دیا ہے اب
اس کو اس گدڑی کا اہل ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش بھی کروں گی۔“

اہلیا بانی باتیں تو پربھا کمر سے کرتی تھی مگر اس کی نظر میں پارہ پارہ ہلو
کے کمرے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھی اور اس کمرے میں داخل
ہو گئی۔ وہاں ایک خدمت گار عورت ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی اہلیا بانی
نے اس کی گردن پکڑ لی : ”تو یہاں کیا کر رہی ہے ؟ ہمارا جی باتیں سن رہی تھی، نتیجہ
کو یہاں کس نے بھیجا تھا؟ مالی راؤ نے ؟“

عورت گڑبگڑنے لگی لیکن اس نے اقرار نہیں کیا کہ مالی راؤ کے لیے مخبری
کرتی ہے۔ اہلیا بانی نے اس کو دھکے دے کر نکال دیا اور بڑبڑانے لگی : ”یہی
مالی راؤ اب اپنی ماں کی نگرانی کر رہا ہے اپنی ماں پر جاسوس اور مخبر مقرر کر دیئے
ہیں۔ یہ ہمت ! لیکن میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔“

مالی راؤ مغلوں کی مدد پر جشن طرب منارہا تھا۔ ناچنے والیاں مالی راؤ کے قریب اپنے من کا مظاہرہ کر رہی تھیں، مالی راؤ کے داہنی طرف پرہکاکر اور بائیں طرف پرہت بیٹھا تھا۔ پرہت کے چیلے مالی راؤ کے بائیں طرف زمین پر آلتی پالتی مادے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے کیلے کے پتوں پر بھوجن رکھا تھا، پوری بھوری اوندھ سیریاں چیلوں کو نایح گلے سے زیادہ کھانے میں مزہ آور ہاسٹھا مالی راؤ کبھی کبھی گردن گھما کر بلا نوش چیلوں کو دیکھ کر مسکرا دیتا۔

مالی راؤ کے سٹکھاسن کے آگے چند دلوں داسیاں بھی بیٹھی تھیں، ان میں رجنی کانت بھی موجود تھی۔ پرہکاکر اس سے دُور تھا لیکن وہ اس محفل میں ذہنی طور پر سب سے زیادہ قریب رجنی کانت ہی سے تھا۔ وہ اس جشن میں رجنی کانت کی موجودگی سے ناخوش تھا لیکن اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ مال راؤ رجنی کانت کو حریصانہ نظروں سے دیکھ کر ناچنے والیوں کو دیکھنے لگتا۔ اس نے اچانک پرہت سے پوچھا۔ ”پرہت جی! کیا رجنی کانت کو نایح گانا آتا ہے؟“

پرہت جی نے ہنس کر جواب دیا۔ ”آتا ہے کیا معنی؟ خوب آتا ہے بشیو جی کی داسی اپنے ناتھ کو اپنے نایح گلے سے صبح شام خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی مدھراد سرتی آواز میں بھجن سننے والے کے انگ انگ میں اتر مباتا ہے۔ یہ بھی کچھ ایسی ڈوب کر ادھر لہرا لہرا کر ناگن کی طرح نایح اور بھجن کا مظاہرہ کرتی ہے کہ دیکھنے اور سننے والوں کا من قالیو میں نہیں رہتا۔“

مالی راؤ نے کہا۔ ”تب پھر پرہت جی! رجنی کانت کو نایح اور بھجن کا حکم دے گا کہ راج اور جسم ہیک وقت ایسے کیف و سرور سے لطف اندوز ہو جائیں جو دیوتاؤں کو میسر ہوتا ہے، محض دیوتاؤں کو۔“

پرہکاکر نے ان دونوں کی باتوں میں کئی بار رجنی کانت کا نام ڈٹا تو کان کھڑے ہوئے اور وہ مالی راؤ کی اجازت کے بغیر پرہت اور مالی راؤ کے قریب جا بیٹھا اور کہا۔ ”مہاراج! اس موقع پر میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں!“

مالی راؤ نے بے نیازی سے کہا۔ ”پرہکاکر جی! اس وقت اپنے گیان و دیاد اور جتہ ہی کو مجھ سے دُور ہی رکھو کیونکہ اگر یہ دلی بہ ملائے گی محفل ہے تو اس میں باتیں بھی اسی قسم کی ہونا چاہئیں اور اگر یہ بھجن اور کیرتن کی محفل ہے تو بھی یہاں دیوتاؤں اور ان کے کارناموں کی کتھا ہونا چاہیے۔“

پرمہا کر نے جواب دیا: ”مہاراج! میں راجا کی محفل میں راج فیٹی کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں مہاراج کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اپنے دیس میں جو کام شیوجی نے شروع کیا تھا، اب اس کو مہاراج مالی راج کے ہاتھوں پورا ہونا چاہیے۔ اپنے دیس پر عرصے سے مغل حکومت کمر ہے ہیں، اب مغل حکومت ختم ہونا چاہیے اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ مہاراج اپنے راج بھون کو رنگ بھومی (تفریح گاہ) بنانے دیں۔“

مالی راج کو ہنسی آگئی، مسکرا کر مذاق اڑانے کے انداز میں پرمہا سے پوچھا: ”پرمہا! پرمہا کر کی کیا کہہ رہے ہیں؟ اپنی سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں، اگر آپ کچھ سمجھیں ہوں تو مجھے بھی سمجھا دیں۔“

پرمہا نے جواب دیا: ”مہاراج! میں نے پرمہا کر جی کی باتوں پر دھیان نہیں دیا اس لئے کیا جواب دوں؟“

نیکن پرمہا کر باز نہیں آیا، بولا: ”مہاراج! میں آپ سے مخاطب ہوں، آپ کو بھگوان نے راج پاٹ دیا ہے، اس کی قدر کریں، اس کی حفاظت کریں اور اس کی قدر اور حفاظت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ عورتوں سے دور رہیں، ناچ گانے سے بچیں۔“

مالی راج نے منہ پھیر لیا بولا: ”میں نے ایک بار کہہ چودیا کہ آج اور اس وقت گیان اور دھیان کی باتیں نہیں ہوں گی۔“

پرمہا کر نے جواب دیا: ”نیکن میں یہ باتیں اس لئے کروں گا کہ مجھے بھگوان نے گیان، ودیا اور مدیتہ ہی اسی لئے دی ہیں کہ میں اس کی روشنی سے تاریکیاں دور کروں۔“

مالی راج نے جھڑک دیا: ”تو اپنی جگہ چھوڑ کر یہاں کہوں آگیا؟“

پرمہا کر کی ضد اور مالی راج کی جھڑکی نے رجنی کانت کو بھی ان دونوں کی طرف متوجہ کر دیا۔ وہ گردن موڑے بغیر ہی ان دونوں کی باتیں توجہ سے سنتی رہی۔ پرمہا کر کہہ رہا تھا: ”مہاراج! عروہا میں ایک لفظ ہے، ناراجس کا مطلب ہے اگنی۔ اپنی زبان میں ناراجس کو کہتے ہیں۔ ناراجی کا مطلب ہے آگ کی یا آگ والی مہاراج! ناراجی کو آگ والی ہی سمجھیں، جو بھی اس اگنی کو سینے سے لگائے گا جل جھن کر بھسم ہو جائے گا۔ مہاراج! راج، ویش، شش، یہاں تک کہ دیوتا بھی اس اگنی سے

نہیں بچ سکتے اس لئے ہیں مہاراج کو مشورہ دوں گا کہ مہاراج خود اور اپنے راج کو اس آگنی سے بچائیں۔“

رجنی کانت کو پرہیا کو کی باتوں سے ایک یا د پھر بڑا دکھ ہوا لیکن مالی راڈ نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا بولا۔ ”پرہیا کر جی! جب میں نے ایک بار یہ کہہ دیا ہے کہ مجھ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوگا تو بے کار بک بک سے کیا حاصل ہے؟“

پروہت نے بھی ناگوار سی سے کہا۔ ”پرہیا کر جی! جب مہاراج تمہاری کوئی بات سنا ہی نہیں چاہتے تو تم بلا وجہ کیوں بولے جا رہے ہو؟“

پرہیا کر کے سینے میں تو آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی راڈ پر لگا دی تھی، بولا۔ ”مہاراج! میں آپ کو کس طرح بتاؤں کہ ناری ایک بے اعتبار جنس ہے۔ منوں نے اپنے ہنسا ستر میں ناری کی بابت کہا ہے کہ ناری کیا پسند یہ چیزیں ہیں، بستر سے محبت، میٹھنے کی چوکی سے آنس، زیورہ کا شوق، آسودگی عفتہ، بڑائی کی طرف میلان، اذیت رسانی سے رغبت اور ضدی پن۔“

رجنی کانت نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور بڑے کرب سے بولی۔ ”بھگوان کسے لیے اس کی زبان بند کرو، میں اتنی زیادہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی!“

مالی راڈ نے پرہیا کر کو بھگانے کے بجائے اپنے پاس ہی بٹھالیا، بولا۔ ”پرہیا کر جی! تم میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ، کیونکہ میں خالی باتوں کا قائل نہیں۔ میں ناریوں کے سامنے بٹھا کر اور ان کے ناز و انداز دکھا کر تم سے پوچھوں گا کہ بونواب کیا کہتے ہو؟ پرہیا کر جی! جس کو ناری کہتے ہیں بڑے مزے کی چیز ہوتی ہے۔ اتنی مزے کی کہ اس سے زیادہ مزیدار چیز کا خیال تک نہیں کیا جا سکتا۔“

پرہیا کر بے بس ہو گیا، وہ رجنی کانت کو مالی راڈ کے سامنے ناچتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا، بولا۔ ”مہاراج! اگر میری باتوں میں اثر نہیں رہا اور وہ بے کار گیتیں تو مجھ کو اس رنگ بھومی سے چلے جانے کی اجازت دی جائے؟“

پروہت رجنی کانت کی پریشانی سے خود بھی پریشان ہو رہا تھا، بولا۔ ”مہاراج! پرہیا کر جی کو سوت روکو، چلا جانے دو، ورنہ رنگ میں بھنگ ہو جائے گا!“

مالی راق نے سختی سے کہا: ”میں نہیں پرہیزگار جی میں نہیں رہیں گے، میں ان کے گناہ، وقایہ اور بدھ کی کونیا سماں دکھانا چاہتا ہوں اور میں ان کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں گناہ، وقایہ اور بدھ کی علاوہ بھی کچھ ہے؛ اس کے بعد رجبی کانت کو حکم دیا: ”تو نے اپنے کان کیوں بند کر رکھے ہیں؟ انہیں کھول دے اور ہمیں اپنے سمجھن اور ناچ سے خوش کر۔“

رجبی کانت نے بڑے کرب سے کہا: ”مہاراج! پہلے اس دھواں کو نکالو اس محفل سے۔“

مالی براد نے تشریحی سے کہا: ”رحمنی کانت“ یہ نہیں جائے گا تو بھجن شروع کر۔“

بیر دھت جی بھی مالی راؤ کو سمجھ چکے تھے، بولے: ”رجنی کانت اٹو نادان کیوں بنتی ہے، مجھے کیا۔ مہما ماح جسے چاہیں، ٹھہا بیتیں اور جسے چاہیں بھگا دیں تو کسی کی طرف دیکھیے ہی کیوں۔ بھجن شروع کو اور اس کے بعد پارہتی کا نا زینا۔“
قص لاس شہ درع کمر دے“

رجنی کا منت بدرجہ مجبوری اٹھی اور بھجن شروع کر دیا۔ اس کی آواز میں سوز و دردوں شامل تھا۔ رجنی کا منت نے کسی آرداری کا بھجن شروع کیا۔ آرداری سے مراد ہر وہ شخص ہے جو بیشک کا درجہ اپنی علم رکھتا ہو اور اس کے دھیان میں فرق رہتا ہو۔ ہر مذہب جی نے بھجن کے لفظ کو سن کر ہی مالی راؤ نے کہا۔ ”مہاراج! ذرا غور سے سنا، شبیروں (لفظوں) کی آگنی میں جب آواز کا تیل پڑ جاتا ہے تو یہ آگ جیسی طرح بھرپک اٹھتی ہے اور یہ آگ سننے والوں کے کانوں سے ان کے دلوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مہاراج! ہوشیار!“

رحمٰنی کلمت جہنم کہہ لیجئے، حسنا، اے ہی متقی، بڑا سونڈہ منکر میں۔۔۔۔۔
 تُو دینی آواز میں۔

”میں نے پیریم کے دیے (رحمہ اللہ) میں اچھا (خواہش) کانٹیل ڈال دیا اور گدگد کی جی کو آگ دکھا دی۔
 دیا جلا گیا اس کی روشنی چادوں طرف پھیل گئی لیکن میں اور میرا وجود آہستہ آہستہ جلتا جا رہا ہے۔

شاید ده دن زیادہ دودھ نہیں جب میں نہیں، سیری براکھ

رہ جاتے گی۔

اڑتے ہوئے ہنسوں اور لگلوں سے مجھ پر ہاکی ماری نے
التجا کی

لچا جنت کے ساتھ ”اور پہلے پہنچنے والو! مجھ کو نہ بھول جانا
کیونکہ تم جب وہاں پہنچو گے تو کائن (کمرشن) کے پاس میرے
سن کو بھی موجود پاؤ گے۔

پھر بھی تم کائن سے پوچھنا تو سہی، کیا تم نے ابھی تک اس
کی خبر نہیں لی؟

اے کائن! سوچو تو سہی، ایسا کرنا، ایسی روش کہاں تک
مناسب ہے؟

رشی لوگ، اپنی صالح مشقت سے جب عرفان حاصل کر
لیتے ہیں تو

کہتے ہیں ”اس کا رنگ شاندار، جمال نام آور اور اس کی صورت
ایسی اور دلہنی ہے۔

مگر میں یقین دلاتی ہوں کہ رشیوں کی ساری جاں فشانی
میرے پر بھڑ (ماکس) کی عظمت کا اندازہ لگانے میں کامیاب
نہیں ہو سکی۔

رشیوں کا چہرہ عرفان ایک ٹوٹے پھوٹے بے تیل بے بتی چراغ
کے سوا کچھ بھی نہیں۔“

رجنی کانت کے اردو ہی بھجن نے پر بھاکر کو مست دے خود کو زیادہ جھوٹے
لگا مگر مالی راکھ پر اس کا اٹا اثر ہوا، بڑا سامنے بنا کر بولا۔ ”یہ کیسا اوٹ پٹا رنگ
بھجن شروء کر دیا۔ اس کے تو سر پر کا ہی پتہ نہیں چلتا۔“

پر بھاکر نے عرض کیا۔ ”مہاراج! آپ نے شاید دھیان نہیں دیا ورنہ
اس بھجن نے میرے دل میں آگ سی لگا دی ہے۔“

مالا راقے لینے ہم نشینوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔
”تیرے دل میں آگ بھجن سے نہیں، ناری کی آواز اور اس کے وجود سے
لگی ہوئی۔“

مالی راؤ کو ہنستے دیکھ کر ہم نشین، پروہت اور اس کے چیلے بھی ہنس دیے۔

مالی راؤ نے رجنی کانت سے کہا: ”رجنی کانت! مجھے تو تو کوئی ایسا بھجن سنا جس کے سمجھنے میں دل و دماغ کو مشقت نہ کرنا پڑے۔ میرے پاس پر بھاکر جیسا دفنی دماغ نہیں ہے۔“

لیکن رجنی کانت نے دوسرا بھجن سنانے سے انکار کر دیا۔

پروہت جی نے بات بگڑنے دیکھی تو نہایت نرمی اور ملامت سے کہا: ”رجنی کانت! اب تم پاربتی جی کا رقص لااں، دکھا دو، مانرینا نہ دلہرا نہ رقص۔“

پر بھاکر نے بھی سفارش کی: ”بیشک بیشک۔ بھجن سے لگاتی ہوتی۔ آگ پر پاربتی جی کے رقص دلہرا نہ کا تیل چھڑک دے تا کہ گھر میں جو کچھ جلنے سے بچا ہے وہ بھی جل جائے۔“

رجنی کانت چپ چاپ اٹھی اور پاربتی کا رقص لااں شروع کر دیا۔ ایسا لگتا تھا گویا پاربتی کے جملہ مانہ وانمانہ اور دل فریب ادا میں رجنی کانت میں جمع ہو گئی ہیں اور وہ ان سے ناراضی کے دل کو جیتنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ان اداؤں کا مالی راؤ اور پر بھاکر پر یکساں اثر ہو رہا تھا۔ پر بھاکر نے مالی راؤ کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا اور وہ نہایت اٹھماک اور توجہ سے رجنی کانت کو دیکھ رہا تھا۔ مالی راؤ بھی پر بھاکر کی محویت کو رشک و حسد سے محسوس کر رہا تھا۔ آخر ہم سب ہو کر پر بھاکر کو کھڑا کر دیا، بولا: ”پر بھاکر جی! تم اسی وقت اس محفل سے نکل جاؤ کیونکہ میں تمہاری اس دہرائی کو برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک طرف تو ناری کو گالیاں دو، پڑا بھلا کہو اور دوسری طرف اس کے جلوؤں میں یوں کھو جاؤ کہ راجیہ سمجھا کا رعب اور دبدبہ تک دل سے نکال دو۔“

پر بھاکر کی بے عزتی پر پروہت جی تو بس مسکرا کر رہ گئے مگر ان کے چیلوں نے مالی راؤ کی پروا کیتے بغیر زور نہ در سے ہنسا شروع کر دیا۔

پر بھاکر نے مالی راؤ کی آنکھوں میں دھشت اور درد نہنگی محسوس کی اور اسی میں بہتری جانی کہ مالی راؤ کی نظروں سے دھڑ ہو جائے خطرے کے پیش نظر جائے جاتے کہا: ”مہالاج! آپ کا حکم سرائے کھوں پر لیکن ایک بات

میری بھی یاد رکھنا۔ میں پرہیزگار مادہ جات خاندان کا ایک شخص، کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ میں ایک غیر معمولی شخص ہوں۔ فوق الفہم، مانوق الفطرت شخص اگر میں نکل بھی کر دیا جاذبِ تلب بھی میں غیر معمولی ہی رہوں گا۔“
 مالی راؤ نے غصے میں کپکپاتے ہوئے کہا۔ ”ارے سے کوئی ہے جو اس غیر معمولی شخص کو معمولی دھکے دے کر نکال باہر کرے؟“
 کئی خدمت گار آگے بڑھے اور پرہیزگار کو ماسے دھکے دیتے محفل سے نکال لے گئے۔

پرہیزگار کے نکال دیے جانے کے بعد مالی راؤ نے رجنی کانت کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس نے پرہیزگار کی طرف دیکھا۔ پرہیزگار نے کہا۔ ”کوئی ستمگر نہیں رجنی کانت! سمجھو کہ تو مہاراج کی راؤ میں کسی ادوار کا روپ نظر آتا ہے، با، ادوار کے رنگ بیچھ جائے۔“

سمجھائی دوسری ناچنے لگانے والیاں رجنی کانت کو رشک و حسد سے دیکھ رہی تھیں۔ رجنی کانت سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

مالی راؤ پرہیزگار اور رجنی کانت کے ساتھ ملحقہ کمرے میں چلا گیا، اس نے رجنی کانت کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ مالی راؤ کی حریفانہ نظریں رجنی کانت کے ایک لب عضو کا جائزہ لے رہی تھیں۔ رجنی کانت کے بازو، بازو بند سے کسے ہوئے تھے۔

ملاہمی کا پلو سرے ڈھلک کر شانے پر گر گیا تھا، جوڑا اٹھلا ہوا تھا اور بڑی بڑی سیاہ زلفیں پٹنے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ رجنی کانت مالی راؤ سے نظریں نہیں ملا رہی تھی کیونکہ ان نظروں میں جو سیاہ تھی رجنی کانت اس کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ شفاف پیشانی اور اس کے نیچے باریک ہلالی بھنوں لمبی لمبی پلک کے حصار میں گھری ہوئی بادام جیسی بڑنی بڑھی خمار آگیاں آنکھیں، بازو مخدراں کی حامل ٹھوڑی اور ٹھوڑی کے نیچے خوبصورت گردن، مالی راؤ اس شبابی سحر و کیف میں کھو گیا۔ اگر پرہیزگار موجود نہ ہوتا تو مالی راؤ کم و احتیاط سے گر جاتا۔

پرہیزگار نے عرض کیا۔ ”مہاراج! ایک برہمن کی حیثیت سے میں کوئی کاروبار تو کر نہیں سکتا کیونکہ کاروبار میں جھوٹ اور مکر و فریب سے

بھی کام لینا پڑتا ہے مگر میں کامیاب نہ کرنا ضرور چاہتا ہوں، میں کسی اور کے قدمال میں اپنا مال شامل کر کے اس کے کاروبار میں حصے دار بن جانا چاہتا ہوں، اس طرح میں خود کاروباری جھگڑے اور کمزور فریب سے بچ سکوں گا۔

مالی رادہ پردہت کی باتیں غور سے نہیں سن رہا تھا۔ پوچھا: ”میں آپ کے لئے کیا کروں؟ بس آپ یہ بتادیں؟“
پردہت نے جواب دیا: ”بس مجھے کراتنا زرد مال مل جائے کہ مسبر کاروبار کر سکوں۔“

مالی رادہ نے کہا: ”وہ آپ کو مل جائے گا، آپ فکر نہ کریں؟“
پردہت نے دوسری درخواست بھی پیش کر دی: ”اور مہاراجا مندر اور اس کی متعلقہ عمارتوں کی مرمت اور اضافوں کے لیے بھی کچھ درکار ہے اس کا بھی حکم ہو جائے؟“

مالی رادہ نے جواب دیا: ”وہ بھی ہو جائے گا۔“
پردہت نے ایک اور درخواست پیش کی: ”اور جنگ چیلوں اور دیواریں کے غریب کے لیے بھی۔۔۔۔۔۔“

مالی رادہ نے بات کاٹ دی: ”آپ جو کچھ بھی چاہتے ہیں سب ہو جائے گا مگر آپ کو ایک کام میرا بھی کرنا ہوگا۔“

چانک پردہت کام کی نوعیت سے اچھی طرح واقف تھا، پھر بھی معصومیت سے سوال کیا: ”کون سا کام؟ اور شاد، آپ کا کام ضرور ہوگا۔ اگر اس کام کا تعلق میری ذات سے ہوگا؟“

مالی رادہ پردہت کو ایک کونے میں لے گیا اور سرگوشی میں کہا: ”پردہت جی! آپ رجنی کانت کو رات بھر کے لئے میرے پاس چھوڑ دیں۔۔۔۔۔۔“
پردہت نے پوری بات سننے بغیر ہی میں گھر دن بلانا شروع کر دی۔
”نہیں جی ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ ہمارا جی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

مالی رادہ نے جواب دیا: ”پردہت جی! میں نے جو کچھ کہا ہے، خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔“

پرم دہت نے دُور ہی سے ایک نظر رجنی کانت پر ڈالی اور کہا ”مہاراج! ہو چو تو سہی، اگر رجنی کانت پوری رات آپ کے پاس رہ گئی تو اس کا آپ پر مجھ پر اور رجنی کانت پر اثر کیا پڑے گا؟ یہ خبر چھپی نہیں رہے گی۔ بہت جلد شہر ہو جائے گی اور میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اتنی رقت ہم تینوں کسی کو شکل تک نہیں دکھا سکیں گے۔“

مالی راج نے لجاجت سے درخواست کی۔ ”پرم دہت جی! بالوس نہ کرو۔ اس وقت میں باتیں تو آپ سے کر رہا ہوں مگر میرا پورا دھیان رجنی کانت کی طرف ہے۔ اے کاش میں رجنی کانت کی سانسوں کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کر سکتا اے کاش! میں اس کے بالوں کی سیاہ لٹیں اپنی چہرے پر بکھیر سکتا۔ اے کاش اے کاش!“

پرم دہت نے سرگوشی میں جواب دیا۔ ”مہاراج! تم ابھی اناڑی ہو، یہ بات اس طرح نہیں ہوتی جس طرح تم چاہتے ہو، تم ایک رجنی کانت کو مانگ رہے ہو جبکہ بیسیوں رجنی کانتا ہیں تمہیں مل سکتی ہیں۔ رجنی کانت راج بھون میں نہیں آتے گی بلکہ مہاراج کو رجنی کانت کی خاطر ہمارے آئٹم میں آنا پڑے گا اس طرح ستم دونوں کی ملاقات پرم پمدہ بھی پڑا رہے گا۔“

مالی راج نے مزید لہجے میں کہا۔ ”مجھ کو آئٹم آنا پڑے گا یا تو کیا مجھ کو لوگ آئٹم میں نہیں دیکھیں گے؟“

پرم دہت جی نے جواب دیا۔ ”مہاراج! آئٹم میں راج دربار جیسی بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی اور وہاں جو بھی ہوتا ہے اس پر میرا حکم چلتا ہے اس لیے آئٹم کی بات آئٹم سے باہر نہیں نکل سکتی، وہ بڑی محفوظ جگہ ہے ایک بار آکر دیکھ لو۔“

مالی راج پرم دہت کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔ آہستہ سے بولا۔ ”پرم دہت جی! سپر جیسا تم کہتے ہو دلپا ہی کروں گا لیکن اس وقت اتنا تو موقع دے سکتے ہو کہ میں رجنی کانت سے چند باتیں ہی کر لوں۔“

پرم دہت نے جواب دیا۔ ”بس کچھ دیر کے لئے ادھر ادھر ہوا جانا ہوں، تم رجنی کانت سے باتیں کرو مگر خبردار جو باتوں سے زیادہ کچھ کیا۔“

پروہنت اور مالی راز ایک ساتھ رجنی کانت کے پاس چلے گئے۔ پروہنت نے دونوں سے کہا: ”اچھا مہاراج! میں ابھی آتا ہوں فدا باہر نکل کر ناچ سمجھا کا رنگ تو دیکھ لوں، ابھی آتا ہوں۔“

رجنی کانت کھڑی ہوگئی بولی: ”پھر میں بھی چلتی ہوں پروہنت جی! آپ کے ساتھ۔ میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں گی؟“

پروہنت جی نے کہا: ”لڑکی! تو یہیں ٹک۔ مہاراج! تیرے بھین کے بارے میں کچھ باتیں کرنے والے ہیں، میں خود بھی ابھی واپس آتا ہوں۔“

پروہنت کے جاتے ہی مالی راز رجنی کانت کے پاس بیٹھ گیا۔ بولا: ”رجنی کانت! جب تک میں نے تجھ کو نہیں دیکھا تھا۔ بھگوان کی کار بگری کا قائل نہیں تھا۔“

رجنی کانت ایک طرف کھسک گئی۔ بولی: ”سمجھ رہا تو قائل ہو گئے آپ؟“

مالی راز نے والہانہ جواب دیا: ”قاتل ہونا کیا معنی میں بھگوان کی داسی کا داس ہو گیا ہوں؟“

یہ کہتے کہتے مالی راز نے رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا خیال تھا۔ رجنی کانت ہاتھ کھینچ لے گی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ مالی راز کا حوصلہ بڑھا اس نے دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور انہیں دبائے ہوئے کہا: ”اس لمبے مجھے نیچے ایسا لگ رہا ہے گویا میں نے پارٹی کے ہاتھ پکڑ لیے ہیں۔ ان ہاتھوں میں تقدیر ہے، پاکی ہے، تسکین و طمانیت ہے۔“

رجنی کانت نے شکایت نہ کیا۔ ”لیکن مجھ کو اس بات کا رنج ہے کہ آپ نے ہر بچا کر اپنی سہا سے ذلیل کر کے نکال دیا۔ حالانکہ وہ دیتا پاتی اور ودھوان دگیا نی ہے۔ اگر آپ کو بھگوان کا دنیا بھی خیال ہو تا تو ہر بچا کرست ایسا سلوک نہ کرتے۔“

مالی راز نے چونک کر بڑے غور سے رجنی کانت کو دیکھا اور کہا: ”اگر مجھ کو یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی کہ تم ہر بچا کر کی عزت کرتی ہو تو میں اس کو اپنی سہا سے ہرگز نہ نکالتا حالانکہ وہ ہم سب کے سامنے بلکہ تیرے بھی سامنے عورتوں کو ذلیل کر رہا تھا۔“

رجنی کانت نے کہا: "میں پرہیزگار کی نہیں اس کے گیان اور دیر باکی عزت کمری ہوں۔"

مالی راجہ: "رجح ہو کر بولا: یہ رنگین اور مزے دار سسے میں پرہیزگار کا ذکر کیا لے بیٹھی اور رجنی کانت پہنچی بات تو یہ ہے کہ میں نہ تو گیانی ہوں اور نہ ہی دیر یا پتی اس لیے میں گیان اور دیر یا کی پڑی بڑی اور گہری باتیں سننا بھی نہیں چاہتا۔ میں تو مزے اُڑانے اور عیش کمرے کا قائل ہوں، اس دنیا میں اگر کسی انسان کو دولت، اختیارات اور حکومت مل گئی ہو اور وہ خود کو ان چیزوں سے الگ محفل رکھ کر خشک اور بے کیف زندگی گزارے اور عیش نہ کرے تو وہ شخص میری نظر میں احمق اور پاگل ہو گا۔"

رجنی کانت نے اچانک اپنے ہاتھ کھینچ لیے اور بولی: "تو گریا آپ اپنے اقتدار، اختیار اور دولت سے عیش کمرے کا منصوبہ بنا چکے ہیں مگر میں اس پر عمل درآمد نہیں ہونے دوں گی۔"

لیکن دوسرے ہی لمحے، جیسے ہی رجنی کانت کا مکالمہ ختم ہوا مالی راجہ اسے زبردستی اپنی طرف کھینچ لیا۔

پروہت بھی اندر داخل ہو گئے اور دوسری سے مشورہ کرنا شروع کر دیا: "مہاراج! یہ تو تم دعوہ خلافی کمرے ہے ہو۔ رجنی کانت کمر چھوڑ کر ذرا یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ میں نے سنا ہے آپ کی ماتا جی تشریف لارہی ہیں، اگر وہ یہاں آئیں گی تو قیامت اٹھ کھڑی ہو گی۔"

مالی راجہ دہانہ سے اٹھ کر چلا گیا۔ اب اس کمرے میں رجنی کانت تھی اور پروہت تھا۔

رجنی کانت نے کہا: "پروہت جی! میری مشکل حل کر دو، یہ مہاراج مالی راجہ کو بڑے نزدیک سے معلوم ہوتے ہیں۔"

پروہت جی نے ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کے لیے کہا: "مگروشی میں کہا: "رجنی کانت! مہاراج کی ماتا جی اسی طرف آ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہیں اور جا رہی ہوں اور مجھ کو محض شبہ ہوا ہو۔"

رجنی کانت نے جواب دیا: "نہیں! پروہت جی! ایسی کوئی بات نہیں"

ہمت نہ ہارو، جھگڑانے چاہا تو کچھ بھی نہ ہو گا۔

لیکن اسی وقت ان کے کمرے میں اہلیا بانی داخل ہو گئی۔ اس ہاتھوں میں چند کاغذات تھے، اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔ ”ہمد ہمت مالی راڈ کہاں چلا گیا؟“

ہمد ہمت جی نے جھوٹ بول دیا۔ ”دیوی جی! مالی راڈ جی نے کہ ہم دونوں یہاں بیٹھیں، کھنڈی دیر میں جب وہ واپس آجائیں تو۔۔۔ تو۔۔۔“

اہلیا بانی نے غصے میں کہا۔ ”تم ہمد ہمت ہوتے ہوئے بھی کادہ ہد کی باتیں کرو۔ اس کے علاوہ تم نے میرے بیٹے کو راہ راست پر لے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن تودہ ہر دن سے کچھ زیادہ ہی بگڑا ہوا تھا، آخر کیا کیوں؟“

ہمد ہمت جی نے جواب دیا۔ ”دیوی جی! آپ کا کام ایک دن کا نہیں ہے، نئے مہاراج مالی راڈ جی کو اپنے آشرم میں آنے کی دعوت دے دی ہے بس وہ آکر اسی سے سمجھا سکیں گا۔“

اہلیا بانی رنجی کانت کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی، پوچھا۔ ”تو یہاں رہی ہے؟“

رنجی کانت نے ادب اور سلیقے سے جواب دیا۔ ”دیوی جی! میں یہاں کروں گی، ذرا سمنانے کے لئے یہاں آگئی تھی کیونکہ ناچ سے آومی بہرہ زیادہ تھک جاتا ہے۔“

اہلیا بانی نے گویا دونوں ہی سے کہا۔ ”بہر حال میں یہ بھی ناپسند کرتی کہ مالی راڈ کے اہل و عجب میں نہیں شمار کیے جاتیں گے اور میں بھی اس نم سے مالی راڈ کی ناپت سمجھاؤں آگیا تھا کہ دھرم کے کاموں میں ہمارا ج مالی کا ہاتھ بٹایا جاتے۔“

اہلیا بانی نے جاتے جاتے کہا۔ ”میں جا رہی ہوں اور اس دن انتظام کروں گی۔ جب تم لوگ مالی راڈ کو آومی بنانے کی کوشش کرو گے کا حیا ہو جاؤ گے۔“

ہمد ہمت جی نے پوری بات ہی نہیں سنی کھلے ہوتے دروازے طرف بڑھے اور کہا۔ ”کوشش کرنا ہمارا کام ہے اور کامیابی یا ناکامی ہمارے اختیار

میں نہیں، بھگوان کی مرضی کے بغیر تو پتا بھی نہیں ہلتا۔
اہلیا بانی کے لئے اُبعد ہی پر وہیت بھی چلا گیا۔

★

★

★

پرم بھاکر کو دوسرے دن مالی داد نے پھر طلب کیا اور منہایت نرمی سے
پیش آیا۔ لیکن پرم بھاکر کو یہ ملاں تھا کہ اس کو رجنی کانت کے سامنے ذلیل کیا گیا۔
پرم بھاکر مالی داد کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ مالی داد نے، پرم بھاکر سے پوچھا: "بھگوان
نے تجھ کو بڑی عقل دی ہے اور علم بھی دافر لائے، پھر تو ہر چیز میں کیڑے کیوں
نکالتا رہتا ہے اور خاص کر عورتوں میں؟"

پرم بھاکر نے جواب دیا: "مہاراج آپ نے مجھے اس عورت کے سامنے ذلیل
کر دیا جو فطرتاً خود ذلیل اور پست ہوتی ہے۔"
مالی داد نے ایک آنکھ دبا کر مسکرائے ہوتے پوچھا: "رجنی کانت کی بابت
تیری کیا رائے ہے؟"

پرم بھاکر نے جواب دیا: "جب میں عورت کی بات کرتا ہوں تو اس میں ہر
عصمت شامل ہوتی ہے، رجنی کانت بھی۔"

مالی داد نے کہا: "لیکن پرم بھاکر رجنی کانت و دوسری عورتوں سے مختلف
ہے۔ اس میں وہ باتیں نہیں ملتیں جو دوسری عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔"

پرم بھاکر نے جواب دیا: "یہ ناممکن ہے مہاراج! کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ
لوہری ہو مگر عیناً ہی ادب چالاکی سے محروم، گاتے ہو مگر شیر جیسی بہادری، جینا ہو
مگر کچھوے جیسا مست رو، آگ ہو مگر برف کی طرح سرد، برف ہو مگر آگ
کی طرح گرم اور دیکھتی ہوئی جس کی تحریر ہے وہ اس میں اسی طرح موجود
رہے گی جس طرح نورہ میں شعاعیں، کمریں۔"

مالی داد نے کہا: "پرم بھاکر رجنی کانت کچھ بھی کہو میرے دل سے تو رجنی کانت
میں نہ لگتی ریشمی کی موگندہ، اگر وہ داسی نہ ہوتی تو آج میرے پہلو میں ہوتی۔ تم
یقین کرو، وہ ایسی مومنی اور سوسنی ہے کہ اس کی مورتی ولی میں سج بس گئی ہے۔
میں کہیں بھی نہ ہوں، کہیں بھی جاؤں وہ میری نظروں میں سمائی رہتی ہے۔"
پرم بھاکر کے دل پر آسے چل رہے تھے۔ حصار رقابت کی آگ اس

کو جلاتے دے رہی تھی۔ اس نے بھر پور کوشش کی کہ وہ مالی راڈ کو عورت کی طرف سے بدظن کر دے۔ بولا "مہاراج! پرالوں کی سوچ اور گیان پر مشتبہ کرنا اگیاں میں داخل ہے۔ انہوں نے عورت کے درجے کا جو تعین کر دیا ہے وہ کافی ہے منوجی نے اپنے شاستریں لکھا ہے کہ عورتوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے جن ان کی پرورش کریں اور ہر روز خانہ داری کے کام میں مشغول رہیں۔"

مالی راڈ نے کہا۔ "میں خود بھی عورت کو اس سے زیادہ درجہ دینے کو تیار نہیں۔ یہاں تک کہ میری ماں اہلیا بائی بھی جو کہ عورت ہے اس لئے میں اپنے معزز میں اس کی بات بھی ماننے کو تیار نہیں حالانکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے راج دربار کے بڑے بڑے گیارے اور دروہوں یہاں تک کہ پر دہت پتھر تک عورت کی بات مان رہے ہیں اور اس کے اشاروں پر ناپ رہے ہیں۔"

پھر بھاکر پالوں میں چھپے ہوئے طنز اور اشارے سے سمجھ رہا تھا، بولا "میں جس عورت کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ماں نہیں عورت ہے آپ کو راجی کانت اور اس جیسی دوسری عورتوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔"

مالی راڈ نے لاپرواہی سے خیر طرک دیا۔ "میری ماں کو معلوم نہیں منوجی پر کیا نظر آگیا تھا جو مجھ پر مسلط کر دیا۔ جا، دفع ہو جا، اپنا کام کر اور میرے معاملہ میں دخل نہ دے۔"

پھر تالی بجائی تو دروازہ کا حاضر ہو گیا۔ مالی راڈ نے کہا۔ "دوار کا! پر دہت جی کو خبر کر دے کہ آج شام میں شیدو جی کے چہرے میں حاضری دوں گا۔"

پھر بھاکر نے جانے جاتے کہا۔ "مہاراج! میں ملہار راڈ کے راج سنگھاسن کو ہر باد نہیں ہونے دوں گا۔ میں اپنی ذمہ داریاں پوری کر دوں گا۔"

دوار کا نے باہر نکلتے ہوئے پھر بھاکر سے سرگوشی میں کہا۔ "نوجوان بھاٹ! اپنے بیٹوں کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے، سیدھی طرح چاکری کر دے نہ خواہ مخواہ مارا جائے گا۔"

پھر بھاکر باہر نکلا تو سیدھا اہلیا بائی کے پاس پہنچا اور مالی راڈ کی شکایتیں کرتا رہا۔ اہلیا بائی بڑے نکل سے سنٹی رہی بولی۔ "پھر بھاکر جی! اگر پہلے مجھے اندازہ ہوتا کہ مالی راڈ ایسا ہے تو میں اس کے لئے کوئی کوشش نہ کرتی۔"

پھر بھاکر نے بڑی دل سمیزی سے کہا۔ "کھگوان کے لئے مہاراج کو روکئے"

درہ اس کوشش میں میں مارا جاؤں گا۔“

اہلیا باقی نے افسوس سے جواب دیا۔ ”پر بھاکر جی! میں مجبور ہوں، تم بھی سوچ سمجھ کے آم کر دو، میں اس کا حل تلاش کر رہی ہوں۔ مالی راز سے جھگڑو نہیں کیونکہ اس کے لئے تم دو دست بن کر نکو کچھ کر سکتے ہو مگر دشمنی کر کے کچھ بھی نہیں کر سکتے، تم دھواں ہو، گیان سے کام لے، جھگڑانے چاہا تو حالات بہر جلد قابو پا لو گے۔“

لیکن پر بھاکر کے گیان اور برہمی پر نور جنی کانت نے قبضہ جمار کھا تھا، اگر چہ میں رجی کانت نہ آگئی ہوتی اور مالی راز رجی کانت پر رائل نہ ہو گیا ہوتا تو پر بھاکر مالی راز کے ذہن کو بدل دینے میں باسانی کامیاب ہو جاتا۔ اس کو یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ پردہ بہت اور مالی راز میں کوئی معاملت ہو چکی ہے درہ وہ شیوجی کے چہرہوں میں حاضری نہ دیتا۔ وہ کچھ دیر تک کسی کو کچھ بتائے بغیر راج بھون سے نکلا اور پردہ بہت جگہ کے پاس چل دیا۔

راستے میں اس کا باپ مل گیا۔ وہ خاص طور پر پر بھاکر کے آگے آئے بلنے کام سے کام نہ کھو، سیاست میں نہ پڑا، اپنے گیان اور برہمی کو دولت کمانے میں صرف کر دیا اور ویسی ہی باتیں کر دے جیسی مالی راز سنانا چاہتا ہے۔“

لیکن پر بھاکر باپ سے بھی ناراض ہو گیا، بولا۔ ”بتا جی! آپ تو مار دھاٹ کے معزز انسان ہیں، اور آپ کو شر کے مقابلے میں خیر بنا کر پیدا کیا گیا تھا۔ پھر آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟“

باپ نے جواب دیا۔ ”پر بھاکر! گو شر کا مقابلہ اس صورت میں تو کر سکتا ہے کہ تو زندہ رہے لیکن اگر تو مار دیا جائے تو پھر شر کا مقابلہ کون کرے گا؟ میں چاہتا ہوں کہ تو زندہ رہے اور مالی راز کے شر کو بھی پھیل دے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تو کم عقل راجا کی ہاں میں ہاں ملا اور اپنی برہمی اور گیان کی چوڑییں لگا کر راجا کی جہالت کی دھار کو کتہہ کر دے۔ تو پہلے راجا کی خوشامد کر پھر خوشامد کر دے۔“

پر بھاکر نے تلخی سے کہا۔ ”لیکن میں یہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے پرائیوٹ کے افکار میں پرہیز ہے کہ جب کسی راجا کے دیدار، گرفتار، مدد، دیوان اس کی خوشامد کرنے لگیں تو راجا کو اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔ میں راجا کا خوشامد

دشمن نہیں بن سکتا۔

باپ نے طیش میں کہا۔ ”پرہیہا کر! تب پھر تو بھی ہمارا فیصلہ سن لے۔
ہیں، تیری ماں اور بھائی بہن نے بل جل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ تجھ کو راج دربار پر
بھیج کر دولت کافی ملے لیکن تو بڑا جا کے پاس پہنچ کر بھی وہی کام نہیں کر رہا
ہے جس کی تجھ سے امید کی جا رہی تھی اس لئے اب میں نے پورے گھر کی
تائید سے یہ فیصلہ کر لیا کہ مہاراج مالی راج کے دربار میں پہنچ جاؤں
اور تیری جگہ لے کر دولت کے دھارے کا رخ اپنے گھر اور کنبے کی
طرف کر دوں۔“

پرہیہا کر نے جواب دیا۔ ”پپ جو چاہے کریں لیکن جب تک میں وہاں
موجود ہوں، اسی طرح کام کرتا رہوں گا۔“
باپ نے جدا ہونے ہوئے کہا! گھر میں تنگی ہے، نہ وہاں بھیج ورنہ وہ
دن بعد میں خود بھی آ رہا ہوں۔“

لیکن پرہیہا کر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، وہ باپ کی دھمکی کی پرواہ کئے بغیر
پر دہشت جی کے پاس پہنچ گیا۔ پر دہشت جی اس وقت سوئے ہوئے تھے پرہیہا کر
کی ذلت کا تمنا جان لوگوں نے دیکھا تھا وہ یہاں بھی سوچ رہے تھے، اس کو دیکھ کر
مسکرائے لگے لیکن پرہیہا کر کے علم و دانش کے سبھی قائل تھے۔ جس نے والوں میں سے
کسی نے جتنی کانت تو پرہیہا کر کی آمد سے مطلع کر دیا۔ رجنی کانت ایک بار پرہیہا کر
سے ملاض ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی کوٹھری کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور چادر
ادھ کر پڑ رہی۔

پرہیہا کر مندر کی اندرونی حدود میں ادھر ادھر پھرتا رہا اس کا خیال
نہ تھا، اس کی آمد کی خبر سن کر رجنی کانت اس کے پاس ضرور آجائے گی لیکن وہ نہیں
آئی۔ پرہیہا کر شیوہ جی کے ٹائٹل و ناپچ والی مودنی کے سامنے جا کھڑا ہوا اور پچھتم
شیوہ جی سے بنتی کرنے لگا کہ اس معرکہ خیز رات میں اس کو جیت کی توفیق ادا
ہست عطا کی جاتے۔ وہ بھڑائی ہوئی آواز میں شیوہ جی سے کہہ رہا تھا کہ مالی راج
جیسے ناول اندر ساہل سے حکومت چھین کر کسی گیانی سوسہ کو دے دی جائے۔

وہ شیوہ جی کی مودنی پر نظروں جماتے گڑ گڑانے میں مشغول تھا کہ اسے ایک
اس درجہ لگاؤ پر شیوہ جی کی آنکھوں میں غیر معمولی ہلک پیدا ہو گئی ہے اور وہ

جلدی جلدی پلکیں جھپک رہی ہیں وہ دہل گیا اور دل زور سے دھڑکنے لگا۔
رونگے کھڑے ہو گئے۔

کچھ دیر بعد وہ بو جھل قدموں سے باہر نکلا اور پھر یکا یک جڑ میں جا بیٹھا۔
یہ وہی جگہ تھی جہاں ایک بار وہ رحمنی کانت کے ساتھ بیٹھ چکا تھا، نہ میں پرگ بریوں
کا فرش سمجھا ہوا تھا۔ پاؤں تلے کچلی ہوئی گریاں پکٹی ہوئی پڑ سی تھیں۔ یکمریا کی جڑ
میں وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ وہ معلوم نہیں کیا سوچ رہا تھا اور سخت الشعور میں یہی
بیٹھا تھا کہ اس کی آہ کی خبر پا کر رحمنی کانت وہاں ضرور آجائے گی لیکن وہ بڑی
دیر تک نہیں آئی کافی دیر بعد اس کو اپنے سمجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو
وہ رحمنی کانت کے خیال میں فوراً ہی گھوم گیا۔ وہاں ایک دوسری ہی داسی کھڑی
مسکرا رہی تھی، سالوئی رنگت اور متوازن اعضاء میں سنگین حسن کا پیکر۔ اس نے مسکرا
کر پوچھا: ”کہا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تو عورتوں کی خدمت کیوں کیا کرتا ہے؟“
اس نے جواب دیا: ”عورتوں کی خدمت میں کہاں کمنا ہوں، یہ تو بالائیوں
کے افکار ہیں جنہیں میں ڈھراپا کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض منوجی نے اپنی شاستر
میں لکھ دیتے ہیں بعض پنج تنتر کے ہیں اور بعض کا تعلق ہنر پرورش سے ہوتا ہے۔“
داسی نے کہا: ”وہ کسی کی سوچ ہو ہم تو عورتوں کی ساری برائیاں بس تیری
زبان سے سنتے رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حادی داسیاں، سانی ناریاں
تجھ سے ناراض ہو گئی ہیں۔“

پھر بھاکر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: ”کیا ان ناراض ہونے والی داسیوں
اور ناریوں میں رحمنی کانت بھی شامل ہے؟“

داسی نے جواب دیا: ”ہاں وہ بھی ناراض ہے۔ ظاہر سب سے زیادہ
ناراض ہے۔“

پھر بھاکر نے پوچھا: ”لیکن وہ ہے کہاں؟ وہ یہاں کہیں نظر کیوں نہیں
آ رہی ہے؟“

داسی نے جواب دیا: ”اس کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ تو آیا ہوا ہے وہ اپنی
کوٹھری میں لیٹ گئی اور منہ کو چادر میں چھپا لیا۔“
پھر بھاکر نے کہا: ”دیوی جی! تم مجھے اس کو ٹھہری تک پہنچا دو، میں اس کی
غلام نمیاں دے کر کنا چاہتا ہوں۔“

داسی نے انکار کیا۔ ”نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ سنجہ سے میرا بہن
جی بھی ناراض ہیں۔“

پرمبھا کر نے گزارش کی۔ ”اچھا تب پھر تم رجنی کانت کی کوٹھری دکھاؤ
دیکھا دو۔ میں خود ہی مل لوں گا اس سے جا کر۔“

داسی اس کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئی اور رجنی کانت کی کوٹھری کو اشارہ
سے بتا کر غائب ہو گئی۔

پرمبھا کر اس کے دروازے کی چھری سے اندر بھاگنے لگا۔ اس نے کہ
کو چادر میں سویا ہوا دیکھا اندر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے رجنی کانت نے معنو
آواز میں پوچھا۔ ”کیون؟“

پرمبھا کر نے کہا۔ ”رجنی کانت! میں ہوں پرمبھا کر دروازہ کھولو۔“
رجنی کانت نے جلے کپے لہجے میں کہا۔ ”تو بھاگ جا یہاں سے چلا جا۔ یہ
سنجہ سے نہیں ملیں گی۔ تو ہمیں گالیاں کیوں دیتا ہے؟“

پرمبھا کر نے عاجزی سے کہا۔ ”میں گالیاں نہیں دیتا رجنی کانت! تم غلط
فہمی کا شکار ہو گئی ہو اور کچھ نہیں درنہ یہ صورتحال نہ ہوئی۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”لیکن میں ملنا ہی نہیں چاہتی۔ تم نے میرے دل
پر ہڑ سے گھاؤ لگاتے ہو پرمبھا کر! میرے دل میں ناسور ڈال دیا ہے۔“

پرمبھا کر نے عاجزی سے کہا۔ ”رجنی کانت! وہ بہرا دور تھا۔ ورنہ میں ایسی
بات کبھی بھی نہ کرتا۔“

رجنی کانت آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ پرمبھا کر نے
ادب سے پوچھا۔ ”تم بد کیوں رہی ہو؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”پرمبھا کر جی! میں نہ مانے کی سستی اور ٹھکرائی
ہوئی تکتیا ہوں، میں نے تمہیں عقلمند اور اپنا درد مند سمجھا تھا لیکن تم کو جب
بھی بولنے کا وقت ملتا ہے تم میرے اور جملہ حاسیوں اور ناداریوں کے خلاف
ای بول جاتے ہو۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“

پرمبھا کر نے ہنس کر کہا۔ ”ارے سادہ لوح لڑکی! میں نے تو مہاراج کے سامنے
لیڑی اور جملہ ناداریوں اور حاسیوں کی بُرائیاں کر کے یہ چاہا تھا کہ میری باتیں مہاراج
مافی براؤ کے دل میں اثر جائیں اور وہ سنجہ سے نفرت کرنے لگیں لیکن افسوس

کہ ایسا نہیں ہوا۔ اسے کاش ایسا ہو گیا ہوتا۔
 رجنی کانت نے کہا۔ ”لیکن پھر بھی سنجیدہ کو ایسا نہیں کہنا تھا۔“
 پھر بھاکرنے بڑی سادگی سے گالوں کو خود ہی تھپتھپایا اور توبہ توبہ کرنے
 لگا، بولا۔ ”آئندہ میں خیال رکھوں گا۔“

رجنی کانت نے دہانے لیے میں کہا۔ ”پھر بھاکر جی! تم سچے سچ بتاؤ اس
 دنیا میں میرے لئے کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ شہنوں مرادوں سے پیدا ہوتی تو منت
 سے مطابق مجھ کو مندر کی داسیوں میں شامل کر دیا گیا۔ اب یہاں میں جس طرح
 جی رہوں، کچھ میں ہی جانتی ہوں۔“
 پھر بھاکرنے بڑھ چھا۔ ”تم یہاں کس طرح جی رہی ہو؟ کچھ مجھے بھی
 بتاؤ؟“

رجنی کانت کی آنکھیں مٹخ ہو گئیں، بولی۔ ”میں کس باتوں سے کس
 طرح بتاؤں؟“

پھر بھاکرنے کہا۔ ”رجنی کانت! پرمودیت جی کے بغل میں شید جی
 کا اذکار ہوں اور تیرا میری استری ہے، پھر میں بدیشان ہوں اور تو بھی بدیشان ہے۔“
 رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”اب تم شید جی کے اذکار نہیں رہے، کیونکہ
 پرمودیت جی کو تم سے بڑا ذریعہ مل گیا ہے۔ وہ مال و زر کا لوبھی پکا دنیا دار ہے۔
 بس انہی باتوں پر سوچ سوچ کر مردنا آجاتا ہے۔“
 پھر بھاکرنے آہستہ سے کہا۔ ”رجنی کانت جی! تم ابھی کسی سے ”نرنامت“
 رجنی کانت نے نہ لٹنے کا وعدہ کر لیا۔

رجنی کانت نے کہا۔ ”اے کاش! تم واقعی ایشور کے اذکار ہوتے تو
 مزہ آجاتا۔“
 پھر بھاکرنے جواب دیا۔ ”جو مزہ انسان ہونے میں ہے وہ اذکار
 میں نہیں۔“

رجنی کانت ایک بار پھر پھر بھاکر کی ذات میں کھڑ گئی۔ اس نے پھر بھاکر
 کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ اس نے بتایا کہ پرمودیت جی لالچی ہیں اور پہلے
 جو پھر بھاکر کو شید کا اذکار قرار دیا گیا تھا تو اس کی منہ میں ان کا یہ مقصد رکھ کر فرما
 تھا کہ تم مہاراجا کی راز کے خزانے سے انہیں مال و زر فراہم کرتے رہو گے اور

ہمدہنت جی دولت مند ہوتے چلے جاتیں گے لیکن پھر جب خوش قسمتی سے وہ خود ہی مہاراج تک پہنچ گیا تو ہمدہنت جی نے تم کو ادتارہ سے نکال باہر کیا۔ اس مالے سنہیو جی کا ادتارہ ہے اور وہی ہم سب کی منزل مراد بھی۔ اب میں مالی ساز کی امانت قرار پا چکی ہوں۔“

ہمدہنت کے دل پر چوٹ لگی۔ وہ تلملا گیا، پوچھا۔ ”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا رہی کانت؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”ہمدہنت جی! باہر کوئی ہماری باتیں سن تو نہیں رہا؟“

ہمدہنت کو کھڑکی سے باہر گیا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہیں سے جواب دیا۔ ”یہاں کوئی کبھی تو نہیں۔“

وہ دوبارہ اندر داخل ہو گیا۔

رجنی کانت نے آہستہ آہستہ کھنا شروع کیا۔ ”ہمدہنت جی! میں بظاہر تو شیو جی کی دسی ہوں مگر حقیقتاً میں ہمدہنت جی کی داسی ہوں

اب میں ہمدہنت کے حکم ہر مالی راڈ جی کی داسی بن جاؤں گی اور اس کے دل کی تربیت بن جاؤں گی۔“

ہمدہنت کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ ”بھیا نک لہجے میں بولا؟“ رجنی کانت نے یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”تمہارے کان جو کچھ سن رہے ہیں اور میں کہہ رہی ہوں۔“

ہمدہنت کو نے تلملا کر کہا۔ ”تو یہ ہمدہنت جی بھی۔۔۔۔۔“

”ہاں یہ ہمدہنت جی بھی۔ یہاں کی ایک بھی داسی ہمدہنت اور ان کے چیلوں سے محفوظ نہیں ہے۔ یہ جگہ ان کے بھی نفس دیا ہے، ہم کو بھی خواہش

ملی ہیں اور اس ہمدہنت نظام میں ہمیں اپنے نفس کی تسکین کے لئے جو کچھ اور جس طرح میسر آتا ہے غنیمت لگتا ہے۔ اسے کاش تم میرے لئے کچھ کرتے، اسے کاش میں تم کو حاصل کر سکتی۔ اسے کاش اسے کاش۔“

ہمدہنت سن کر ہلکے سے آگیا۔ اور خیالوں میں گم مضم کچھ سوچتا رہا۔

رجنی کانت نے مایوسی سے کہا۔ ”لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ میں تم سے مطمئن

نہیں ہوں خوش نہیں ہوں۔ تم آئیے ہوتے بالوس انسان ہو جس کو گیان دھیان کی باتوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ تم ٹولیس بال کی کھال نکالنے نہ ہو؟
 ہر بھاکر کا دماغ پھر رہا تھا۔ اس نے رجنی کانت کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔

رجنی کانت نے کہا۔ ”میرا کام ایک بہادر آدمی اسخام دے سکتا ہے لیکن باتوں کو جو ان تم ایسا نہیں کر سکتے، تم یہ کام نہیں کر سکتے۔“
 ہر بھاکر نے کہا۔ ”رجنی کانت! میں سب کچھ کر سکتا ہوں، تم یہ پوچھو کہ میں کیا نہیں کر سکتا۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسے نہیں ہونا چاہیے، میں اس کی مخالفت اور اس کے خلاف مزاحمت کروں گا۔ خواہ اس راہ میں میں کام ہی کیوں نہ آجائوں۔“
 رجنی کانت نے اہستہ سے کہا۔ ”وہ میں بھی دیکھوں گی۔“
 رجنی کانت کو اچانک احساس ہوا کہ اس کی کوٹھری کے سامنے کچھ لوگ موجود ہیں۔ اس نے کہا۔ ”ہر بھاکر جی! شاید باہر کوئی موجود ہے۔“
 ہر بھاکر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! تم شکس ہو گئی ہو، ابھی ابھی تو میں دیکھ کر آیا ہوں وہاں کوئی بھی نہیں۔“

رجنی کانت نے مہابت لوجہ سے آہٹیں ٹسنے کی کوشش کی اور سرگوشی میں کہا۔ ”ہر بھاکر جی! ذرا غور سے سنو۔ اب تو آہٹیں صاف سنی جاسکتی ہیں۔ شتو لو۔“
 ہر بھاکر بھی چپ ہو گیا اور آہٹیں ٹسنے لگا۔ واقعی لوگوں کے بھنبھانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور رجنی کانت سے کہا۔ ”میں باہر جا کر دیکھتا ہوں، یہ کون ہے جو چوروں کی طرح ہماری باتیں ٹسنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

باہر بہر دھت جی، ان کے کئی چیلے، چند دیوداسیاں اور دالکا تھوریاں چڑھاتے کھڑے تھے، ہر بھاکر کو دیکھتے ہی انہوں نے بے ہنگم شور کیا۔ بہر دھت نے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھا اور ہر بھاکر سے پوچھا۔ ”اند کون ہے؟“
 ہر بھاکر کی قوت گویاں سلب ہو چکی تھی، وہ گھبرا گیا تھا، آں اداں کر کے رہ گیا۔

بہر دھت تیری سے آگے بڑھا اور ہر بھاکر کو ایک طرف ہٹا کر کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ وہاں ڈری سی سہمی رجنی کانت دروازے پر نظر پڑ جاتے بیٹھی تھی۔

پروہت نے سختی سے سوال کیا۔ ”پرہیا کر یہاں کیا کر رہا تھا؟“

رجنی کانت نے کمزور لہجے میں جواب دیا۔ ”بائیں“

پروہت جی نے رجنی کانت کو گھور کر دیکھا۔ ”صرف بائیں؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”ہاں، صرف بائیں“

پروہت نے پوچھا۔ ”کیسی بائیں؟ کیا بائیں کر رہا تھا؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”وہ مجھے نصیحتیں کر رہا تھا اور بتا دیا تھا کہ ایک

داسی کو کیسا ہونا چاہیے اور اپنے نفس پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔“

پروہت کے پیچھے پرہیا کر بھی اندر داخل ہو چکا تھا اور اس نے رجنی

کانت کا جواب سن لیا تھا۔ پروہت پیچھے مڑا اور اپنے پیچھے پرہیا کر کو کھڑا دیکھ کر

بہم ہو گیا۔ بولا۔ ”پرہیا کر جی! تمہیں میری اجازت کے بغیر اندر نہیں آنا چاہیے تھا۔“

رجنی کانت کی کوٹھری میں چوری چھپے اکراؤ تھائی، میں من مانی کر کے ٹم نے اچھا نہیں

کیا۔ معاملہ سنگین اور نازک ہے۔“

باہر چلے ندر زدر سے کہہ رہے تھے۔ ”باہر والوں کی مندر کی حدود میں

سن مانی نہیں چلے گی۔“

دوار کا کمرہ ہاتھا۔ ”پرہیا کر جی! تم تو نالہ یوں کے دشمن اور گینا فی السان ہو

میں تو تمہیں بھگت سمجھتا تھا لیکن یہ آج میں کیا دیکھ رہا ہوں؟“

پروہت جی نے رجنی کانت کو کوٹھری ہی میں چھوڑا اور پرہیا کر کو شل

ے پڑھ کر کوٹھری سے باہر نکلے معلوم نہیں کیا سوچ کر چیلوں اور داسیوں کو منتر

ہو جانے کا حکم دیا اور جب سب چلے گئے۔ تو دوار کا سے کہا۔ ”دواس! اس مہاراج

ے اسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔ میں تیرے ساتھ چلوں گا۔“

پرہیا کر بہت شرمندہ تھا، پروہت سے کہا۔ ”پروہت جی! سیدھی لادو

ہاؤں لادو مگر غلط رنگ نہ دو۔“

پروہت جی نے گرمی سے کہا۔ ”پرہیا کر جی! تم تو لہو نہیں کیونکہ تم نے جو

کچھ کیا ہے اس پر مجھ کو نرم آ کر ہی ہے۔“

پرہیا کر نے غصے سے کہا۔ ”بکواس، میں نے کچھ بھی نہیں کیا، مجھ پر خواہ مخواہ

الزام نہ لگاؤ۔“

دوار کانے پروہت کا ساتھ دیا۔ ”پرہیا کر جی! اب بائیں بننے سے کچھ

حاصل نہیں، پردہت جی نے ایک دنیا دیکھی ہے اور یہاں کے معاملات کو دوسروں سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔“

پردہت جی نے معنی سے کہا: ”پر بھاکر جی! میں تو نہیں بھی نہیں جانے دوں گا۔ تم ہم دونوں کے ساتھ ہی چلو گے کیونکہ رجنی کانت کے معاملے میں میں خود ذمہ دار ہی نہیں لے سکتا۔“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”میں گناہ گار نہیں ہوں پردہت جی! تم اطمینان رکھو! میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گا اور یہ ناٹک جو تم نے رچایا ہے، میں لمحوں میں بگاڑ دوں گا۔“

دوار کاٹے کہا: ”پر بھاکر جی! تم یہ اور برا کر رہے ہو، اگر تم اپنے کتے پر نام اوجالتے اور پردہت جی سے معافی مانگ لیتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔“ پھر پردہت جی کو ایک طرف لے جا کر سرگوشی میں سمجھایا: ”پردہت جی! میرا خیال ہے اس معاملے کو ہمیں ختم کر دیا جائے، کیونکہ معاملے کو جتنا بڑھاؤ گے اتنی ہی گند اچھلے گی۔ مہاراج انی راؤ کے مزاح کا کوئی سبب دسا نہیں ہو سکتا ہے وہ پر بھاکر کو معاف کر کے ہم میں سے کسی کو خطا کا ٹھہرا دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پر بھاکر ہی کو گناہ گار ٹھہرا کر قتل کر دیں کیونکہ کسی کو قتل کر دینا تو مہاراج کے لئے نہایت معمولی بات ہے۔“

لیکن پردہت جی نے صاف انکار کر دیا۔ کہا: ”میں دوار کا جی! ایسا نہیں ہو سکتا، میں مہاراج کو لاعلم نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ بات دوسروں کے علم میں آچکی ہے اور اگر میں چپ اوجاؤں گا تو میں خطا کا ٹھہروں گا۔“

دوار کاٹے آہستہ سے سمجھے سمجھے لہجے میں کہا: ”بہتر ہے لیکن میں آپ سے متفق نہیں ہو سکتا۔“

یہ دونوں پر بھاکر کے پاس پہنچے اور کہا: ”تب پھر چلو پر بھاکر جی! بھگوان ہم پر رحم کریں، معاملہ بڑا گھمبیر ہے۔“

پر بھاکر نے کھسپائے لہجے میں جواب دیا: ”چلو! میں تیار ہوں۔“

اور یہ تینوں انی راؤ کے پاس چل دیئے۔ پر بھاکر خود کو بے گناہ اور پاک سمجھ رہا تھا۔ یہ پاکی اور بے گناہی اس میں ہمت اور حوصلے کی استقامت بھرا کر ہی تھی لیکن آہستہ آہستہ ہمت اور حوصلہ ذہنت ہونے لگا اور وہ اپنے

دھرم میں خوف اور دہشت کی سرد لہریں محسوس کرنے لگا۔

مندرجہ ذیل سے پرہیز (دریغ) ان تینوں کا انتظار کر رہی تھی پر وہیں دونوں سے پہلے رتھ میں بیٹھ گیا ماس کے بعد پرہیز اور دلا کا بیٹھ گئے۔ تینوں خاموش تھے، گم غم معلوم نہیں کیا سوچ رہے تھے۔ رتھ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا اور راج بھون قریب آتا جا رہا تھا، پرہیز کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

✱

✱

✱

دن ڈھل رہا تھا اور سورج مغرب میں جھکتا جا رہا تھا، سائے لمبے ہو گئے تھے۔ راستے میں راہ گیروں نے پرہیز کو جب بھی دیکھا، پرہیز نام کیا۔ پرہیز کو اچانک سوال کر دیا۔ پرہیز نے جی بتم نے مجھے شیوجی کا اوتار کہا تھا اور یہ سمجھ کہا تھا کہ اس طرح راجنی کا نت میری پتی ہے اور آج تم مجھ کو ذلیل کرنے پر تر گئے ہو۔ آخر کیوں؟

پرہیز نے جواب دیا۔ ”اس دہت تک میں نے تم کو گیانی، ودیا بانی اور ودھوان سمجھتا تھا۔ اگر تم شیوجی کے اوتار بھی تھے تو اس طرح تم کو زیادہ ذلت دار اور محتاط ہونا چاہیے تھا۔“

راج بھون کا صدر درد دارہ پرہیز اور پرہیز کو دیکھتے ہی کھل گیا۔ رتھ اندر داخل ہو گیا۔ مالی راڈ کی داسیوں نے اطلاع دی کہ مالک آرام کر رہے ہیں۔

دوار کا نئے انہیں مہمان خانے میں بٹھادیا اور داسیوں سے کہا کہ ”جیسے ہی مالک بیدار ہو جائیں، پرہیز، پرہیز اور دوار کا کی آمد کی اطلاع دی جائے۔“

وہ تینوں دو گھنٹے تک انتظار کی زحمت چھیلتے رہے۔ شام سے ذرا پہلے مالی راڈ بیدار ہو گیا۔ لیکن مالی راڈ سے پہلے ان تینوں کے پاس اہلبابانی پہنچ گئی، پرہیز اور دوار کا کے درمیان پرہیز کو دیکھ کر پریشان ہو گئی، پرہیز سے پوچھا ”کیا بات ہے پرہیز جی؟ آج یہ تگڑم کیسے نظر آ رہی ہے؟“

پرہیز جی یہ مقدمہ اہلبابانی کے سامنے نہیں پیش کرنا چاہتے تھے کیونکہ

اہلیا بانی ہر حالت میں ہر کچھ کر کھڑا تو دیتی۔

مالی راق نے بیدار ہونے ہی ان تینوں کو طلب کر لیا۔ اہلیا بانی بھی بیٹے کے پاس پہنچ گئی۔ مالی راق کوہاں کی موجودگی سے کوفت ہو رہی تھی۔ ماں کو درشتگی سے مخاطب کیا۔ ناں جی! آپ کو راج پاٹ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے آخر وہ آپ نے تو میرا بچھا پکڑ لیا ہے۔ بھگوان کے لئے مجھ پر دیا کردار اپنی مرضی سے راج کرنے دو۔“

اہلیا بانی کا کلیجہ شق ہونے لگا۔ بیٹے کی باتوں نے اس کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ بولی۔ ”مالی راق! میں تیری ماں ہوں اور اس راج کی نگران بھی۔ میں نے ہی تجھ کو راج دلایا ہے اور میں ہی اس راج کو چلاؤں گی۔ تو نادان ہے تجھے کی طرح میری انگلی پکڑے وہ۔ آخر یہ تینوں یہاں کیوں آئے ہیں؟“

مالی راق نے حل کر جواب دیا۔ ”یہ تینوں مجھے گرفتار کرنے آئے ہیں۔ اب بچائیے ان تینوں سے مجھ کو۔“

اہلیا بانی سمجھ گئی کہ مالی راق جلی کٹی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ غصے میں زور زور سے پاؤں پٹک کر بولی۔ ”کم عقل اور بے وقوف لو کے! میں جانتی ہوں کہ اس وقت تو کیا چاہتا ہے؟ شاید تنہائی؟“ اس کے بعد وہ وہاں سے جلی گئی اور یہ کہتی گئی کہ ”میں یہاں سے جا رہی ہوں لیکن تو جیسی فصل بو رہا ہے اس کا غنہ دار۔۔۔۔۔“

لیکن مالی راق معلوم نہیں کیوں اور کس بات پر چیخنے چلائے گا جس میں اہلیا بانی کی آواز دب گئی اور اس کا ہوا فقرہ بھی کول نہیں سن سکا۔

جب مالی راق کو ابھی طرح یہ یقین ہو گیا کہ اہلیا بانی ڈھونڈتے ہوئے موجود نہیں، تو ہنسنے لگا۔ ہر دھت اور دھار کا سے کہا۔ ”اگر میں یہ ناشک نہ کرتا تو میری ان ابھی تک یہیں موجود ہوتی۔ وہ تو مجھے انگلی پکڑا کے چلا نا چاہتی ہے۔“

ہر دھت جی نے برا سامنہ بنایا اور کہا۔ ”مہاراج! بڑا غضب ہو گیا۔ وہ تو ہر دھت بھی اپنے درمیان ہی میں موجود ہے درخت یہ مستحق پرستوں کی محفل میں سنا یا جا رہا ہوتا۔“

مالی راق نے برہمی سے کہا۔ ”ہر دھت جی! اندکچھ کہنا ہے یا بس؟“

ہر دھت جی نے جلدی جلدی ساری روداد سنا دی اور عرض کیا ”مہاراج!

اس میں میرا کوئی دوش نہیں، جو کچھ بھی ہوا ہے پر بھاکر ہی اس کا ذمے دار اور خطا کا ہے۔“

اب پر بھاکر کے صبر کا پیمانہ لہو نہ ہو چکا تھا۔ اس نے پورے جوش و خروش سے ہر دھت کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس نے چیخ چیخ کر کہا: ”میں گیا تھا اور مہنوں کے سامنے گیا تھا لیکن کسی کے پاس بری نیت سے مزید گیا تھا۔ میں اس کے لئے سو گند کھا سکتا ہوں۔ میں بالکل بے گناہ اور پاک ہوں۔ مانی راؤ پر دھت کی زیادتی تفصیل میں کر کچھ پریشان ہو گیا تھا لیکن جو پر بھاکر نے زور دہت سے اس کی تردید کی تو وہ کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ اس پر بھاکر سے پوچھا: ”تو وہاں کیوں گیا تھا؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”مہاراج! میں مندر میں پہلی بار تو نہیں گیا تھا پہلے بھی تو جاتا رہا ہوں۔“

مانی راؤ نے چڑچڑے پن سے کہا: ”میں آج کی بات پوچھ رہا ہوں، تو آدھاں کیوں گیا تھا اور خامن کر جینی کانت کے پاس تیرا کیا کام تھا؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”مہاراج! جیسا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نصیحتیں کرنے کا عادی ہوں، میں چپ چاپ نہیں رہ سکتا چنانچہ آج میں کانت کو نصیحتیں کرنے پہنچ گیا تھا۔“

مانی راؤ مسکرا دیا: ”پوچھا۔“ تو نے جینی کانت کو کیا نصیحتیں کیں؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”میں نے اس کو سمجھا یا کہ دیو داسی کو کس طرح زندگی گزارنا سیکھتی ہے اور یہ کہ سرکش نفس کو دہلنے اور قابو میں کرنے کے تدبیریں کیا ہیں؟“

مانی راؤ زور زور سے ہنسنے لگا: ”پر دھت سے کہا: ”پر دھت جی! بلاوجہ پریشان ہو گئے۔ تم پر بھاکر کو ہمیں جانتے لیکن میں خوب جانتا ہوں۔ اس کو مہت زیادہ بولنے اور نصیحتیں کرنے کی عادت ہے اور عادہ آرمی کو بے بس اور مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ایک معصوم اور سچا نوجوان ہے؟“

اس پر بے ہودہ شکوک نہیں کرنا چاہیے۔“

پر دھت کھسکا گیا بولا: ”لیکن مہاراج!۔۔۔۔۔“

مانی راؤ نے بات کاٹ دی: ”پر دھت جی! اب لیکن دیکھ ختم کر دیا۔“

موضوع کو بند کر دو، بالکل ختم کر دو کیونکہ میں معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہوں۔
بھلا سوچو تو سہی کہ جو شخص ہر وقت عورت کو برا بھلا کہتا رہے اور اس کو
ذلیل و خوار کرتا پھرے۔ اس پر اس قسم کا شک کرنا کہاں تک جائز اور مناسب
ہے؟

پروہت نے پھر کسمساہت سے کہا۔ ”لیکن منشن تو ملش ہی ہے
یہ سب کچھ۔۔۔۔۔“

مائی راڈ نا اہن ہو گیا۔ ”یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں
کیا تم نے میری بات نہیں سنی؟ میں پر بھاکہ پر اس قسم کا الزام نہیں لگا
سکتا اب تم دوسری باتیں کر دو۔“ پھر پوچھا۔ ”آج شام کو میں مندر پہنچ رہا
ہوں، تم کو اپنا وعدہ یاد ہے نا؟“

پروہت نے سرد مہری سے جواب دیا۔ ”یاد ہے، اچھی طرح یاد ہے۔“
مائی راڈ نے پھر سوال کیا ”کیا تم نے جینی کانت سے بات کر لی؟“
پروہت نے جواب دیا۔ ”ہاں بات کر لی، وہ راضی ہے اور وہ یوں بھی
میری مرضی اور حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔“
مائی راڈ نے خوش ہو کر کہا۔ ”بہت خوب، بہت خوب۔ کچھ دیر بعد
میں آ رہا ہوں۔“

پروہت بے دلی سے اٹھ کھڑا ہوا، بولا۔ ”تب پھر مہراج: میں
چلتا ہوں۔“

مائی راڈ بھی کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پر بھاکہ اور دواد کا بھی
کھڑے ہو گئے۔ مائی راڈ پروہت کے ساتھ ساتھ کچھ دور تک چلتا دہا، بولا۔ ”مجھے
اپنا وعدہ یاد ہے، کل کے بعد تم کا دوبارہ میں روپیہ لگا سکو گے۔ میں
انتظام کر دوں گا۔“

پروہت کے مردہ چہرے پر مہار آ گئی۔ مسکرا کر پوچھا۔ ”جناب والا! اگر
وہ انتظام کل ہی کر دیا جائے تو خوب ہو؟“

مائی راڈ نے جواب دیا۔ ”کل ہی انتظام کر دیا جائے گا تم تردد نہ کرو۔“
پروہت خوش خوش رختہ میں بیٹھا اور مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔
پروہت کے چلے جانے کے بعد مائی راڈ پر بھاکہ کو پیٹنے ساتھ لے کر

تخلے میں چلا گیا۔ دوبارہ کوئی شخصت نہ کر دیا گیا، پر بھاکر خود زندہ تھا کیونکہ ہمدہت کے جلتے ہی مانی راؤ منجمیدہ ہو گیا تھا۔ وہ فکر مند نظر آتا تھا۔ پر بھاکر نے شٹر لے کر لیے جانے کی اجازت چاہی مگر مانی راؤ نے جانے کی اجازت نہیں دی، بولا: "پر بھاکر جی! میں نے ہمدہت کے سامنے بات نہیں بڑھائی مگر اب میں تم سے پوچھنا ہوں کہ تم رجینی کانت کے پاس کیوں گئے تھے؟"

پر بھاکر نے جواب دیا: "میں جانے کی وجہ ایک بار بتا چکا ہوں اس لیے دوبارہ نہیں بتاؤں گا۔"

مانی راؤ نے پر بھاکر کی گدڑی پر کھڑکی۔ "میں تمہاری عزت کرتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری عزت سے کھیلنے لگو۔"

پر بھاکر نے کسمسا کر گردن چھڑانے کی کوشش کی مگر مانی راؤ کی انگلیاں گوشت میں تیری طرح پیوست ہو گئی تھیں۔ مانی راؤ اس کی ناکام کوشش سے خوش ہوا بولا: "میری انگلیاں تیری عقل سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہیں۔"

پر بھاکر نے ایک بار پھر گردن چھڑانے کی کوشش کی لیکن پھر ناکام رہا، پر بھاکر نے کہا: "آپ جسمانی قوت میں مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مگر عقل کا معاملہ تو اس میں آپ سمیت کتنے ہی الجھ جائیں، آخر میں ہر شخص ناکام رہے گا۔"

مانی راؤ نے گردن کو ادھر زیادہ مضبوط کر دیا۔ "پر بھاکر جی! باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم رجینی کانت کے پاس کیوں گئے تھے؟"

پر بھاکر نے جواب دیا: "مہاراج! میں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں رجینی کانت کو نصیحتیں کرتے گیا تھا؟"

مانی راؤ اور پر بھاکر کی روداد کسی داسی نے اہلبابائی کو گوش گزار کر دی، وہ بھاگی بھاگی ان دونوں کے پاس پہنچی اور پر بھاکر کی گدڑی مانی راؤ کی گرفت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اس نے مانی راؤ کو دھکا دے کر بھاگ دیا بولی: "یہ کیا کر رہا ہے تو؟ مانی راؤ! یہ ماسو بھاٹ ذات سے تعلق رکھتا ہے، پر بھاکر جی کو کو اینڈا چہنچا کر تو ہمیشہ دکھی رہے گا۔"

مانی راؤ، ماں کو اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گیا۔ جھجکا کر بولا: "ماں جی! تم راج پاٹ کے معاملوں میں ست ہونو دسہ مجھے کچھا اور سوچنا اور نہ بڑے گا۔"

اہلیا بانی نے جواب دیا۔ "مالی راؤ! تو سنبھل لیا ہے، تو شریفوں اور عزت مندوں سے اس طرح پیش آتا ہے گویا یہ چاکر اور داس ہیں، جھگڑان کے لیے منجمل جا، ورنہ اس کا نتیجہ کم از کم تیرے حق میں بہت جبراً نکلے گا۔"

مالی راؤ نے پریکھا کر کو چھوڑ دیا، ماں سے کہا۔ "ماں جی! پریکھا کر جی کھلتا کر دو، میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔"

اہلیا بانی نے جواب دیا۔ "اگر تو وہ دھواؤں اور دیا پتیوں کا دشمن ہو گیا ہے تو کوئی پروا نہیں، آج سے پریکھا کر جی میری چاکری کرے گا، اب تو اس پر حکم نہیں چلے گا۔"

مالی راؤ ایک دم نرم پڑ گیا، بولا۔ "ماں جی! میں وہ دھواؤں اور دیا پتیوں کا دشمن نہیں ہوں لیکن اس نے ایک ایسی حرکت کی ہے جو ہم سب کے لئے شرمناک ہے۔ پریکھا کر جی اس کے سب سے بڑے گواہ ہیں۔"

اہلیا بانی نے پریکھا کر کو حکم دیا۔ "تو میرے ساتھ چل۔" پھر بیٹھے سے کہا۔ "میں پریکھا کر جی سے خود بات کر لوں گی، ایک بات سمجھ کر ہر حال میں یاد رکھنا ہے۔ وہ یہ کہ ماں دھاک کا دل ڈکھانے والا کبھی خوش حال نہیں دیکھا گیا۔ تو بھی جھگڑان کے غضب سے ڈر۔ میں تیرے اسباب سے دل ہی دل میں خوفزدہ ہوتا ہوں۔" مالی راؤ بڑبڑاتا ہوا ماں کے سامنے سے ہٹ گیا۔

اہلیا بانی پریکھا کر کو اپنے ساتھ لے گئی اور اس کریمہ جان کر غمزدگی ہوئی کہ پریکھا کر دیو داسی جی جی کا منت کو یہ سمجھانے گیا تھا کہ سٹیو جی کی داسی کو کسی انسان کے حکم و فریب اور حرص و ہوس کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی کوششیں جاری رکھے اور مالی راؤ سے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ مالی راؤ سے عقلمندی سے پیش آؤ تاکہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

شام کو مندروں سے نائوس کی آوازیں بلند ہوئیں کسی کسی لمحے گھنٹیوں کا شور بھی سنائی دے جاتا۔ اہلیا بانی راج سبھوں میں موجود مندر میں چلی گئی۔ پریکھا کر جانے کے لئے تیار ہوا تو دروازے کے اگلے پہلو پر مہاراج مالی راؤ جی یا دروازہ ہے ہیں۔ لمحہ بھر کے تاہل کے بعد پریکھا کر نے جواب دیا۔ "شاید تم کو نہیں معلوم کہ اب میں اہلیا بانی کی چاکری میں چلا گیا ہوں۔"

دوار کا نئے لئے سمجھانے کی کوشش کی۔ "پہر بھاگرجی! تم عقلمند انسان
 ہو، حالات اور ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرو، یہ درست ہے کہ راج بھون کے
 سب سے زیادہ ہنگامہ انہی شخصیات اہلیا باقی جی کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ سمجھ
 نہ سجدو کہ یہاں کا راج پامٹ مہاراج مانی راجہ جی کے ہاتھ میں ہے چنانچہ کوئی
 ایسا شخص جس کو مانی راجہ جی کا اعتماد حاصل ہو راج بھون میں نہیں رہ سکتا۔
 مہاراج مانی راجہ سے نہ بگاڑ دینہ بچھتا دے گا۔"

پہر بھاگرجی نے جواب دیا۔ "دوار کا جی! میں تو کسی سے بگاڑ کا قائل ہی نہیں
 مہاراج مانی راجہ جی خود ہی باطن ہو گئے مجھ سے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ راج بھون
 میں طاقت کا توازن کس کے ہاتھ میں ہے۔ میں تو یہاں مانی راجہ جی کی خدمت ہی
 کرنے آیا تھا لیکن میری دروہا، میری بدعتی سیری دشمن بن گئی ہیں۔ میری سمجھ میں
 نہیں آتا کہ میں خود کو اس ماحول میں کس طرح بہتر کر سکوں؟"

دوار کا نئے کہا۔ "مہاراج مانی راجہ جی اپنے کیے بہتر مند ہیں اور وہ تم
 سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔"

پہر بھاگرجی اسی وقت دوار کا کے ساتھ مانی راجہ کے پاس چل دیا۔
 مانی راجہ کا رتھ راج بھون کے اندر ہی مانی راجہ کی رہائش گاہ کے سامنے
 کھڑا تھا۔ مانی راجہ رتھ پر بیٹھا، ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ مانی راجہ کے قدموں
 میں ایک کھا سچا تھ اچس میں چھوٹا سا شراب کا گٹکا رکھا تھا اور اس کی ہلکی
 ہلکی بوتھنوں میں داخل ہو کر مست و سرشار کر رہی تھی۔ وہ پہر بھاگرجی کو دیکھتے
 ہی رتھ سے اتر پڑا اور ہنستے ہوئے پوچھا۔ "پہر بھاگرجی! کیا تم واقعی مجھ سے ناراض
 ہو گئے تھے؟ یا کوئی بات تھی؟"

پہر بھاگرجی نے جواب دیا۔ "مالک! مجھ کوئی چاکر اپنے مالک سے ناراض
 ہو سکتا ہے۔"

مانی راجہ نے فوراً اچھ بدل دیا۔ طعن و طنز سے کہا۔ "واہ پہر بھاگرجی! میں
 نے تو تمہاری گردن و بلوچ لی تھی، تمہاری گتھی پر اس وقت بھی میری انگلیوں
 کے نشان موجود ہوں گے اور تم اتنے بے غیرت ہو کہ مجھ سے ناراض تک نہیں
 ہو سکتے، اب بھی بے شرمی سے یہی کہہ رہے ہو کہ مجھ کوئی چاکر اپنے مالک
 سے ناراض ہو سکتا ہے۔"

پر بھاگ کر شرمندہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا جواب دے۔
 مانی راؤ کھٹکھٹا کر ہنس دیا، بولا: ”پر بھاگ جی! اب ہنسی مذاق ختم، میں نے تم
 سے جو کچھ کہا سنا وہ سب مذاق تھا۔ میں تمہیں اپنے راج کا ضروری آدمی سمجھتا
 ہوں، آؤ میرے ساتھ چلو مجھے قدم قدم پر تمہاری ضرورت محسوس ہو گئی۔“
 پر بھاگ نے جواب دیا: ”مہاراج! راجا کا اپنی پر جا سے مذاق کرنا ایسا ہی
 ہے جیسے شیر لوہڑی کو زخمی کر کے دل لگی کرے۔ مجھے اپنی گردن پر اب بھی آپ
 کی انگلیوں اور ناخنوں کی خراش محسوس ہو رہی ہے۔“

دوا کا ایک دم سراپتھ لے آ گیا۔ مانی راؤ اپنے رستہ میں جا بیٹھا، دوا کا
 لے اپنے رستہ پر پر بھاگ کر کوٹھایا، پھر دوا کا کادہ آگے آگے چل پڑا، اس کے
 پیچھے مانی راؤ کا رستہ تھا۔ مغرب کی سیاہی گہری ہوئی تباہی تھی، آہن پائس اور
 سانسے مکانوں کی کھڑکیوں اور چھریوں سے چراغوں کی بدستیاں چھن چھن کر
 باہر آرہی تھیں۔ دوا بھر چہرے جگنے کے بعد نموشیوں کے ریوڑ بستی میں داخل
 ہو چکے تھے ادھر ان کی بے ہنگم آوازوں سے فضا کا سکوت بار بار ٹوٹ رہا تھا۔
 مندر کے صدر دروازے پر پردہ تھی، مانی راؤ کے انتظار میں کھڑا تھا۔
 دواؤں رستہ آگے چھپے مندر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ پردہ تھنے آگے بڑھ
 کر مانی راؤ کو پہنام کیا اور پوچھا: ”کیا مہاراج کو اپنا وعدہ یاد ہے؟“
 مانی راؤ رستہ سے پیچ آگیا اور رستہ کے کھانچے میں رکھے ہونٹے شراب
 کے چھوٹے سے مشکے کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا: ”پردہ تھی جی! اس کو وہیں
 پہنچا دو جہاں مجھے کچھ وقت گزارنا ہے۔“

پردہ تھی کی نظر میں بڑی بے چینی سے رستہ کے ایک ایک گوشے کا
 جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر دریافت کیا: ”مہاراج! آپ نے مجھ سے
 کوئی وعدہ کیا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟“

مانی راؤ نے تلخی سے جواب دیا: ”پردہ تھی! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے اور
 وہ کل تک پورا کر دیا جاتے گا کیونکہ جیتے وقت مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔“
 دوا کا اور پر بھاگ بھی اپنے رستہ سے پیچ آچکے تھے۔ ان دواؤں نے
 پردہ تھی کو نہایت ادب سے سلام کیا۔ پردہ تھی نے بے دردی اور اسی سے ان
 کے سلام کا جواب دیا۔ مانی راؤ نے حکمانہ انداز میں پوچھا: ”مجھے میری جگہ پر پہنچا دے۔“

پروہنت نے مالی راؤ کو دیکھ کر دوار کا اندہ پر بھاگ کر برسوالیہ نظر ڈالی۔ مالی راؤ اس کا مطلب سمجھ گیا، بولا۔ ”پروہنت جی! ان دونوں سے مت ڈرو، دونوں ہی اپنے خاص آدمی ہیں۔“

پروہنت نے شراب کا مشکا دوار کا کے ہاتھوں میں دے دیا اور خود آگے آگے رہنا مانتا ہوا مندر کے اندر داخل ہو گیا۔ پروہنت نے مندر کے آخری سرے پر رکھی ہوئی بڑی موٹی کے عقب میں کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارے سے مالی راؤ کو اپنے پاس بلایا۔ مالی راؤ اس کے پاس پہنچ گیا۔ پروہنت نے الی راؤ کو کھڑا کر کے، مندر کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور مالی راؤ کے پاس دوبارہ پہنچ کر کہا۔ ”مہاراج! اپنے دونوں آدمیوں کو باہر بھیج دیجئے کیونکہ انہیں زیادہ اعتماد میں لینا کسی طرح مناسب نہیں۔“

مالی راؤ نے دوار کا قی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ مجھ سے دُور رہے گا۔“ پھر پربھاگ کر طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ یعنی پربھاگ جی، میرے ساتھ میرے پاس رہیں گے کیونکہ میں دھونانا دیتا ہوں کی ہر جگہ ضرورت رہتی ہے۔“

پروہنت نے پوچھا۔ ”کیا دوار کا جی کو مندر سے نکال دیا جائے؟“

مالی راؤ نے جواب دیا۔ ”ہاں بالکل۔“

پروہنت نے دوار کے شراب کا مشکا لے لیا اور اس کو باہر نکال دیا۔ اب مندر کی مہم بردشتی میں پروہنت جی، مالی راؤ اور پربھاگ آسیدی مالیوں کی طرح ایک دوسرے کے آس پاس کھڑے کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر پروہنت ہاتھ کے اشارے سے مالی راؤ کو ایک طرف لے گیا، بولا۔ ”مہاراج! اب میر کیا کروں؟ اندر نیچے تہہ خانے میں جی کا منت آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔ میں آپ کو پربھاگ کی موجودگی میں وہاں تک کس طرح پہنچاؤں؟ مالی راؤ نے سرسری نظر دوں سے پربھاگ کو دیکھ کر پروہنت کے کان میں کہا۔ ”پروہنت جی! میں اس پر دماغ اور مغرور نہ ہوں کہ کچھ دیر کے لیے اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا ہوں اس کے بعد یہ مجھ سے جھلک ہو جائے تو کوئی قلق نہ ہوگا۔“

پروہنت نے شراب کا مشکا اپنے کندھے پر رکھا اور مالی راؤ اور پربھاگ

لے کہا۔ ”آپ دونوں میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں۔ یہ تمہارا خانہ ہے، پورے مندر سے الگ کھلک ایک خفیہ رہائش گاہ۔“

اس کے بعد ہر دھت میٹر صیوں کے ذریعے تمہارے میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے یہ دونوں بھی وہیں پہنچ گئے۔ اندر تمہارے میں سرسوں مک تیل کے دیے روشن تھے، وہاں ان کے سامنے ایک شاندار کمرہ موجود تھا کمرے کے بیچوں بیچ ایک برنگا ہوا تھا اور پوری فضا خوشبو سے مہک رہی تھی۔

مالی راقہ نے لہجہ بھلا ”پر دھت جی! رجنی کانت کہاں ہے؟“
 پر دھت نے گہری سہلا تے ہوئے جواب دیا۔ ”مہاراج! وہ بھی آجائے گی، ہر آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔“

مالی راقہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”پر دھت جی! شپنت دے فکر، راجہ، وعدہ کیا ہے تو پورا بھی کروں گا۔ کل راجہ بیہوش پہنچ جائے وعدہ پورا کر دلا گا۔“
 پر دھت کمر کچھ سمجھ رہا تھا، کچھ نہیں سمجھ رہا تھا۔ تمہارے میں سبھی سمجھتے بستر اور حکومت کی موجودگی میں رجنی کانت کا ذکر، پر دھت کمر سب کچھ سمجھ گیا تھا، اگر اس کو پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ مالی راقہ سے ارادوں سے مندر جادہ ہا ہے تو وہ ہرگز حاکم نہ ہوتا۔

پر دھت کمر نے مالی راقہ سے اجانت مانگی۔ ”مہاراج! کچھ کمر دھار کا کسے پاسی جانے کی اجانت دیجیے۔“

مالی راقہ نے پر دھت کو حکم دیا۔ ”جارجنی کانت کو فوراً بھیج دے کیونکہ میں اب اور صبر نہیں کر سکتا۔“ پھر پر دھت کمر سے کہا۔ ”تو کچھ دیر خاموش بیٹھا رہ۔ میں رجنی کانت کو یہیں بلانے لیتا ہوں، تیرا جھوٹ سچ ابھی کھل جائے گا۔“
 پر دھت کمر ہم گیا لیکن اپنے خوف کو دبانے رکھا۔ چہرے پر حرکت و سکنت سے اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

پر دھت چلا گیا اور کچھ دیر رجنی کانت کے ساتھ واپس آ گیا، رجنی کانت بولنت سے لڑی پھندی ان دونوں کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ پر دھت نے پر دھت کمر سے کہا۔ ”اب تو یہاں رک کر کیا کرے گا۔ میرے ساتھ باہر چل۔“
 لیکن مالی راقہ نے پر دھت کمر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ”میں نہیں پر دھت جی! یہ ابھی ہیں میرے پاس رہے گا تم جاسکتے ہو۔“

رجنی کانت پر بھا کر سے نظر پر نہیں مل رہی تھی۔ مانی راڈ سے کہا، "مہاراج اس کو چلا جائے دو، دہندہ یہ ابھی عقل کی باتیں شروع کر دے گا۔"
 پر بھا کر کا خیال تھا کہ رجنی کانت اس کی موجودگی سے پشیمان بھی ہوگی اور گھبرائے گی بھی لیکن اس بات نے اس کو رجنی کانت کی طرف سے بہت ایس کر دیا۔
 مانی راڈ نے جانتے ہوئے پر دہت سے کہا، "کیا آلات مے کشی یہاں مل جائیں گے؟"

پر دہت نے جواب دیا، "مہاراج! یہاں سب کچھ مل جاتے گا۔" پھر سچے سر ہالے کوٹنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "یہاں اس کوٹے میں ہر رہ چیز موجود ہے میں کی مہاراج کو ضرورت ہوگی۔"
 مانی راڈ نے کمرے کی طرف دیکھا تو وہاں سب کچھ رکھا نظر آیا۔ پر دہت چلا گیا۔ پر بھا کر کو وحشت محسوس ہونے لگی۔ مانی راڈ نے شروع دہش پر نظروں سے پر بھا کر کی طرف دیکھا اور رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا، پوچھ "رجنی کانت! ہم دونوں یہاں کیوں آکھاتے ہیں؟ کیا تو جانتی ہے؟"
 رجنی کانت نے کنکھیوں سے پر بھا کر کی طرف دیکھا اور جواب دیا، "مہاراج میں شیوجی کی داعی ہوں، مجھ کو پر دہت جھانے جب یہ بتایا کہ آپ شیوجی کے ادا ہیں تو میں ہنسی خوشی آپ کے چہرے میں آگئی۔"

ابھی تک پر بھا کر کا یہ خیال تھا کہ رجنی کانت اس کا لحاظ کرے گی، اس کا موجودگی میں شرمائے گی بچکچائے گی لیکن اس جواب نے پر بھا کر کو عورت کی طرف سے بالکل ہی بدظن کر دیا۔ وہ ٹرپ کر کھڑا ہو گیا اور رجنی کانت سے کہا، "رجنی کانت! اس مندر کا پر دہت بھی عجیب و غریب انسان ہے۔ شاید یہ بات تجھے بھی یاد ہوگی کہ یہ پر دہت ایک دن مجھے بھی شیوجی کا ادا کہہ چکا ہے اور تو نے اس کی تابیر کی تھی؟"

رجنی کانت نے جواب دیا، "لیکن پر دہت کمری! میں نے اس سے انکار نہیں کیا، شیوجی ایک ہی وقت میں کئی کئی اور کھینچ سکتے ہیں، میں نہیں کہ شیوجی کا ادا رہی سمجھتی ہوں۔"
 مانی راڈ نے رجنی کانت سے کہا، "رجنی کانت! جب سے میں نے تجھے"

دیکھا ہے اپنے سینے میں ہر وقت ایک ہلچل سی محسوس کرتا رہا ہوں۔“ پھر
 ہنس کر پر بھا کر کی طرف دیکھا اور رجنی کانت سے کہا: ”یہ وہ ہوان اور قیادت
 معلوم نہیں کیوں ہم دونوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ یہ مباح بھون میں میرے پیچھے
 پڑا رہتا ہے اور صفتا ہوں یہاں تیرے کان کھاتا رہتا ہے۔ کیا بد صحت ہے؟“
 رجنی کانت نے پر بھا کر کی دکالت کی، بولی: ”مہاراج! یہ میرے پاس
 کئی بار آچکا ہے لیکن یہ جب بھی آیا ہر ایتیں اور نصیحتیں کر کے چلا گیا۔ ابھی آخر
 میں جب یہ مجھ سے ملا تھا تو میری کوٹھڑی میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا کہ پردہت
 اور اس کے چیلوں نے ہمیں گھیر لیا اور ہر بھا کر کو ذلیل و سدا کر کے منہ پر
 سے نکال دیا۔ بہر حال۔۔۔۔۔“

مالی رات نے ازرا و سترارت پر بھا کر سے کہا: ”پر بھا کر جی! آج تم
 مجھے سچ سچ یہ بتاؤ کہ عودت کے بارے میں منہماری کیا رائے ہے؟ منہماری
 اصل رائے!“

پر بھا کر نے مشکل ایک نظر رجنی کانت پر ڈالی جو مالی رات کی پناہ میں
 مٹی ہوئی مطلق نظر آ رہی تھی۔ پر بھا کر رجنی کانت کی طرف سے بالوں میں اوجھکا تھا۔
 اپنی جلی کوٹھڑی کے کمرے کا اظہار کر دیا: ”مہاراج! جیسا کہ میں کبھی پہلے بھی یہ بتا چکا
 ہوں کہ عودت ذات پر احمق اور سادہ لوگ ہی اعتبار کر سکتے ہیں ورنہ اس سے زیادہ
 چلے باز اور فزبی شاید ہی کوئی اور جنس ہو!“

رجنی کانت تلملا کر سیدھی ہو گئی اور پر بھا کر کو دیکھنے لگی۔

مالی رات نے حفا تھلتے ہوئے کہا: ”تو پر بھا کر جی! یہ عودت ذات بالکل
 اچھی نہیں ہوتی؟“

پر بھا کر نے جواب دیا: ”اسی میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مہاراج!
 آپ نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں رجنی کانت کے سامنے عودت ذات کی پول پٹی
 بیان کر دوں۔“

رجنی کانت نے تلملا کر پر بھا کر کی طرف دیکھا اور نظر و لہا ہی نظروں میں التبا
 کی کہ وہ عودت ذات کو لفظوں اور جملوں کے زخم نہ لگائے لیکن پر بھا کر کا دل رو
 لہا تھا، رجنی کانت نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔

مالی راد نے اس کو چپ دیکھ کر کہا: ”ہاں پر بھا کر جی! انم چپ کیوں ہو گئے؟
کہو، کہو، عورت ذات کی پول پٹی بیان کر دو۔“

پر بھا کر کی آواز بھر آگئی تھی، بولا: ”مہاراج! عورت کی سب سے بڑی
خرابی یہ ہے کہ اس میں استقلال نہیں ہوتا، اس کی طبیعت میں تلون، سمندر کی موجز
کی طرح ہوتا ہے جب کبھی آگے بڑھتی ہیں سمجھی پیچھے ہٹ جاتی ہیں، اس کے جذبات
بے ثبات ہوتے ہیں، بالکل شفق کے رنگوں کی طرح، لمحہ بہ لمحہ سمجھ سے سمجھ ہو
جانے داکے۔“ اس کی آواز گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ اس نے بمشکل مدد سے پورے
کہا: ”اور مہاراج! آپ راج پاٹ کے مانگ ہیں اور پرہیت نے آپ کو شیوجی
کا افتادہ قرار دے دیا ہے اس لئے ہو سکتا ہے آپ اس پر خوش ہوں اور ناز کر رہے
ہوں کہ آپ نے رجنی کا منت جیسی مر پادہ کو باسانی حاصل کر لیا ہے اور اس وقت
جب خود رجنی کا منت بھی ہنسی خوشی آپ کو شیوجی کا افتادہ سمجھ کر آپ کے دل
سے لگ کر بیٹھ گئی آپ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہے ہیں تو
یہ آئندہ چل کر محض آپ کی خوش فہمی بھی ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ عورت کے
بابے میں پرانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب اس کی غنا پوری ہو جاتی ہے اور
کوئی شخص اس کے کام کا نہیں سمجھتا تو یہ اس سے بڑی بے رحمی سے کارہ کشی
اختیار کر لیتی ہے، اس لبائیں کی طرح جس کو پڑانا اور ناپسندیدہ قرار دے کر
گھورے پر پھینک دیا گیا ہو۔“

رجنی کا منت تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے مال راد کی پرداہ کے بغیر
پر بھا کر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بولی: ”بس کسو پر بھا کر جی! اب اور ذلیل نہ کرو
میں جانتی ہوں کہ بھگوان نے ہمیں دیا، ہنسی، گیانی اور وہ صدوان بنا یا ہے۔
اس سنسار میں عورت کے علاوہ بھی کچھ ہے، اپنی عقل اور علم کو اس پر
کیوں نہیں خرچ کرتے؟“

مالی راد نے غصے میں رجنی کا منت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور پر بھا کر کو
ڈانٹ دیا: ”پر بھا کر جی! یہ تم آپ سے باہر کیوں ہوئے جا رہے ہو؟ رجنی
کا منت میری محبوبہ ہے اور میں اس کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں
قتل کر سکتا ہوں۔“

رجنی کا منت نے مالی راد کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بولی: ”کیا مصیبت

ہے یہ مندر کا تہہ خانہ ہے یا نہ رکھ (جہنم) یہ تم دونوں کو ہو کیا گیا ہے؟" مالی
اڑسے کہا: "مہاراج! پر بھاکر جی جذباتی آدمی ہیں، مجھ کو نہیں معلوم کہ میرے
رے میں کس طرح سوچتے ہیں۔ کیا ان حالات میں یہ بہتر نہیں ہے کہ انہیں
پہرہ صحیح دیا جاتے؟"

اس کے بعد اس نے پر بھاکر کو بڑی محبت کی نظروں سے دیکھا ان نظروں
میں محبت کے ساتھ اتنا بھی تھی۔

مالی راؤ نے جواب دیا: "رجنی کانت میں پر بھاکر کو اپنے ساتھ اس لئے
پاتھا کہ اس کی عاتقانہ اور عاقلانہ باتوں سے تمہیں خوش کروں لیکن اس
نے تو ہم دونوں ہی کو اداس اور غمزدہ کر دیا۔ اس لیے اب اس کا یہاں سے
ہٹا جانا ہی بہتر ہے۔"

رجنی کانت، پر بھاکر سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ اس نے ایک مرد
بھری اور کہا: "امنوس کہ میں پر بھاکر جی کی عالمانہ اور عاقلانہ باتوں سے
بھہرے کے لئے محروم نہیں ہوئی گی؟"

پر بھاکر کو اپنے شانوں پر سرد بال دوش محسوس ہو رہا تھا، بولا: "جنی
انت! امنوس کہ اب تو سرد آہ بھری ہے، بہتہ نہیں یہ ٹھنڈی سانس کس کے
لیے تھی لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں، تیرا پہلا مطلوب بہت سہا ہے، دوسرا
تو مطلوب تیری زیادہ میں ہے، تیسرے کا مجھے علم نہیں، ہو سکتا ہے وہ میں پوری
ات ہو اور تو نے ٹھنڈی سانس میرے ہی لیے بھری ہو؟" اس نے بعد وہ
یک دم مالی راؤ سے مخاطب ہو گیا، بولا: "مہاراج! اگر میں اپنے عقلی تجربے میں
لطی نہیں کر رہا اور میرے اندازے بالکل درست ہیں تو عورت ذات کے متعلق
میں یہ عجیب و غریب انکشاف کر رہا ہوں کہ عورت کو ذہن کسی اور کی ہوتی ہے،
ناؤف سے پیار کسی اور سے کرتی ہے لیکن ٹھنڈی سانس کسی تیسرے کے لئے
بھرتی ہے۔"

مالی راؤ نے طنزاً پوچھا: "تو تم خوش ہنسی سے یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ رجنی
انت نے سرد آہ تمہارے لیے بھری تھی؟"

پر بھاکر نے جواب دیا: "مہاراج! میں نے یہ نہیں کہا کہ رجنی کانت نے
میرے لیے ٹھنڈی سانس بھری تھی، شاید میں اپنے دل کی بات صحیح طور سے

کہہ نہیں سکا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ عورت وہ عجیب و غریب شے ہے جو کسی ایک سے تو باتیں کرتی ہے دوسرے کو اضطراب کی نظروں سے دیکھتی ہے اور اس کا دھیان ہوتا ہے کسی تیسرے کی طرف جس کو وہ دل ہی دل میں رہنے دیتی ہے! پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ ”مگر کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون ہے جسے عورت دل سے چاہتی ہے؟“

مالی راڈ نے محسوس کر لیا کہ اگر پر بھا کر کچھ دیر اور رکاوٹ اندریں ہی باتیں کرتا رہا تو رجنی کانت کی حالت غیر ہو جاتے گی اور پر بھا کر اپنی پتر اثر باتوں سے رجنی کانت کا دل جیت کے گا۔ اس نے پر بھا کر کو حکم دیا کہ ”تم فوراً باہر دروازے کے پاس چلے جاؤ اور وہیں میرا انتظار کرو!“

پر بھا کر دل شکستہ اندر قدم لے کر دیکھ، مست و مخمور شرابی کی طرح تھر تھانے سے نکل کر دروازے کے پاس چلا گیا۔ بے بسی اور مجبوری کے متحرک مگر بے جان مجسمے کی طرح۔ دروازے کو اس کے ستے اندر جھانکے ہوئے چہرے سے پریشانی گذر رہی تھی کہ مالی راڈ نے اس کی کسی بات سے ناراض ہو کر کوئی بھیانک اور مدوح فرسا فیصلہ نہ دیا ہے۔ اس نے تسلی دی کہا۔ ”پر بھا کر جی! خانت رہو، صبر کرو، تم بد قسمت انسان ہو، تمہیں عقل اور علم کی دولت تو بہت زیادہ مل گئی ہے لیکن اس سے کام لینے کا سلیقہ نہیں ملا۔ اگر مہاراج نے تمہارے بارے میں کوئی تکلیف دہ فیصلہ سنا دیا ہے تو میں تمہیں فیصلہ بدل دینے پر آمادہ کر لوں گا، تم مت پریشان ہو!“

پر بھا کر نے جواب دیا۔ ”نہیں دروازے کا سچا ایسی کرفی بات نہیں!“ پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا، بولا۔ ”دروازے کا جی! میں بہت دیکھی انسان ہوں، بہت ہی غمزدہ، میرے لیے گمان، بد قیامت اور بد بھائی کی افراط مصیبت بن گئی ہے۔ اسے کاش میں نادان ہوتا تو بہت خوش ہوتا!“

لیکن دروازے کا اس کی باتیں نہیں سمجھ سکا۔ وہ پر بھا کر کی صورت ہی دیکھتا رہ گیا۔

پر بھا کر کے چلے جانے کے بعد مالی راڈ نے رجنی کانت کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور پر بھا کر کے سزا کو نازل کرنے کی کوشش میں بولا۔ ”رجنی کانت تو نے پر بھا کر کی باتیں سنیں یہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتا، یہ عورت سے اس لئے

ناخوش ہے کہ یہ اپنی زہریلی باتوں کی وجہ سے کسی عورت کا دل نہیں جیت سکا۔
 میں ماح بھون والیس جا کر اس کو بدترین سزا دوں گا۔ اس نے تیرا دل دکھایا ہے
 اس نے ناقابل معافی جرم کیا ہے۔ میں اس کو معاف نہیں کرؤں گا۔

لیکن راجنی کانت نے اس کی سفارش کی، بول: ”مہاراج! اس کو معاف کر
 دو! اس کے سر کی ہڈی کے پنج میں جو قیمتی چیز موجود ہے اگر وہ کسی طرح برباد
 ہوگئی تو سندھ اس سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گا۔“

مالی راج نے اگلات کے کشی راجنی کانت کے حوالے کیے اور پھر دونوں ہی
 نے تہہ خانے کی فضا کے سوا سب کچھ فراکش کر دیا، سب کچھ بھلا دیا۔

راج بھون سے دُور، مقدس ماحول کے تہہ خانے میں جو کچھ ہورہا تھا
 اہلیا بال اس کی بابت سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ وہ اپنے راج بھون کے مندر میں
 شیروہی کی سورت سے یہ درخواست کر رہی تھی کہ ”ہے شہوہی! میرے مالی راج پر
 کرم کر دو اور اس کو کام کا بنا دو۔“

رات گئے مالی راج پر بھاکر اور دوارہ کل کے ساتھ واپس آنے کے لئے مندر سے
 باہر نکلا تو پردہ ہست نے مال راج کا ہاتھ روک لیا۔ وہ فکر مند اور غیر مطمئن تھا۔ اس
 نے ایک بار پھر مالی راج کو اس کا وعدہ یاد دلایا: ”مہاراج کل میں کس وقت آؤں گا؟“
 مالی راج نے جے جی سے جواب دیا: ”سہ پہر کرہ پر دست جی! سو نے چاندی
 کا لوبھ من سے نکال دو۔ ویسے میں اپنا وعدہ پورا کر دوں گا۔“

مالی راج اپنے رتھ پر جا بیٹھا، دوار کا اور پر بھاکر دوسرے رتھ پر چلے
 گئے۔ پر بھاکر کی نظریں مندر کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ راجنی کانت کو
 تلاش کر رہی تھیں۔ وہ بہت ادا اس اور مالو میں تھا۔ دل سے جینے کی خواہش
 رخصت ہو گئی تھی۔ وہ مالی راج سے ذرا بھی خوفزدہ نہ تھا۔ اب وہ مالی راج
 کی چاکری سے بھی بیزار ہو چکا تھا۔

اس وقت مالی راج بڑی تنگ میں تھا۔ اس کا رتھ آگے بھاگتا تھا۔ اس نے دیکھ
 بان سے گھوڑے کی اس اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اس کی جگہ جا بیٹھا۔ اس نے
 گھوڑے کی رفتار کم کر دی یہاں تک کہ پر بھاکر کے رتھ کو اپنے رتھ کے برابر آ
 جانے کا موقع دیا جب دونوں رتھ برابر برابر آ گئے تو مالی راج نے پر بھاکر کو چھیڑا۔
 ”پر بھاکر جی! تم نے اپنے حسد کا جس طرح اظہار کیا تھا، میں اس پر تمہیں قتل کر سکتا

نہا لیکن انہوں نے کہ رجنی کانت نے سفارش کر دی کہ میں تمہیں معاف کر دوں۔
 پر بھاکر نے کہا: ”مہاراج! تم مجھے قتل کر دو۔ میں زندگی سے بیزار ہوں۔ اگر تم مجھے قتل نہیں کر سکتے تو مجھے چاکری سے نکال دو۔ کیونکہ جس راج میں غم کی بات پر عمل کیا جا رہا ہو، وہاں کسی دروہوں کا رہنا ذلت ہے۔“

مالی راج نے کہا: ”چند دن صبر کر دو پر بھاکر جی۔ بس چند دن اور۔ میں رجنی کانت کو اپنے راج بھون میں لانا چاہتا ہوں۔ جس دن وہ میرے پاس آجائے گی میں تمہیں کو اپنے راج پاٹ سے ڈور کر دوں گا۔“

کچھ دیر بعد دونوں رات راج بھون میں داخل ہو گئے۔ اہلیا بانی کھڑکی سے دروازوں کو داخل ہونے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل مردہا تھا۔ راج نے پر بھاکر کو حکم دیا۔

”پر بھاکر! تم میری ماں کے پاس نہیں جاؤ گے، اگر وہ بلائے تب بھی نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے نکش میں ایک تیرا اس وقت بھی ہے۔ تم میری ماں سے وہ باتیں کہہ دو گے جنہیں نہیں کہنا چاہیے۔“

پر بھاکر کوئی جواب دیتے بغیر رات سے اتر کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ۱۔
 نے اپنے بستر پر گر کر بڑی دیر تک سوئے کی کوشش کی۔ لیکن نیند نہ آئی۔ وہ نصیحتیں رجنی کانت کو اپنے سامنے کھڑا کر کے شکایتیں کرنا چاہتا تھا۔ اول تو رجنی کانت کا خیالی پیکر آنے سے ہی کچھ رہا تھا اور اگر چند نانیوں کے آنا بھی تو شوخی سے پر بھاکر کا منہ چڑا کر فالتب ہو جاتا۔ بستر پر بھاکر کو دھکا دے رہا تھا۔

رات کے پچھلے پہر راج بھون کے مندر میں اہلیا بانی نے پر بھاکر کو طلبہ کر لیا۔ اس وقت اہلیا بانی کی آنکھوں سے غم ٹپک رہا تھا۔ وہ شیدہ جی کی موتی سامنے دوڑا تو بیٹھی تھی۔ پر بھاکر کو اشارے سے حکم دیا کہ اس کی طرح وہ بھی شیدہ کے سامنے دوڑا تو بیٹھ جائے۔

پر بھاکر نے حکم کی تعمیل کی۔ اہلیا بانی نے شیدہ جی سے کہا: ”شیدہ جی! اب تم نے مجھے روکا دیا ہے یا شیطان۔ میں مالی راج سے تنگ آ گئی ہوں۔ اگر میرے دکھ کا تم نے اپنا تے نہیں کیا تو ہم دونوں میں سے کسی ایک کو یوم و یو ملک الموت کے حوالے کر دو، مجھ کو یا مالی راج کو۔“

پر بھاکر اہلیا بانی کی درد مندار نہ درخواست سے تڑپ گیا، کیونکہ اس سے اس کا اپنا زخم سہرا ہونگیا تھا۔

اہلیا بانی نے اچانک پر بھاکر سے پوچھا: ”پر بھاکر! تو رات بھاٹ خانہ کا عقلمند ارادہ کا بندار جو ان ہے سچ بتا یہ مالی راؤ کہاں گیا تھا؟“

پر بھاکر نے مالی راؤ کے خوف سے اپنے آس پاس ادھیچھ مڑ کر دیکھا۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا گویا مالی راؤ اس کے پیچھے کھڑا فہر کی نظروں سے گھور رہا ہے۔ وہ خاموش رہا اور رحم طلب نظروں سے اہلیا بانی کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔

اہلیا بانی نے بہر دعا دی: ”پر بھاکر! اگر تو خاموش رہا تو میں تجھے ایسا لہرپ (بہر دعا) دوں گی کہ تو جنم جنم غلاب جھیلتا رہے گا“

پر بھاکر گھڑا گیا اور اس نے سب سمجھ بتا دیا۔ آخر میں کہا: ”انی جی! شیو جی کی داسی رحمتی کانت کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا، اب میں اپنی چاکری چھوڑنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی جاتے“

اہلیا بانی نے اپنا سر پیٹ لیا: ”شیو جی! ہم خاموش کیوں ہو؟ اب مالی راؤ اتنا کر گیا ہے کہ تمہاری داسی تک تو نہیں بخننا“

پر بھاکر نے اہلیا بانی کے پاؤں پکڑ لئے: ”مقدس خاتون! مجھے معاف کر دیں میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں“

اہلیا بانی نے شفقت سے پر بھاکر کے سر پر ہاتھ پھیرا پوچھا: ”یہ پروہت کیسا آدمی ہے جو مندر میں ایسا پاپ کر رہا ہے؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”مہارانی جی! اس کو سونے چاندی کی بوجھ نے اندھا کر دیا ہے“

اہلیا بانی نے پروہت کو بہر دعا دیا: ”بھگوان! اسے غارت کر دیں“

اس تک بعد اہلیا بانی نے پر بھاکر کو تسلی دی: ”سمجھایا۔“ پر بھاکر! تو وہ صحران ہے، میں جانتی ہوں کہ تو ذلتوں کے پنج میں زبردستی رہ رہا ہے۔ تو گناہی ہے مگر جرائم تو میں نے پر مجبور ہے تو اگیانہ کے مزکھ میں بسا دیا گیا ہے لیکن تو چند دن صبر کر۔ میں اس جہالت کے راج بھون سے دیکھا اگیانہ کے سودیہ کو

کسی حال میں نہیں جانے دوں گی“

پر بھاکر نے درخواست کی: ”مقدس خاتون! اب میں یہاں ایک ہی سڑپ

پہرہ سکتا ہوں، تنہا مانی راؤ کو مندر جانے سے روک دو گی۔ میں شہسوجی کی
 داسی رجنی کانت کی آہرہ دیا مال ہوتے نہیں دیکھ سکتا اگر پھر ایسا ہوا تو میں
 اپنی جان دے دوں گا۔ کیونکہ میں مندر کی حدود میں اتنا بڑا پاپ برداشت
 نہیں کر سکتا۔“

اہلیا بانی نے رقت سے جواب دیا۔ ”پر بھاکر، میں وعدہ تو نہیں کروں گی لیکن
 کوشش کروں گی کہ مانی راؤ کو اس کے شیطانی کاموں سے روک دوں۔“
 کچھ دیر بعد دونوں شہسوجی کے سامنے سے ہٹ کر ایک گوشے میں چل
 گئے۔ وہاں اہلیا بانی نے ایک بار پھر وہ تفصیل سنی جو پر بھاکر مندر میں دیکھ آیا
 تھا۔ اہلیا بانی کا چہرہ نرودو بڑ گیا۔ وہ کانپ گئی۔ بولی۔ ”پتہ نہیں، مانی راؤ کے پاپ
 کی ہمیں کیا سزا ملے؟“

دونوں جیسے ہی مندر سے نکلے، اودمانے کے باہر کسی نے ان دونوں کو
 روک لیا۔ اندھیرے میں روکنے والے کو پہچانا نہیں جاسکا۔ اہلیا بانی نے سختی سے
 کہا۔ ”تم کون ہو گستاخ؟ میرا سہ چھوڑو ورنہ سزا بھگتو گے۔“
 لیکن راستہ روکنے والا کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ یہ مانی راؤ مستحاج
 پر بھاکر اور اہلیا بانی کی باتیں سن چکا تھا۔ وحشیانہ مقدمہ لگایا اور کہا: ”ماں جی!
 میں یہاں کا لاجہ ہوں اور اندور کی ہر چیز پر میری حکومت ہے۔ میرا ہر فعل اور
 ہر لفظ قانون ہے۔ میرے معاملات میں تم سمیت کوئی بھی دخل نہیں دے سکتا
 یہ میری بات ہے نہیں میرا حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل تم بھی اسی طرح کرو گی جس
 طرح دوسرے عام و خاص کرتے ہیں۔“

اہلیا بانی اپنی اہانت برداشت نہ کر سکی، مشتعل ہو کر بولی۔ ”مانی راؤ تو
 سانپ ہے، میں تجھے ایسا سراپ دوں گی کہ تو زندگی بھر پریشان رہے گا اور بعد
 میں کئی جنم دکھ جھیلے گا۔“

مانی راؤ نے غصے سے کہا۔ ”کوئی پردہ نہیں، میں تمہارے سراپ کو بھی دیکھ
 لوں گا۔“ پھر پر بھاکر سے کہا۔ ”اولاچی اور موقع پرست مارو بھات۔ کیا میں نے
 تجھے منع نہیں کیا تھا کہ تو میری ماں سے نہیں ملے گا۔“

مانی راؤ دونوں کو ہٹا بھٹا چلا گیا۔ پر بھاکر نے اہلیا بانی سے کہا ”مقبول
 غائون! اب کیا ہو گا؟“

اہلیا باقی بہت شرمندہ تھی، خفت مٹانے کے لئے بولی: ”کچھ بھی نہیں
 تو بے فکر رہ، میں بہت جلد اس کا علاج کر دوں گی۔“
 دونوں بو جھل قدموں سے اپنی اپنی رہائش گاہوں میں چلے گئے۔ لیکن
 خوف اور دھڑکوں کے ساتھ۔ اہلیا باقی مانی راؤ کو سدھارنے کے منصوبے اور
 تدبیریں سوچنے لگی۔ پر بھاکر اپنے حشر کا اندازہ لگا رہا تھا۔

★

★

★

ابھی وہ سو کر بھی نہیں اٹھا تھا کہ رجنی کانت اور پردہت رختہ میں سڑا
 راج بھون میں داخل ہوتے۔ دونوں کا پہلا آنا سامنا پر بھاکر ہی سے ہوا۔
 پردہت تو بہت خوش تھا مگر رجنی کانت شرمندہ تھی۔ وہ پر بھاکر سے نظریں
 نہیں ملا رہی تھی۔ پر بھاکر نے نفرت اور غصے کے باوجود رجنی کانت کو پیر شوق
 نظروں سے دیکھا۔ رجنی کانت نے پر بھاکر سے شکایت نہ کہا۔ ”پر بھاکر سچی!
 کل خوب خوب ذلیل کیا تم نے؟ کہہ دو! کی بھڑاس نکالنے کے بعد تمہیں نیند تو
 بہت اچھی آتی ہو گی؟“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! میں نے تمہیں ذلیل نہیں کیا تھا۔
 بلکہ سچی باتیں بتائی تھیں۔ افسوس کہ تم پاپ کم کے بھی شرمندہ نہیں۔ اب میں یہ
 سوچتا ہوں کہ کل میں نے جو کچھ غصے میں کہا تھا، درست تھا اور مجھ کو اس پر
 شرمندہ نہیں ہونا چاہیئے۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”میں تمہیں شرمندہ کرتے نہیں آئی ہوں۔ پردہت
 سچی تنہا آپ سے تھے مگر میں ان کے ساتھ نہ بددستی آگئی۔ صرف اس لئے کہ مانی راؤ
 کہیں تمہیں قتل نہ کر دے۔“

پر بھاکر نے کہا۔ ”رجنی کانت! تمہارا شکریہ۔ لیکن میں موت سے نہیں
 ڈرتا۔ اگر تم میری زندگی کے لئے یہاں آتی ہو تو واپس چلی جاؤ۔ میں تمہاری سفارش
 کے عوض زندہ رہنا پسند نہیں کر دوں گا۔“

لیکن رجنی کانت نے اس کی بات نہیں مانی، بولی: ”اس معاملے میں میں
 تمہاری بات نہیں مانوں گی۔ میں بدھی، گیان اور دیو دیا کو غصے کی نذر نہیں ہونے
 دوں گی۔ پر بھاکر سچی! میں تمہاری عزت کرتی ہوں، تم میری عزت کر دیا نہ کر دے۔“

راج بھون میں مالی راؤ اور دھنی کانت کے ہوس انگیز عشق کی کہانی کسی ننگ مشہور ہو چکی تھی۔ بھون کی واسیاں اور داس پر دھت اور دھنی کانت کے گم دکھیوں کی طرح منظر لانے لگے۔ مالی راؤ ان کی آمد سے بے خبر تھا لیکن اس جیسے ہی یہ خبر ملی وہ ان کے پاس خود ہی پہنچ گیا۔ اس نے پر دھت کو خشمگیر نظروں سے دیکھا بولا۔ ”پر دھت جی! میں نے تمہیں سہ پہر کو بلایا تھا“
 پر دھت نے جواب دیا۔ ”مجھ کو یاد ہے، لیکن اس وقت میں وعدہ کی یاد دہانی کرانے آیا ہوں“

مالی راؤ نے دھنی کانت سے پوچھا۔ ”اور تم۔ تم کیوں آئی ہو؟“
 دھنی کانت نے جواب دیا۔ ”تم نے پر بھاکر کی بابت کیا فیصلہ کیا۔ مہاراج؟“
 مالی راؤ نے کہا۔ ”ابھی تو کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن آج فیصلہ ضرور کر دوں گا۔“

دھنی کانت نے کہا۔ ”مہاراج! اگر تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ ہے تو میں اس کا واسطہ دے کر یہ بنتی کر دوں گی کہ پر بھاکر جی کو معاف کر دیا جائے۔ مالی راؤ کوئی جواب دینے کے بجائے ان دونوں کو اپنے ساتھ اپنے دیوار خانہ میں لے گیا۔ وہاں اس نے پر دھت کی ایک بار پھر خبر لی بولا۔
 ”پر دھت جی! بتاؤ تو سہی تمہارا بھگوان اور شیو جی تمہیں یہ کیوں نہیں بتاتے کہ پوچھا اور یا اجال بڑی بڑی چیزیں ہیں۔ جب میں نے تم سے سہ پہر کا وعدہ کر لیا تھا تو تم اس وقت راج بھون میں کیوں آ گئے؟“
 پر دھت نے جواب دیا۔ ”مہاراج! میرا حصہ دار مجھے تنگ کر رہا ہے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ مہاراج مجھ کو جو کچھ دینا چاہتے ہیں۔ اسی قدر دے دیں؟“

مالی راؤ نے کہا۔ ”ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے، بالکل ہو سکتا ہے۔“ اس کے بعد مالی ناڈ شے تالی بجا کر خدمت گاروں کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ ہر خدمت گار راج بھون میں اعلان کر دے کہ آج مہاراج مالی راؤ وان پن کر نے والے ہیں اس لئے جس کسی کو یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہو ادیلا خانے میں آجائے۔“

ہمدہت جی نے گھبرا کر کہا: ”تو کیا مہاراج مجھ کو جو کچھ دیں گے سب کے سامنے دیں گے؟“

مالی راجہ نے جواب دیا: ”ہاں ہمدہت جی، اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ تم فکر نہ کرو، تمہیں تمہارا معاوضہ مل جائے گا اور جو لوگ یہ منظر دیکھیں گے ان کے حوصلے بڑھیں گے اور وہ میری دفا داری کا دم بھرنے لگیں گے؟“

ہمدہت جی نے آہستہ سے کہا: ”لیکن ایسا اگر نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ ویسے مہاراج کی مرضی جیسا چاہیں کریں؟“

بلورے راج بھون میں دھوم مچ گئی کہ مالی راجہ شیو جی کے بڑے پجاری اور ہمدہت کو دان دینے والا ہے۔ اس خبر نے اہلیا بانی کو بھی خوش کیا لیکن دل میں ایک پھانسی چھو رہی تھی۔ وہ دان کو رجنی کانت کا معاوضہ سمجھ رہی تھی۔ پر بھاکر بھی یہی سمجھ رہا تھا اور اس تقریب سے اس کے دل پر چوٹ لگ رہی تھی۔ وہ مل جانا چاہتا تھا مگر یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ اس میں شامل نہ ہوا تو مالی راجہ کا اس پر عتاب ضرور نازل ہوگا۔

مالی راجہ نے ہمدہت اور رجنی کانت سے کہا کہ میں کچھ دیر تک تقریب کی تیاریوں میں مشغول رہوں گا۔ تم دونوں پر بھاکر کی عافیت باتیں سنو، ممکن ہے وہ کوئی ایسی بات بھی کہہ جائے جس سے آئندہ زندگی میں فائدہ حاصل ہو جائے؟“

لیکن پر بھاکر کا غمزدہ دل تنہائی چاہتا تھا۔ وہ رجنی کانت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ اسے ہمدہت سے بھی چمڑ تھی، نفرت تھی۔ لیکن مالی راجہ کے حکم سے فراغتیا کر نے کی طاقت اس میں نہیں تھی۔ مجبوراً ان دونوں کے سامنے بیٹھا رہا۔ رجنی کانت نے پر بھاکر کو چھیڑا۔

”پر بھاکر جی! تم ہر وقت اداس اور مایوس کیوں رہتے ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”تم خوب جانتی ہو کہ رجنی کانت کہ میں ہمیشہ سے اداس اور مایوس نہیں ہوں اور یہ بھی جانتی ہو کہ اب میں اداس اور مایوس کیوں ہو گیا ہوں؟“

ہمدہت نے مسکرا کر پر بھاکر کو نصیحت کی: ”پر بھاکر جی! تم پریشان

باتیں اپنے سینے ہی میں محفوظ رکھو گئے۔ نبھی تو میں نے اتنی صاف صاف باتیں کر لی تھیں
 پر بھاکر اے دل سے ہو کہیں اٹھ نہ جی تھیں۔ سحرانگیز، پُر کیف اور لطیف
 اتنی زبانی ہمارے جی میں آئی کہ اسی مجسمہ کیف در عنانی کو اپنے دل سے لگائے۔

اس کے بعد قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاتے۔ اس کے پورے جسم میں ایک
 پراسرار سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس سنسناہٹ نے اعصاب میں کھپاؤ پیدا کر
 دیا۔ اور حیرت و اندازہ پیدا ہو گئی۔ شاید وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کچھ دیر
 کے لئے کھو چکا تھا اور وہ ایک ایسی لغزش کا مرتکب ہو جاتا، جو ذوق و فطرت
 کی مدد سے لغزش کے بجائے جسم اور روح کا تقاضا ہوتی۔ اور مایا راؤ اور پروہت
 کا نظر میں ناقابل معافی جرم اور انتہائی گھناؤنا پاپ اور بدترین برائی تھی۔ مگر
 ماحول میں ایک دم اندراج تک پیدا ہو جانے والی بے چینی اور انتشار نے پر بھاکر
 سمیت سبھی کو چوکنا کر دیا۔ ان کی نظر پر مددگار کے کی طرف اٹھ گئیں۔ اسی وقت
 کمرے میں اہلیا بانی اپنی داسیوں کے جھرمٹ میں داخل ہوئی۔ پر بھاکر اور پروہت
 نے اس مقدس خاتون کو سلام کیا۔ رجنی کا منت نے بھی سلام کیا لیکن اس کے سلام
 میں چپکلیا ہٹ اور احساس گناہ کی جھجک تھی۔ اہلیا بانی نے پر بھاکر اور پروہت
 کو نو سرسری نظر سے دیکھا۔ مگر رجنی کا منت پر نظر میں مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ تیر کی نوک
 کی طرح جس کی چھین رجنی کا منت اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس
 کمرے سے بھاگ کھڑی ہونا چاہتی تھی۔ مگر بھاگنے کے بجائے سمٹ کر رہ گئی۔
 اہلیا بانی رجنی کا منت کے پاس اسی کے مقابل جا کھڑی ہوئی اور اس کے
 حسن اور اس کے گماڑ جسم کا بغور جائزہ لینے لگی۔ اس کے جسم کے زیر اہلیا بانی
 کی نظروں میں چمکا چونکر پیدا کر رہے تھے۔ جھکی ہوئی لشیلی بڑی بڑی آنکھیں
 رجنی کا منت کے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو دیکھ رہی تھیں۔

اہلیا بانی نے رجنی کا منت کے کانٹھے پر ہاتھ رکھ کر ملا دیا بولی۔ "تو یہ تم
 ہو شیرو جی کی داسی جس نے میرے بیٹے مایا کو پیا گل کر دیا ہے؟"

رجنی کا منت کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔ پروہت نے رجنی کا منت کی
 طرف سے جواب دیا۔ "نہ پوسی! رجنی کا منت کے حسن نے شیرو جی کو بھی نہ پراکھا ہے
 مایا راؤ جی تو محض انسان ہیں۔"

اہلیا بانی نے تڑپ کر کہا۔ "پروہت جی اگر تم بہر حسن نہ ہو تے اور بہر حسن

کو سزا دینا پاپ نہ ہوتا تو میں تمہیں اتنی عبرتناک سزا دیتی کہ دیکھنے والے کانپ جاتے۔ مندر کی مقدس فصائیں تمہاری موجودگی، مرضی اور منظوری سے جو کچھ ہو گیا۔ اس کی تمہیں جلد یا بدیر کوئی سمجھانگ منظر درملے گی؟

پروہنت نے جواب دیا: ”دیوی جی! میں آپ کی عزت کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں آپ کی بے جا اور بیکارہ باتیں ہنسی خوشی شکر یہ کے ساتھ سن لوں۔ میں نے جو کچھ کیا اس پر خدا بھی شرمندہ نہیں اور میں آپ کی طرح اس کو پاپ بھی نہیں سمجھتا، میں نے جو کچھ کیا شیوہ جی کی ایما، اجازت اور حکم پر کیا۔“

اہلیا بانی اور زیادہ برہم ہو گئی۔ یہ بے شرمی، یہ ڈھٹائی۔ اپنے پاپ کو جائز قرار دینا چاہتے ہو۔ پروہنت جی! کچھ تو شرم کرو اور میرے بیٹے پر رحم کرو اسے اور پروہنت سے کام انجام دینا ہیں۔ اس کو غلط راہ پر مت لگاؤ۔“

پروہنت جی خدا بھی نہیں گھبراتے، بڑے سکون سے جواب دیا: ”دیوی جی! مجھے شیوہ جی نے خواب میں بتایا تھا کہ مائی راوہ جی اس زلزلے میں اپنے اسے اذیت ہیں۔ اگر شیوہ جی کی داسی ان کے اذیت کے حوالے کر دی تو اس میں پاپ کیا ہوا ہے؟“

اہلیا بانی نے کہا: ”مائی راوہ میرا بیٹا ہے اس کو مجھ سے زیادہ اور کون جانے گا۔ شیوہ جی کے اذیت شیطان نہیں ہو سکتا۔“

پروہنت نے اہلیا بانی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسے سمجھانے لگا: ”مقدس خاتون! غصہ آگ ہے، اس میں ہوش دھواں اور عقل اور ندر ہیر جل کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ خدا صبر کرو۔“

ایک داسی سمجھا گئی ہوئی اس طرف آئی اور اہلیا بانی کو مطلع کیا: ”دیوی جی! مہاراج اس طرف آ رہے ہیں۔“

پروہنت نے مشورہ دیا: ”بانی جی! آپ یہاں سے چلی جاتے کیونکہ اس انجم میں ماں بیٹے کا تصادم اچھی بات نہیں۔“

پروہنت جی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ انہوں نے اہلیا بانی کی گھبراہٹ مسوس کرتی تھی۔ خود اہلیا بانی پروہنت کے مشورے پر عمل کرنا چاہتی تھی لیکن مال راوہ کے خوف سے ٹل جانے میں اپنی بے عزتی بھی سمجھتی تھی۔ وہ جہاں اور جس طرح کھڑی تھی رہی۔ بلکہ اور نہ اذیت کر کھڑی ہو گئی۔

مالی رادہ چند نوجوان لڑکیوں کے جھرمٹ میں اندر داخل ہوا اس نے
 بی ماں کو سرسری نظروں سے دیکھ کر بھوم پر نظر ڈالی اور آخر میں اس کی نظریں
 رجنی کانت پر جم گئیں رجنی کانت ہی سے سوال کیا۔ ”رجنی! کیا یہاں کوئی مسجد
 بنی ہوئی ہے اور کسی اہم معاملے پر مشورے ہو رہے ہیں؟“
 رجنی کانت نے بے رغبتی سے سر ہلک کر منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔
 اب مالی رادہ اپنی ماں سے مخاطب ہوا۔ ”ماں جی کیا بات ہے خبریت تو ہے؟“
 پاپا اس کیوں کھڑی ہیں؟“

اہلیا بائی نے انہوں سے کہا۔ ”مالی رادہ! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟“
 مالی رادہ نے لڑکیوں اور رجنی کانت کو دیکھ کر کہا۔ ”دہی جو ہم سب
 یکہ ہے ہیں۔“
 اہلیا بائی نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ”مالی رادہ! میں تیری ماں ہوں مجھ سے
 دب سے بات کر۔“

مالی رادہ رجنی کانت اور دوسری لڑکیوں کو دیکھ کر مسکرایا۔ ”تم سب گواہ
 ہو کہ میں ادب سے ہی بات کر رہا ہوں۔“
 اہلیا بائی نے کہا۔ ”تم مالوے کے حکمران ہو، ملہا رادہ! ہو لکڑے کے
 بالٹین۔ اگر تم ہی فضول چکتوں میں پڑ گئے تو راج پاٹ کی ذمہ داریاں کون
 پوری کرے گا؟“

مالی رادہ نے اپنی ماں کا مذاق اڑایا۔ ”تو گویا آپ کے خیال میں میں اپنی ذمہ داریاں
 پوری نہیں کر رہا۔ اب یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر میں راج پاٹ کی ذمہ داریاں پوری نہیں کر
 سکتا تو یہ کام کون انجام دے رہا ہے؟“

اہلیا بائی نے لڑکیوں اور رجنی کانت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
 ”مالی رادہ! یہ دشمن بھی صراحیاں جنہیں تو اپنے سامنے لے پھرتا ہے اور جن کے زہر
 کو تو موسم میں سمجھ رہا ہے، یہ تجھے ہلاک کر دیں گی۔ انہوں نے بڑی جھڑپوں
 اور بڑے بڑے دھواڑوں کو کھایا ہے۔ جھگڑوں کے لئے ان سے پہلے، ان سے
 پہلے کر۔“

پس بدھت اور رجنی کانت ماں بیٹے کی گفتگو سے بڑا غصہ اٹھا رہے
 تھے۔

مالی راؤ نے ایک لڑکی کو کھینچ کر اپنے چہرے کے سامنے کر لیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا: "ماں جی! ان آنکھوں میں اگر آپ میری آنکھوں میں دیکھیں تو یہاں رنگ و بو، کیف و سرور اور لذت و لطافت کی دنیا جس نظر آتی ہے۔ جوانی اور احتیاط کہیں بھی ایک سانچہ جمع ہوئے ہیں اور جب ان دونوں میں اختلاہ اور اختیاء بھی شامل ہو جائے تو پھر کچھ کہنا ہی کیا۔" پھر ایک دم پر بھا کر کوئی خطاب کیا۔ "کیوں دو دھوان جی تمہارا کیا خیال ہے؟"

اہلیا باقی نے رد کر جواب دیا: "مالی راؤ! تو اپنی ماں کی بے عزتی کر رہا ہے، تو تو پاگل ہو گیا ہے۔" پھر گڑ گڑانے لگی۔ "ہے شیو جی! مجھے تو تم نے بیٹے کی بجائے شیطان دے دیا، میں اپنے سرم کا رونا کس کے آگے ر دوں؟"

مالی راؤ نے پر بھا کر سے کہا: "پر بھا کر جی! بھگوان تمہیں ہمیشہ دکھی رکھیں، تم نے میری ماں کو خوب دغلا یا ہے، یہ میری ماں جو کچھ کہہ رہی ہے ماں کی زبان میں پر بھا کر بولی جا رہی ہے۔ دو دھوان جی! اب بھی سنبھل جاؤ ورنہ وہ سزاؤں کا گم بہت ماری سبیل میں مار دیکھیں جی۔"

پر بھا کر کھسیا کر رہ گیا، جتنی کاشت نے پر بھا کر کی وکالت کی "مہاراج! تم بہر بات میں اس جذباتی دو دھوان جی کو کیوں گھسیٹ لیتے ہو؟"

پرودھت جی نے کہا: "شاید اس لئے کہ پر بھا کر جی اپنے گیان اور دو دھوان جی دولت ہر جگہ مفت تقسیم کرتے رہتے ہیں۔"

مالی راؤ ہر ایک سے بے نیاز اپنے خیالوں میں گم تھا۔ پرودھت جی سے اچانک مخاطب ہوا۔ "پرودھت جی خوش ہو جاؤ، کچھ دیر بعد تمہیں دان کی سبھا میں بنا سنوار کر کھڑا کر دیا جائے گا اور تم دیکھتے ہی دیکھتے بہتوں کے رشک و حسد کا شکار ہو جاؤ گے۔"

پرودھت جی نے بے اختیار وحادی: "ہے شیو جی! اپنے اوتار مالی راؤ کو سداً خوش رکھنا۔ کیونکہ اگر یہ ہے تو تمہارا بھی راج ہے مگر کچھ بھی۔۔۔۔۔"

اہلیا باقی مدتی ہوئی کہہ گئی: "مطلب پرستوں کی جھوٹی باتوں نے میرے بیٹے کے دل و دماغ کو سمیت لیا ہے۔ اب اس پر بھگوان جی رحم کریں تو کر رہا ورنہ اس کو انسان ٹھیک نہیں کر سکتے۔"

اہلیا باقی کے جانے ہی پرودھت جی نے خوشی سے نعرہ لگایا: "وہ گیا مال"

اندیش بڑھایا۔ اس کا راج پاٹ میں کیا کام؟
 مانی راؤ نے وہی آواز میں کہا۔ ”وہ میری ماں ہے، تم لوگ تو اس کا احترام
 کرو، خبردار جو کبھی تم لوگ۔۔۔“

لیکن پھر بھاکر پرموہت جی اور رجنی کانت، سبھی کو دیکھ رہا تھا اور انہیں
 بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے مانی راؤ کے لہجے میں چھپے ہوئے مذاق اور طنز
 کو بھی سمجھ لیا تھا۔ پورے سبھا اہلیا باقی کا مذاق اڑا رہی تھی پھر بھاکر نے آگے
 بڑھ کر عرض کیا۔

”مہاراج! ماں جی کا ادب کرو تاکہ یہ سب بھی ان کا احترام کریں۔ وہ نالائض
 رہتی ہوئی چلی گئی ہیں تم انہیں مذاکر معافی مانگ لو تاکہ بھگوان خوش ہو جائیں؟
 مانی راؤ نے پھر بھاکر کی گڑھی پھر چپٹ رسپیڈ کی۔ ”اب چپٹ ہو جا بھو اسی،
 کیا ٹیڑھ لگا رکھی ہے تو نے، بڑھا پا حسد سے جوانی کے ارد گرد دیوار میں کھڑی کرنا
 چاہتا ہے، میں ان دیواروں کو اٹھانے ہی کیوں دوں؟“

رجنی کانت اپنی جگہ سے چل کر پھر بھاکر کے پاس آگئی اور سرگوشی میں کہا۔
 ”پھر بھاکر جی! تم اپنے پیچھے کیوں پڑے ہو تم نے؟“

مانی راؤ نے یہ سب دیکھ لیا رجنی کانت سے پوچھا۔ ”یہ تو اسے کیا سکھا
 رہی ہے؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”اسی مہاگنی اور مہاگانی کو میں کیا سکھاؤں گی۔
 میں تو اس سے یہ کہہ رہی تھی کہ تو خود کو دوسروں پرم کیوں چڑھاتے دے سہا
 ہے بس اپنی فکر کر؟“

مانی راؤ نے بھی محبت اور خوش میں پھر بھاکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر بھاکر جی!
 میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں وہ ماسنا دکھاؤں کہ ہنسنے ہنسنے ٹوٹ پوٹ ہو جاؤ گے۔
 میرے ساتھ چلو۔“ پھر ہمدست سے کہا۔ ”پرموہت جی! میں نے تمہارے لئے اس سے
 نہیں زیادہ رکھا ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کر لیا تھا جو تھے، کپڑے اگر سستی کا
 بچہ سامان اور مدپے، دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے؟“

پرموہت نے وحادی۔ ”مہاراج! برہمن کر خوش کر دے تو بھگوان
 بھی خوش ہو جائیں گے؟“

مانی راؤ بولا۔ ”پرموہت جی! میں نے اس تقریب میں پورے مندر کو بلایا

ہے۔ تم نے میرا جس طرح سائنہ دیا ہے۔ اس کا یہی تقاضا تھا کہ میں تمہاری عزت اور شان میں اضافہ کروں۔“

رجنی کانت نے پوچھا: ”اور مہاراج! مجھے کیلے گا؟“

مالی رات نے مسکرا کر کہا: ”مجھے شیوجی کا ذرا ملے گا۔“

کچھ دیر بعد یہ قافلہ کمرے سے نکل کر راج بھون کے اس ہالی کی طرف چل دیا۔ جو اس تشریب کے لئے آنا فانا سجا دیا گیا تھا۔

✱

✱

✱

مالی رات کا سنگھاسن سب سے اونچا تھا۔ اس کے آس پاس اور سچے موز چھل بردار داسیاں موز چھل کو ہڈا ہڈا کر مکھیاں اڑا رہی تھیں۔ رجنی کانت، مالی رات کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ ہر دھت جی کے لئے نسبتاً چھوٹا سنگھاسن رکھ دیا گیا تھا جس کے سامنے کھڑے، مالی رات کی اجازت کے منتظر تھے۔ راج سنگھاسن کے بالکل سائے ایک تخت بچھا تھا اور اس پر خوبصورت چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ اس چاندنی پر تین تین بڑے بڑے صندوق رکھے تھے جو بند تھے۔ ان سب کے سامنے کافی دور تک لوگوں کا جھوم تھا۔ مالی رات نے ہر جگہ کو صندوق کے پاس رکھ کر دیا تھا معلوم نہیں کیوں، کسی کے بلاتے بغیر ہی اہلیا بالی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اور مالی رات کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

مالی رات نے ہنس کر کہا: ”مجھ کو معلوم تھا کہ ماں جی ضرور آئیں گی، سو آگئیں۔“

لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ ماں جی اس کے پیچھے کھڑی رہی، رجنی کانت نے سرگوشی میں کہا: ”مہاراج! ماں جی کا احترام کرو اور ان کے لئے سنگھاسن چھوڑ دو۔“

”ہنس! مالی رات نے جھٹک دیا۔“ اگر آج میں اپنا سنگھاسن چھوڑ دوں گا تو کل مجھے راج پاٹ چھوڑنا پڑے گا۔ میں اتنی مروت نہیں کر سکتا۔“ ہر دھت جی کی بے چینی قابلِ دید تھی۔ ان کی نظریں تخت پر رکھے ہونے والے صندوقوں پر جمی ہوئی تھیں۔

کچھ دیر بعد مالی رات نے ہر دھت جی سے کہا: ”ہر دھت جی! انتظار کی

کھڑیاں ختم۔ اس کے بعد اس نے حاضرین کو مخاطب کیا اور ان کے سامنے پردہ کی بڑی تعریفیں کی اور کہا۔ ”پردہ ہمت جی! میں آج تمہیں اتنا بڑا اور اہم مقام دوں گا کہ دنیا جلنے لگے۔“

پردہ ہمت جی نے شرمناکہ عرض کیا۔ ”مہاراج! میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اور اگر کیا تو وہی کیا جو میرا فرض تھا، میری فہم داری تھی۔ اس سے زیادہ تو میں نے کچھ نہیں کیا۔“

مالی راجہ اس کی باتیں دلچسپی سے نہیں سن رہا تھا۔ وہ رجنی کا منت کو لئے ہوتے کھڑا ہو گیا۔ اس کی اتبا سے میں ہر کوئی کھڑا ہو گیا۔ رجنی کا منت کے شانے پر رہنا ہاتھ رکھ کے وہ آہستہ آہستہ صندوق کی طرف بڑھا اس کے پیچھے پیچھے پورے ہزار داسیاں اور اہلیا بانی چل رہی تھیں۔ اس نے چلتے چلتے اچانک پیچھے مڑ کر ان کو مخاطب کیا۔ ”ماں جی! آپ کو یاد ہے نا۔ ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے یہ کہا تھا کہ مالی راجہ میرا بیٹا ہے اور میں اس کو خوب جانتی ہوں۔“

اہلیا بانی نے آہستہ سے کہا۔ ”ہاں بیٹے میں نے یہ بابت بھی تھی۔“ مالی راجہ نے قہقہہ لگایا۔ ”بھگوان نے چاہا تو میں آپ کو جھوٹا نہیں ہونے دوں گا۔ اس کے بعد آپ کہہ اٹھیں گی کہ مالی راجہ میرا سعادت مند بیٹا ہے۔“

پھر کچھ کمران بانوں سے چکرارہا تھا۔ پردہ ہمت جی بے چین تھے کہ مالی راجہ معاملے کو بلا دھڑکوں دے رہا ہے جو کچھ دینا چاہتا ہے دے دلا کر چھٹی کرے۔ مالی راجہ نے اچانک دوار کا کو آواز دی۔ ”دوار کا! تو کدھر گر گیا۔ نظر کیوں نہیں آتا۔“

خدمت گاروں نے دوار کا کی تلاش میں بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ دوار کا وہاں موجود نہ تھا۔ کچھ دیر بعد چند مزدوروں کو لئے ہوتے ہال میں داخل ہوا۔ مزدوروں نے چھوٹے چھوٹے ٹوکروں سے منیجھال رکھے تھے۔ بید کے بے ہوتے ٹوکروں سے بندھے اور انہیں اتنی عمدگی سے تیار کیا تھا کہ جھری کا نام نشان تک نہیں ملتا تھا۔ دوار کا نے یہ ٹوکروں سے صندوقوں کے پاس رکھ دینے اور عرض کیا۔

”مہاراج کا حکم تھا۔ دقت کم تھا اور کام بڑا۔ مہر حال پھر بھی میں نے کام جو کس کر دیا ہے۔“

دوار کا نے ان ٹوکروں کو صندوقوں میں الٹ دیا اور دوبارہ بند کر

کے پیچھے ہٹ گیا۔

مالی رادے نے کہا: ”اے دھار کا! تو کدھر چلا گیا۔ اندر پرہیا کر سجتی تم بھی میرے پاس آ جاؤ۔“ پھر اپنی ماں کو بھی آواز دی: ”ماں جی! آپ بھی میرے پاس آ جاتیے۔“
مالی رادے نے جس جس کو اپنے پاس بلایا تھا، سبھی اس کے قریب پہنچ گئے۔
پروہت جی بن بلاتے ہی ان صندوقوں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ رجنی کا منت اس ناک سے سہمی ہوئی نکلی۔

مالی رادے نے حاضرین سے کہا: ”لوگو! شیوجی کے سب سے بڑے بچا رہی اور پروہت سجاہت میں رد ہونے لگا نا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے مجھ سے مدد کی خواہش کی۔ پھر میں نے بھی پروہت جی سے کام دیا کہ لیا اور مندر کی ایک تہایت قیمتی اور مقدس شے میں لے پیشگی وصول کر لی۔ اب میں پروہت جی کے بقول شیوجی کا اذنا رہوں، اور میں پروہت جی کو جو کچھ بھی دے رہا ہوں وہ شیوجی کے اذنا کی حیثیت سے دے رہا ہوں۔“

مالی رادے نے اس چھوٹی سی تقریر کے فوراً بعد پروہت جی کو اجازت دے دی۔ ”پروہت جی! صندوق کے ڈھکنے اور بیر کے خالی نوکر دوں کو مال دہرے سے بھر لو۔“

پروہت جی نے بڑے بے صبرے بن سے صندوق کا ڈھکنا ہٹا کر اس میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے۔ انہوں نے مال دہرے کو سمیٹنے کی کوشش کی اور ایک خوفناک چیخ کے ساتھ دونوں ہاتھ باہر نکال لئے۔ وہ ہاتھوں کو دہرے سے جھٹک رہے تھے اور چیخیں مار مار کے رورہے تھے۔ ہجوم یہ منظر دیکھ کر سہم گیا کہ پروہت جی کے دونوں ہاتھوں سے پھوڑے ہوئے تھے اور کھلے ہوئے صندوق کے اندر سے پھوڑوں کی کثیر تعداد اور بیگ بیگ کر نکل رہی تھی۔ ان کی مڑی ہوئی ڈمیں اڑ رہی تھیں۔

پروہت جی تڑپ کر گر گئے۔ ان پر فحشی طاری ہو گئی اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ مالی رادے پروہت جی کو چپختے تڑپتے، گرنے اور پھر بہوش ہوتے دیکھ کر خوشی سے دلوانے ہو گیا۔ دہرے دہرے سے قہقہے لگانے لگا۔ وہ دہرے داسیوں اور ہجاریوں کو ٹپکا ٹپکا کر کے دعوت دے رہا تھا: ”شیوجی کے داسیہ آگے بڑھو اور مال دہرے سے بھرے ہوئے ان صندوقوں کو خالی کر دو، ان میں جو

کچھ بھی ہے تمہارا ہے؟

لیکن رینگے بھوتوں کی موجودگی میں کس کی ہمت تھی۔ جو ان صندوقوں سے
مال و نہر لگاتا، حالانکہ وہ سونے چاندی سے ادھر تک بھرے ہوئے تھے۔

اہلیا بائی بے قراری سے پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی۔ اس نے پہنچی اور خدمت گاروں کو بچنے
کو حکم دیا۔ ”تم سب یہاں کس بات کا تماشا دیکھ رہے ہو جاؤ بھوتوں کے ڈنک کی کوئی
دامد لادو۔ پردہ ہٹا کر تو بہت بُرا حال ہے“

پھر مال لادنے کے ایک دو بھوت مدد سے کمر دیا اور دوتے ہوئے کہا: ”شب بوجی
یہ میرے گھر میں میری کوکھ سے تم نے بیٹے کی جگہ شیطاں کو پیدا کر دیا ہے۔ یہ تو
پاگل ہو گیا ہے، اب میں کیا کروں؟“

پھر بھاگ کر اندر جی کانت بھی سہم گئے۔ دروازے کا مٹھن تھا کیونکہ وہ اس
ناٹک میں ایک خاص کردار تھا۔ بھوتوں کے ڈنکوں میں دھکی لیا تھا۔

پھر بھاگ کر اندر جی کانت کے کان میں کہا: ”راجی کانت! آج پتہ
نہیں یہ مہاراج کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیسی حرکت کی ہے مایا راج نے، اب
کیا ہو گا؟“

راجی کانت نے جواب دیا: ”مہاراج کی باتیں مہاراج ہی جانیں“

پھر بھاگ کر مایا راج سے کہا: ”مہاراج! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس طرح تمہارا
عقابا جاتا رہے گا۔“

لیکن مایا راج پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے بچاؤ کے ہاتھوں کو پکڑ پکڑ کے
پر دست صندوقوں میں ڈالنا شروع کر دیا۔ بھوتوں نے انہیں ڈنک مار مار کر
بے حال کر دیا۔ ذرا سی دیر میں راج بھون کا یہ ہال قیامت صغریٰ کا سماں
بیش کرنے لگا۔ اہلیا بائی تادیر یہ منظر نہیں دیکھ سکی اور روئی ہوئی راج
بھون میں گم ہو گئی۔

کچھ دیر بعد مایا راج نے دروازے کا کو حکم دیا: ”مایا راج کے صندوقوں کو
نہ کی جگہوں پر پہنچا دو۔“

دروازے کے حکم کی تعمیل کی۔ اور صندوقوں کے ڈھکنوں کو بند کر کے وہاں
سے ہٹا دیا۔

مایا راج کا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ وہ خوشی میں چیختا چلاتا، قہقہے لگاتا

رجنی کانت کے پاس آیا۔ اور بولا: "رجنی کانت! تو یہاں کھڑی کیا کر رہی ہے۔ تو بہت
کیوں نہیں ہ کر تمہارے لگا۔ میں نے کتنا سنا سنا دیا ہے۔ شیبوجی تو جاندار
کی بھینٹ لیتے ہیں۔ میں شیبوجی کا اوتار کیا اتنا بھی نہیں کر سکتا؟"

رجنی کانت نے سوالیہ نظروں سے پر بھا کر کی طرف دیکھا۔ وہ مالی راؤ
خو فرزدہ تھی۔ وہ اس سے نظریں ملاتے ہوئے بھی کانپ رہی تھی۔ مالی راؤ
اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اس نے پر بھا کر کو حکم دیا، "جا، تو بھی کیا یاد
کرسے گا، رجنی کانت کو لے جا۔"

رجنی کانت اور پر بھا کر کو شہ گزرا کہ شاید مالی راؤ ایسا نظر اور مذاق
سے کہہ رہا ہے۔ ان دونوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اجازت ملنے کے باوجود
ایک ساتھ چند قدم ہی چل سکتے۔

مالی راؤ ہنستا ہوا ان دونوں کے پاس آیا اور رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ کر
پر بھا کر کے ہاتھ میں دے دیا، بولا: "بزدلو! تمہارے کیوں ہو، میں جو اجازت
دے رہا ہوں۔"

پر بھا کر کا ہونہ جسم کانپ رہا تھا۔ رجنی کانت پر بھا کر سے زیادہ بہا
نکلی۔ وہ خو فرزدہ کو ضرور تھی مگر اس پر کیسی نہیں طاری تھی۔

مالی راؤ نے دونوں کو زبردستی گھرا کر کہہ دیا۔ بولا: "میرے بھائی! اس
دقت تم دونوں کہاں ہو؟ موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ میں تم دونوں کو ہنسی خوشی
بقیہ دن کے لئے ایک دوسرے کے حوالے کر رہا ہوں اور تم ہو کہ خوف سے مرے
جا رہے ہو۔ میں مالی راؤ، جو بیک وقت مہاراج بھی ہوں اور شیبوجی کا اوتار بھی
تم دونوں کی محبت کو اس قدر گنجائش چاہتا ہوں۔ رجنی کانت کو تو اپنے
ساکھ لے جا۔"

لیکن پر بھا کر اب بھی خو فرزدہ تھا۔ رجنی کانت حوصلے سے بولی: "پر بھا کر
جی! جب مہاراج اپنی مرضی سے آپ کو کچھ دے رہے ہیں تو ہمیں بھی اس کا احترام
کرنا چاہیے۔"

پر بھا کر نے اوڑھنا دیکھا، بھاری اور دیو داسیاں مالی راؤ کے حکم
پر حیرت زدہ دم بخود نظریں نیچے کئے کھڑی تھیں جن بھالیوں کو کچھ توڑنے
ڈنک مار دیا تھا اور پلا پلا رہے تھے۔ پر دھت جی فرزند بریے ہوش پڑے تھے۔

مالی راؤ نے پرہیہا کو اور رجنی کا نت کے ایک ایک ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں
 پیا اور انہیں کھینچتا ہوا ایک ایسے کمرے میں لے گیا جہاں کی سیڑھی اور آتش د
 زبیا آتش سے دل میں حسرت وصال اور خواہش انصال پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ ایک
 خواب گاہ تھی۔ ایک گوشے میں بستر لگا ہوا تھا۔ مالی راؤ نے ان دونوں کو بٹھا دیا
 اور باہر واپس چلا گیا۔



پرہیہا کو اور رجنی کا نت حیرت اور تشویش سے ایک دوسرے کو دیکھ
 رہے تھے۔ لیکن دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ رجنی کا نت نے پوچھا "پرہیہا کو
 جی اکباتم روسپے ہو؟"
 پرہیہا کو نے آنکھوں کے گوشوں کو انگلیوں سے پونچھ کر جواب دیا "نہیں
 نہ یہ خوشی کے آنسو ہیں" پھر رجنی کا نت سے پوچھا "اور یہ تمہاری آنکھیں کیوں
 بھیگ گئی ہیں؟"
 رجنی کا نت نے جواب دیا "خوشی سے، یہ بھی خوشی کے آنسو ہیں۔"
 پرہیہا کو نے شک و شبہ سے کہا "شاید ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر
 غایب نہیں؟"
 رجنی کا نت اس شکی مزاج اور خیالی انسان کو خوف سے دیکھنے لگی۔

★

★

★

چند گھنٹوں کی تنہائی اور اختیام سے پرہیہا کو کچھ زیادہ لطف اندوز نہ ہو
 سکا۔ اس کا نہ بارہ وقت و سوسوں، اندیشوں اور حیرتوں میں گزر گیا۔ اس کے
 علاوہ جو وقت تھا وہ رجنی کا نت کے حسن کی ستائش اور مدح میں گزر گیا۔ رجنی
 کا نت نے پرہیہا کو کو ہر پیش کر دیا تھا۔ رجنی کا نت
 کے تقاضے کچھ اور تھے اور پرہیہا کو کی کم ہمتی کا کوئی اور ہی سنگ تھا۔ وہ اس
 خوش قسمتی اور کامرانی کے لمحوں میں بھی سوچ رہا تھا کہ اسے کاش رجنی کا نت
 شہرہ کی دلی نہ ہوتی، یا اگر دلی ہی تھی بھی تو اس پرہیہا کو کی نظر نہ پڑی ہوتی

اور پر بھاکر کی نظر پڑ ہی گئی تھی تو وہ اس پر وارفتہ و شیرانہ ہوا ہوتا۔ وہ اس وقت بھی یہی سوچ رہا تھا کہ رجنی کا منت بالآخر مالی راز کی ہے۔

رجنی کا منت اس کے متفکر چہرے کو بے حد دیکھتی رہی۔ آخر پر بھاکر کے چہرے پر سے بالوں کی لٹیں ہٹائی ہوئی بیڑی کی کیا بات ہے پر بھاکر کی سہ چنے لگے۔ ۹

پر بھاکر نے جواب دیا: "میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کسی شاعر کے پاس وہ الفاظ موجود ہوں گے جن سے میرے سراپا کی سچی سچی منظر کشی ہو سکے۔" وہ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ جس صانع نے میری تخلیق کی ہے اس کا جمالیاتی ذوق اور معیار حسن کتنا بلند پایہ ہوگا۔"

رجنی کا منت
شہنشاہی سے نظر میں مد
کر بیڑی: "تم فضول باتوں میں سارا وقت گنوا دو گے۔ سمجھ رہی ہو کہ ہمیں جو

الفاظ یہ موقع مل گیا ہے وہ پروں والے تیر کی طرح اڑا چلا جا رہا ہے۔"

پر بھاکر نے رجنی کا منت کی بڑی اور بادام جیسی آنکھوں میں جھانکا اس کی لمبی لمبی پلکیوں اور پتلی پتلی بھنڈوں کے حصار میں وہ شے نظر آئی جس میں عشاءِ قہر جلیا کر تے ہیں اور جن کے شکار سکھ جہن سے محروم ہو جاتے ہیں۔

رجنی کا منت نے سر ہاکر اپنا چہرہ پیٹ میں چھپانے کی کوشش کی اٹھلا کر

بولی: "یہ تم میری آنکھوں میں کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھے تو تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

پر بھاکر نے جواب دیا: "رجنی کا منت! میں نے عورت کو ہمیشہ ہی جبراً کہا ہے

اب تک میں نے جو کچھ بھی کہا ہے، اس میں میرا ذاتی تجربہ شامل نہیں تھا۔ وہ

ساری باتیں پرانوں کی تھیں۔ لیکن اب میں شک و شبہ میں پڑ گیا ہوں مجھے اعتراف

کہ لینا چاہیے کہ میں تم سے محبت کر رہی ہوں۔ یہ احساس مجھے پہلے بھی تھا۔

لیکن امن احساس میں تھوڑا بہت شک و شبہ بھی شامل تھا۔ مگر آج میں پورے

یقین اور کامل وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس رشتہ و آلام کی دھوپ سے بیتی

ہوئی زندگی کو چھوڑ کر عورت کی آغوش ہی میں ملتی ہے، یہ ایسی پر سکون اور

فرحت بخش چھاؤں ہے جس میں پوری زندگی مست و بے غورہ کر گزاری جا

سکتی ہے۔"

عورت کے بارے میں پر بھاکر کے شاندار خیالات سن کر رجنی کا منت

سحرزدہ سی ہو گئی بولی۔ ”پر بھاکر! تم لفظوں کے جادوگر ہو، عورتیں تو اپنے ناز و
 انداز کے دل فتح کر لیا کرتی ہیں، مگر تم یہ سارے کام اپنی فوٹت کو یا کسی سے لے سکتے ہو،
 تم اپنے لفظوں سے عورتوں کے دلوں میں پھیل پیدا کر سکتے ہو، حسینوں کے گمان اور
 غرور کو خاک میں ملا سکتے ہو۔“

پر بھاکر نے معلوم نہیں کیا سوچ کر اچانک سوال کیا۔ ”رجنی کانت! پس
 پہلے بتاؤ، ابھی کچھ دیر پہلے جب ہم اس کمرے میں داخل ہوتے تھے تو ہم دونوں
 کی آنکھوں میں آنسو تھے؟“

رجنی کانت نے ایک بار پھر اپنا چہرہ اس کے مقابل کر لیا۔ ”ہاں آنسو تھے تو
 ہم دونوں کی آنکھوں میں، مگر کیوں؟“

پر بھاکر نے کہا۔ ”یہ آنسو کیوں نکل آتے تھے؟“
 رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”خوشی کے آنسو، کیا میری بات کا یقین نہیں
 آیا۔؟“

پر بھاکر نے کہا۔ ”یقین آیا کیوں نہیں۔ لیکن معلوم نہیں کیوں اور کون
 میرے دل کے اندر بیٹھا مجھے ہشکاتا اور بھڑکاتا رہتا ہے۔ وہ بار بار مجھ سے یہی
 کہتا ہے کہ پر بھاکر تیری آنکھوں کے آنسو تو واقعی خوشی کے تھے مگر رجنی کانت کے آنسو
 مہاراج مانی راؤ کی جدائی کے غم میں بہہ نکلے تھے۔“

رجنی کانت تلملا گئی، اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ”ادشٹی، نوجوان! بھگوان کے لئے
 شکوک اور ہدائیاں سے بچھا چھڑالے ورنہ تو زندگی بھر اس، مضطرب اور
 بے چین رہے گا۔“

جواب میں پر بھاکر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک
 دی۔ دونوں ہڑبڑا گئے۔ رجنی کانت نے پوچھا۔ ”کون ہے، کس سے
 ملنا ہے؟“

باہر سے جواب ملا۔ ”پروفار اور ہارٹمب لہجے میں۔“ اہلیا بانی، مالی راؤ
 کی ماں۔“

پر بھاکر اور رجنی کانت نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے
 دیکھا اور پر بھاکر نے رور سے کہا۔ ”دروازے باہر سے بند ہیں، مہاراج بند کر

گئے ہیں۔ کھول بیجیے۔“

اہلیا بالی نے بخیر کھول کر اندر داخل ہو گئی، یہاں راجنی کانت اور پربھا کمر کے
یکجا دیکھ کر پریشان ہو گئی، پوچھا: ”تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟“
پربھا کمر نے ڈر سے سہمے لہجے میں کہا: ”مقدس خاتون ہم یہاں کچھ بھی
نہیں کر رہے۔“

اہلیا بالی راجنی کانت پر برس پڑی: ”تو داسی نہیں، نہ ہریلی ناگن ہے اپنے
طرف تو کون سے میرے بیٹے مالی راڈ کو لینے بس میں کر لیا ہے دوسری طرف تو نے اس
دو دھواں، گیلیانی کو زیر کر لیا ہے۔ آخر تو چاہتی کیل ہے؟“

راجنی کانت نے جواب دیا: ”دیوی جی! میں نے کسی کو بھی اپنے بس میں
نہیں کیا۔ بلکہ مجھ کو لوگوں نے بس میں کر رکھا ہے۔ میں اس کمرے اور تنگلے
میں اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں آتی۔ یہاں مجھ کو پربھا کمر کے ساتھ مہاراج، مالی راڈ
نے قید کر دیا تھا۔“

اب اہلیا بالی پربھا کمر سے مخاطب ہوئی: ”اور پربھا کمر تم یوں تو بڑی ہنری
باتیں کرتے ہو، گیلیانی بنتے ہو، دو دھواں بنتے ہو، عورتوں کے خلاف نہ ہریلی باتیں
کرتے پھرتے ہو اور خود تمہارا یہ حال ہے کہ اس عورت کے اسیر اس کمرے سے جبر
قید ہو۔“

پربھا کمر نے ادب سے جواب دیا: ”دیوی! میں تمہاری بونتر تاکی سو گند کھا کر
یقین دلاتا ہوں کہ ہم دونوں کو اس کمرے میں مہاراج مالی راڈ نے بند کیا تھا۔“
اہلیا بالی نے کہا: ”مالی راڈ سے ایسا کیوں کیا؟ اور تم دونوں اس پر راضی
کیوں ہو گئے؟“

راجنی کانت نے کہا: ”مہاراج ہم دونوں کو دھکیلے ہوئے یہاں تک لائے اور
والیسی میں دھاندلے کو باہر سے بند کر دیا۔“

اہلیا بالی پربھا کمر کو ایک طرف لے گئی: ”پر دست جی مرنے کے قریب ہر
کسی اور سچائیوں کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ مالی راڈ نے یہ کیا کر دیا۔ اس نے
ایسا کیوں کیا؟ ہر ہمنوں کو دکھ پہنچانے کا عذاب مالی راڈ کو ہر باد کر دے گا۔
کہیں یہ پاگل تو نہیں ہو گیا، شیو جی کی داسی کو خراب کر کے اس کا دامنی تو لار
ہی جاتا رہا۔ اس نے تم دونوں کو اس کمرے میں قید کر دیا۔ پربھا کمر! سوچو تو یہ

سب کیا ہندہا ہے۔“

پیر بھاکر کو بھی کچھ کچھ یقین ہو چلا کہ شاید مالی رادو پاگل ہو گیا ہے۔ اس نے اہلبابائی سے استدعا کی۔ ”مقدس خاتون! اگر آپ کی یہ بات درست ہے کہ مہاراج مالی رادو جی کا دماغی توازن درست نہیں ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے، ان کی دیوانگی میں ہو رہا ہے تو میں کچھ عرصہ کے لئے راج بھون سے مل جانا چاہتا ہوں۔“ اہلبابائی نے جلد دیا۔ ”پیر بھاکر جی! یہ سارا تصور شیوجی کی اس داسی کا ہے، تم اس سے بچو، اور اس کو جہاں سے دھک دے دو، مندر بھیج دو، یہ جب تک یہاں ہے خطرہ ہی خطرہ ہے۔“

اس کے بعد وہ رجنی کانت کے پاس پہنچی اور کہا۔ ”دیوی! تم شیوجی کی داسی ہو، اپنے مرتبے کا خیال کرو اور اس تقدس کو جو شیوجی کی نسبت سے مل گیا ہے سنبھال کر رکھو، کیونکہ اندیشہ ہے کہ اگر شیوجی ناراض ہو گئے تو اس سرزمین کو تہہ دبالا کر رکھ دیں گے۔“

رجنی کانت نے پیر بھاکر کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو۔ ”پیر بھاکر جی! تم کیا کہتے ہو؟“

پیر بھاکر نے اس کا مفہوم سمجھ کر کہا۔ ”رجنی کانت! مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں کیا کمرنا چاہیے اور کس کا حکم ماننا چاہیے کیونکہ یہاں تم اپنی مرضی سے نہیں آتی تھیں اور ابھی تک تم مہاراج مالی رادو کے حکم کی پابند رہی ہو۔“

اہلبابائی نے ترشی سے کہا۔ ”پیر بھاکر جی! تم میرے بھیر کی باتیں کر رہے ہو۔ اس سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ مندر واپس چلی جائے۔“

پیر بھاکر نے خوشامد کہا۔ ”دیوی جی! میں آپ کو ماں سمجھتا ہوں اور ہمیشہ مقدس خاتون کہتا ہوں۔ میں نے رجنی کانت کو جو مشورہ دیا ہے اس میں ہم دونوں ہی کا بھلا ہے۔ میرا بھی اور رجنی کانت کا بھی کیونکہ اگر مہاراج، الی رادو ہم دونوں سے ناراض ہو گئے تو معلوم نہیں کیا ادرگت بنا دیں۔“

اہلبابائی ناراض ہو گئی۔ ”پنے نالائق اور پاگل بیٹے کے ہاتھوں کتنی ذلیل اور خواہ ہندہا ہی ہوں۔ تم لوگ جو چاہو کرو، میں جا رہی ہوں۔ میں شیوجی کے چمرنوں میں گھر کے پر و ہمت جی اور دوسرے پجاریوں کے حق میں پورا دھننا کر دوں گی۔ میرے پاس اور کئی ضروری کام ہیں۔“

وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

پر بھاکر اور رحنی کانت پاس پاس کھڑے ہو گئے۔ پر بھاکر نے پوچھا
کانت! اب کیا ہو گا؟

رحنی کانت نے جواب دیا۔ ”تم نے میرے جانے کا مسئلہ بالی راؤ کی مرضی
حکم پر ڈال کر بڑی عقمندی کی ورنہ یہ مجھے اسی وقت نکلوا دیتی راج بھون سے۔
لیکن پر بھاکر کو دوسرے اندیشے ستا رہے تھے، بولا۔ ”رحنی کانت! کیا
کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا۔ میری قسمت ہی خراب ہے۔ میں ایک حکم ہونے اور
خوابشیں نکلنے کا سنہری موقع ملا تھا جو باتوں میں اور پھر اہلیا بالی کی مداخلت
میں ضائع ہو گیا۔“

رحنی کانت بھی اواس ہو گئی بولی۔ ”بہن تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں
اتفاقہ حریق مل گیا ہے وہ پروں والے تیر کی طرح اڑا چلا جا رہا ہے۔ آخر وہ غم
بجٹی کے لمحے اٹھ گئے، بھاکر ان سماں گزر گیا۔“

پر بھاکر نے کہا۔ ”لیکن ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ زندگی ہے تو اس
موقع میں گئے۔ شاید قسمت پھر مایوسی کر جائے۔“

رحنی کانت نے پوچھا۔ ”اب میں کیا کروں؟“
پر بھاکر نے اپنا سوالیہ کہہ دیا۔ ”اب تم کیا چاہتی ہو؟“
رحنی کانت نے جواب دیا۔ ”بہر حال کرے میں بندہ ہونے کا موقع میں رہا
اس کے علاوہ کچھ سوچو۔“

پر بھاکر نے کہا۔ ”پھر بالی راؤ کے حکم یا خود ان کا انتظار کرو۔ وہ جیسا کہیں
اس پر عمل کیا جائے۔“

رحنی کانت نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پر بھاکر کو دیکھا۔ ”تو گویا اب میں بالی
راؤ کے پاس چلی جاؤں گی۔“
پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”ہاں مجھ ہی ہے۔“

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش رہے۔ اچانک پر بھاکر نے رحنی کانت کو

سسکیاں سنیں۔ اس نے اپنا چہرہ زلفوں سے اٹھالیا اور رجنی کانت کا چہرہ اپنے سامنے کر لیا، بولا: ”تم رو کیوں رہی ہو؟“

رجنی کانت نے جواب دیا: ”کچھ دیر بعد میں تم سے جدا ہو جاؤں گی اور پھر پندرہ نہیں کب ملاقات ہو، بس اپنی بے بسی اور مجبوری پر آنسو بہا رہی ہوں،“ پھر بھاگنے کہا: ”لیکن میں تو نہیں رو رہا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس قسمت نے اتنی یاد رکھی ہے کہ میں کچھ دیر کے لئے تمہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہی قسمت ہمیں دوبارہ بھی ملا دے گی۔“

رجنی کانت نے آنسوؤں پر آنسو لے کر چھٹک دیتے ہوئے بولی: ”میں خوش فہم نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ نظر آ رہا ہے کہ اب میں ہمیشہ شب و جی کے اذکار ہی کے پاس رہوں گی۔“

پھر بھاگنے کے دل پر چوٹ لگی، بولا: ”تو اب میں نے تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کا راز پالیا ہے، ان کا سبب سمجھ لیا ہے۔“ یہ کہتے کہتے پھر بھاگ کر آواز بھر گئی: ”رجنی کانت! میں مہالاج مالی راور کا مقابلہ کرنے سے سہا۔“

رجنی کانت پھر بھاگ کر غمزدہ دیکھ کر اور زیادہ پریشان ہو گئی۔ جھلملاتی جھلملاتی سے جبری خوشی جھلکنے لگی، بوجھا: ”مجھے تو کہتے ہی تھے اب تم بتاؤ کہ تم کیوں رو رہے ہو؟“

پھر بھاگنے جواب دیا: ”رجنی کانت! میں ایک رجوانی، امید پرست انسان ہوں لیکن جب ابھی ابھی میں نے تمہاری زبان سے یہ سنا کہ اب تم ہمیشہ ہمیشہ شب و جی کے اذکار کے پاس رہو گی تو مجھے کچھ یوں محسوس ہوا کہ گویا اس طرح تم اپنی خواہش، اپنے فیصلے کا اعلان کر رہی ہو۔ بس اسی دکھ سے میں رو دیا اور میری آنکھیں تر ہو گئیں۔“

رجنی کانت نے سرو آہ بھری: ”پھر بھاگ کر! سوچو تو سہی، یہ کتنی عجیب سی بات ہے کہ کچھ دیر پہلے جب ہم دونوں اس کمرے میں اخل ہوئے تھے تو دونوں ہی کی آنکھیں اس طرح برس رہی تھیں جس طرح اب برس رہی ہیں امداد جدائی کے وقت بھی ہماری آنکھیں پھر ہم میں پہلے خوشی کے آنسو تھے امداد غم کے آنسو ہیں۔“

پہر بھاگنے خواب دیا۔ "نہیں یہ بات نہیں ہے، میرے بارے میں تمہارا خیال صبح ہے لیکن تم اپنے بارے میں صبح نہیں بول رہی ہو۔ پہلے تو تمہاری آنکھوں میں واقعی خوشی کے آنسو تھے مگر اب تمہاری آنکھوں میں غم کے آنسو ہرگز نہیں، میرا خیال ہے یہ بھی خوشی کے آنسو ہیں۔"

رجنی کا منت نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر کہا: "یعنی میں۔ میری آنکھوں میں غم کے آنسو نہیں ہیں؟"

پہر بھاگنے جواب دیا: "میرا تو میں خیال ہے رجنی کا منت، اہم میری باتوں پر حیرت نہ کرو کیونکہ میں جو بات کہتا ہوں اس کے پیچھے میرا شجر بہ، مشاہدہ اور معلوم نہیں کیا کچھ شامل آتا ہے، میرے آنسو واقعی غم کے آنسو ہیں۔ سمجھنے کے سوگ میں، لیکن تمہارے آنسو خوشی کے ہیں۔ مایہ ماؤ سے ملاقات کی خوشی کے آنسو، شہر و جی کے دوبارہ کی خوشی میں جانے کی خوشی کے آنسو۔"

رجنی کا منت نے سر آہ بھری: "آنسو بہر بھاگ کر کہ میں نہیں بدلی نہیں سکتی میں بڑی سمجھتی ہوں کہ تم چاہے کتنے ہی بڑے دردھوان کیوں نہ ہو لیکن تم میں انا کے کی کمی ہے، اس اعتماد کی جو آدمی کو اپنی ذات پر ہونا ہے، تم عورت پر شک کر کے ہوا وہ شک کا کوئی علاج نہیں کیونکہ یہ شک تمہارے خیالوں، احساسات بلکہ عقیدوں میں رچ بس گیا ہے۔"

پہر بھاگ کر مہر چھکا کر بیٹھ گیا۔ اس پر مایہ کیوں اور محمد کیوں نے یلغار کر رکھی تھی۔ راج بھون میں وہ کسی قیدی کی طرح تھا۔ اپنی مرضی سے سمجھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ ہلیا بانی، مایہ ماؤ امدان کے خدمت گار اس کے نگران تھے۔ وہ رجنی کا منت کو راج بھون کی حدود میں رہ کر نہیں اپنا سکتا تھا۔ اور راج بھون کی حدود کیا معنی؟ انا نہ بلکہ، الوے کی حدود میں ایسا ناممکن تھا۔ اس کے اندر چلی جی ہول تھی ظفران آیا ہوا تھا۔ بھونچال سے پورا وجود لرز رہا تھا۔

رجنی کا منت بھی بے حد غمزدہ تھی۔ اس شگنی اور وہی نوجوان نے اس کا دل ٹوڑ دیا تھا۔

پہر بھاگ نے راج بھون چھوڑ دیا۔ اور اپنے گھر چلا گیا۔ گھر والوں نے سر

مہری سے اس کو قبول کر لیا، خدوں نے پر بھا کر کی کہانیاں دوسروں سے سنی تھیں۔
 انہیں پر بھا کر سے سخت شکا بنیں تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ پر بھا کر کے راج دربار
 میں پہنچنے اور راج بھون میں رہنے سے آسودگی حاصل ہوگی مگر پر بھا کر تو کچھ اور
 ہی نکلا اور دوسرے ہی چکر دوں میں پڑ گیا۔

پر بھا کر اپنی کوٹھری میں پڑ رہا۔ اس کو ٹھہری میں اپنا تیت تھی، المومیت
 تھی، بے تکلفی تھی، اختیار تھے اور قدیم شش اسائی تھی۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا
 گویا وہ اس قید خانہ سے نکل کر آزاد فضا میں آ گیا ہے۔ اس نے زرد زرد
 سے سانسیں لیں۔ مختصر اد تک کوٹھری میں آزادی سے ٹہلنے لگا۔ اس نے کئی
 بار کھڑے ہو کر ہوا میں ہاتھ لہرائے، ٹانگوں کو جھٹکے دیئے۔ اس کی یہ حرکتیں
 اس کے بھائی بہن اور والدین بھی دیکھ رہے تھے۔ ان سب کو یہ شبہ نہ کہ
 پر بھا کر کا داعی تو ازن دوسرے نہیں ہے۔ پر بھا کر نے آٹھ غیسوس کی نو کوٹھری
 کے باہر اپنے غیونی رشتوں کو کھڑے دیکھا۔ وہ ہنستا ہوا باہر نکلا اور سب کو
 کوٹھری میں لے گیا۔ پوچھا: ”تم سب باہر کیوں کھڑے تھے۔ اندر کیوں نہیں آگے؟“
 ماں نے پوچھا: ”پر بھا کر! ابھی تو یہاں کیا کر رہا تھا؟“
 پر بھا کر نے ٹالنے کے لئے کہہ دیا: ”ماں! میں کھلی اور آزاد فضا میں سانسیں
 لے رہا تھا۔ خوشی منا رہا تھا۔“

باپ نے پوچھا: ”کیا تو راج بھون واپس جاتے گا؟“
 راج بھون کے ذکر سے پر بھا کر کے دل میں نیر پرموت کمر دیا۔ ایک دم
 اداس ہو گیا، بولا: ”شاید نہیں، پناہی! وہ اچھی جگہ نہیں ہے۔“
 باپ نے کہا: ”اگر راج بھون اچھی جگہ نہیں ہے تو پھر اچھی جگہ اور
 کون سی ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے تو لوگوں کو مردھ کی بازی لگانے ہیں اور
 جوڑے توڑے اور سانسوں میں اپنی ساری داعی صلاحیتیں تھک جاتے ہیں۔ اب تو ہوتا
 ہے کہ وہ اچھی جگہ نہیں ہے۔“

پر بھا کر نے جواب دیا: ”پناہی ہو سکتا ہے دوسروں کے لئے وہ بڑی
 اچھی جگہ ہو مگر میں خود کو اس احوال میں نہیں چھوڑ سکا۔ مجھ کو تو اہلیا بانی سے
 روکنے کی ہر ہی خوشن آتی۔“

بھائی نے کہا: ”بھیا! آپ کو وہاں سے دولت پہل کرنا چاہیے تھی۔ ہم

لوگوں کی غرضی سے کیا آپ واقف نہیں تھے؟

بہن منہ بسور سے کھڑے تھی۔ میں نے اپنی سہیلیوں سے بڑھی شیخیاں
بکھیری نکھیں اور ان سے کہاں تک کہہ دیا تھا کہ اب وہ دن زیادہ دور نہیں
ہیں جب ہم لوگ اس چھوٹے اور گندے مکان کو چھوڑ کر کسی شاندار اور صاف
مختصر مکان میں چلے جائیں گے۔

پھر بھاکر نے دونوں کو جواب دیا: ”میں اپنی غرضی سے بھی واقف تھا اور
اس سے بھی کہ میری چھوٹی بہن اپنی سہیلیوں میں کیسی شیخیاں بگھام رہی ہوگی
لیکن تم لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ مراح درباہ اور راج بھون میں کیا ہو رہا ہے
وہاں انصافنسی کا عالم ہے۔ وہاں خود غرضیاں ہیں۔ نظریں ہیں۔ غناہ ہے،
ایک دوسرے کے خلاف کینہ ہے۔ وہاں رشتوں کا احترام نہیں ہے وہاں آدمی
جگڑ تو سکتا ہے شہر نہیں سکتا۔ اگر پٹالوں کا یہ قول سچا ہے کہ بڑا ماحول
اچھوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے تو ہر شریف آدمی سمجھا رہا آدمی کو اس
سے بچنا چاہیے۔“

باپ نے غصے میں کہا: ”تو باتوں کا سا ہو کا رہا ہے، عقلمند آدمی اپنے ماحول
سے اپنے کام کی باتیں لے کر باقی کو مسترد کر دیتا ہے۔“

ماں نے پوچھا: ”پھر بھاکر بیٹے، میں تیرے باپ یا تیری طرح عقل مند تو
نہیں ہوں۔ مجھے تو تو یہ بتا کہ اب کیا ہوگا اور اس گھر سے مفلسی کبھی جائے گی؟
یا لوں ہی رو پیٹ کر گندگی کر دے گی؟“

پھر بھاکر نے بےزاری سے جواب دیا: ”ماں! میں مراح بھون میں کچھ
دن رہ کر ہی اتنا تھک گیا ہوں کہ ابھی واپسی کی ہمت نہیں ہے، مجھ کو ذرا
سستا لینے دو، اس کے بعد کچھ بتاؤں گا۔“

باپ نے غصے میں سب کو دھکے دے دے کر باہر نکالنا شروع کر دیا۔
باہر نکل چلو، ہمارا سستا لینے دو۔“

ماں نے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ شوہر کا ہاتھ جھٹک کر وہیں کھڑی رہ
بولی: ”تو یہ ہے بات تو کر نہ دے۔“

لیکن پھر بھاکر کے بھائی بہن باہر نکال دیئے گئے۔
ماں نے پھر بھاکر کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا: ”پھر بھاکر! میں یہ نہیں

ہتی کہ تو آرام نہ کر، نہ مستان لیکن بس میرا اتنا کہنا مان لے کہ تو ایک بار پھر راج
بھون چلا جا اور کسی بھی طرح وہاں سے اتنا کمال کہ ہم سب سکھ چین کی زندگی
تیار رکھیں۔ اگر پیاسا کنوئیں کے پاس پہنچ کر پیاسا ہی واپس آجاتے تو دنیا
دلے اس کو احق کہیں گے۔“

پیر بھاکر کا باپ اپنی بیوی کی شاندار مثال سے خوش ہو گیا، بولا: ”پیر بھاکر
نہ اسوچ تو سہی تیری ماں نے کتنی شاندار اور کام کی مثال دی ہے شاید میں خود
اتنی اچھی مثال نہیں دے سکتا تھا۔“

پیر بھاکر نے پیچھا چھڑانے کے لئے جواب دیا: ”اچھا بھائی چلا جاؤں گا
مگر چند دن آرام کر کے۔“

ماں باپ دونوں نہال ہو گئے۔ باپ نے بیوی کا ہاتھ پکڑا اور باہر لے
جاتا ہوا بولا: ”چلو چلیں، اب اس کو پریشاں مت کرو۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا
کہ پیر بھاکر ہماری بات ٹالے گا نہیں۔“
دونوں باہر نکل گئے۔ پیر بھاکر نے وائٹ کھڑکی کی اوبت سے آنکھیں
بند کر لیں اور ماضی قریب میں گم ہو گیا۔

شام کو مہسکر کے سب سے بڑے مندر سے ایک بھاری آیا۔ سر گھٹا ہوا،
جسم دھوئی میں چھپا ہوا۔ پاؤں میں نکرپی کی کھڑاؤں۔ اس نے مارو بھاسٹ
لوگوں کی بستی میں پیر بھاکر کا پتہ پوچھا۔ ایک لڑکے نے پیر بھاکر کے دروازے
پر اس کو پہنچا دیا۔ پیر بھاکر باہر نکلا اور بھاری کو پہچان لیا۔ پر وہت کا چیل
مہیشوری تھا۔ پیر بھاکر اس کو احترام سے اپنی کوٹھری میں لے جانے لگا لیکن
مہیشوری نے کہا: ”پیر بھاکر جی! اس وقت میں جلدی میں ہوں اور مہمت
اور اس ہوں۔“

یہ کہتے کہتے وہ رو دیا۔ پیر بھاکر نے پوچھا: ”بات کیا ہے مہیشوری جی؟“
مہیشوری نے جواب دیا: ”اپنے پر وہت جی سو رہا ہے۔“
پیر بھاکر بھی سناتے میں آ گیا۔ حالانکہ وہ اس خبر کے لئے پہلے سے تیلہ
تھا۔ آہستہ سے کہا: ”یہ تو بہت بڑا ہوا۔“

مہیشوری نے کہا: ”اچھا ہوا یا بڑا ہوا لیکن جو ہونا تھا ہو گیا۔ رات کو
اگر تھی اٹھنے گی اور کمریا کریم ہو جاتے گا۔ جی کانت کی خواہش تھی کہ ان آخری رسوم

میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔

پربھاکر نے پوچھا۔ ”رجنی کانت کہاں ہے؟“

جواب ملا۔ ”مندر کے آشرم میں۔“

پربھاکر نے پوچھا۔ ”کیا کرم یا کرم میں رات دربار کے لوگ بھی آتے گئے؟“
راج بھولنا سے کون کون آتے گا؟“

مہیشوری نے جواب دیا۔ ”دیوی اہلیا بانی سچی آتیں گی۔“

”اور مہالاج مائی راؤ جی؟“

مہیشوری نے جواب دیا۔ ”شاید وہ نہیں آئیں گے۔ کیونکہ وہ خود کہ چلا
چلا کر شیواجی کا اوتار کہہ رہے ہیں۔ اور شیواجی کا اور نام معمولی پر دہت کے کرم
کرم میں کیوں شریک ہو؟“

پربھاکر نے کہا۔ ”اچھا تم چلو اور رجنی کانت سے کہہ دینا کہ میں آ رہا
ہوں۔ میں ضرور آؤں گا۔“

مہیشوری فوراً ہی چلا گیا۔ پربھاکر مندر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

★

★

★

مندر کی حدود میں بڑھی بڑھی مہیشوری کی آبادی کا بیشتر حصہ پروہت
جی کی آخری مرحلہ میں شریک ہونے کے لئے آ گیا تھا۔ پربھاکر بھی پہنچ گیا۔
یہاں بجااریوں اور دیوداسیوں نے پربھاکر کا شکستہ ولی اور انوس سے
استقبالی کیا۔ انہیں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ پربھاکر نے راج بھون خالی کر
دیا ہے جس سے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ عقل مند پربھاکر نے ویلوانے مائی راؤ
کے ظلم کو پسند نہیں کیا اور احتجاجاً علیحدگی اختیار کر لی ہے۔

وہ دیوداسیوں کے آشرم میں رجنی کانت کے پاس چلا گیا۔ اس
وقت رجنی کانت کے پاس کئی اور بجااری بھی موجود تھے۔ سبھی پربھاکر کو دیکھ
کر کھڑے ہو گئے۔

رجنی کانت تماموں کی طرح اٹھی اور آہستہ سے کہا۔ ”میرا خیال تھا تم
نہیں آؤ گے۔“

پربھاکر نے بھی آہستہ سے کہا۔ ”رجنی کانت! تم بلاؤ اور میں نہ آؤں

ایسی نذوقی بات نہیں۔“

رجنی کانت نے بھاریوں کی طرف دیکھا۔ ”پر بھاکر جی! پروہت جی کی
اسو سناک موت نے پورے ہمسیر میں کہرام برپا کر دیا ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے جو
ایک حکمران کے ہاتھوں ہو گیا۔“

پر بھاکر دوسروں کے سامنے مالی راقہ کے خلاف زبان نہیں کھولنا چاہتا
تھا اس لئے چپ سا دھلی۔

ایک بھاری نے کہا۔ ”ابھی کچھ دیر پہلے مالی راقہ جی کی طرف سے یہ
خبر بھی گئی ہے کہ وہ پروہت جی کی موت سے بہت ملول ہیں اور انہوں نے
پروہت جی کے نام سے دان پین کا منصوبہ بنایا ہے۔ وہ عنقریب مندر میں سونے
چاندی کے ٹھال بھیجنے والے ہیں۔“

پر بھاکر نے پوچھا۔ ”آخری رسوم کے ادا ہونے میں ابھی کتنی دیر
باقی ہے؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”شاید دیوی اہلیا بائی کا انتظار ہے۔“

پر بھاکر نے کہا۔ ”ہیشور جی پر شاد کہاں ہیں؟“

رجنی کانت نے بھاریوں سے کہا۔ ”تم لوگ باہر جاؤ اور دیکھو کہ ہیشوری
پر شاد جی ہیں یا نہیں، اس کے علاوہ اہلیا بائی جی جیسے ہی آئیں ہمیں بتا دیا
جائے۔“

بھاری چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد رجنی کانت نے پر بھاکر کو
مطلع کیا۔ ”پر بھاکر جی! تم دیوی اہلیا بائی سے اجازت لئے کہ اپنے گھر چلے گئے۔
مہالکج مالی راقہ اس سے ناخوش ہیں۔ بس اپنی ماں کی درجہ سے فلا خاموش ہیں
پر بھاکر دہل گیا، بولا۔ ”رجنی کانت! میں بہت جلدی والدہ چھوڑ
دوں گا۔“

رجنی کانت چونک پڑی؟ والدہ کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! جس علاقے کا راجہ وہی توازن
کھدچکا ہو وہاں کوئی شخص محفوظ نہیں ہوگا۔ پروہت جی کی موت اور
بھاریوں کی بیمار جمعیت اس کا ثبوت ہے۔ اس لئے میں کسی بھی دن یہاں سے
چلا جاؤں گا۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”میرا خیال ہے تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔“
 پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! جان ہے تو جہان ہے میں بہت
 غور فرم رہی ہوں۔“

ایک پجاری نے مطلع کیا۔ ”دیوی اہلیا بال جی آچکی ہیں۔“
 رجنی کانت کھڑی ہو گئی۔ پر بھاکر سے کہا۔ ”چلو اب ہم دھت جی کی
 آخری رسوم میں شریک ہوں۔“
 پر بھاکر کھڑا تو ہو گیا۔ مگر اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ بولا۔ ”رجنی کانت
 اگر میں یہیں بیٹھا رہوں تو کوئی ہنس نہ تو نہیں۔ میں واجب الاحترام خاتون کا سامنا
 نہیں کر سکیں گا۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”مہنیں، تم ڈر رہی نہیں، دیوی اہلیا باقی سے ڈرنے کی
 کوئی وجہ نہیں اور مانی راؤ جی یہاں آئیں گے نہیں، جب تم یہاں تک آتے ہو
 تو آخری رسوم میں بھی شرکت کر لو۔“

پر بھاکر اہمیت کر کے رجنی کانت کے ساتھ ہو گیا لیکن اس کے دل
 کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ پاؤں رکھنا کہیں تھا جو پڑتا کہیں تھا۔ آنکھوں
 کے آگے دھند چھا گئی تھی۔

✽

✽

✽

پر دھت جی کی ارٹھی اٹھی تو مندر کی حدود میں قیامت برپا ہو گئی۔ اہلیا
 باقی نے ارٹھی پر بھول چڑھائے اور کچھ دیر اس کے سامنے کھڑی رہی وہ چپکے
 چپکے مدتی رہی۔ اس نے کچھ دیر بعد لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔

”پر دھت جی! میں نے یہ پاپ نہیں کیا۔ میں بے گناہ ہوں۔ مالی راؤ ہم سب
 کے لئے مصیبت بن گیا ہے، میں کیا کروں؟ بتاؤ میں کیا کروں؟“
 وہ کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئی۔ اچانک اس کی نظر پر بھاکر پر پڑی۔
 اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔ پر بھاکر کے ساتھ رجنی کانت بھی ہوئی۔ کیونکہ وہ
 دونوں کی باتیں سننا چاہتی تھی۔

پر بھاکر اہلیا باقی کے سامنے مذہب کھڑا ہو گیا۔ اہلیا باقی نے کہا۔ ”تم
 یہاں آگئے، بڑی خوشی ہوئی۔ مگر میری ایک بات یاد رکھو۔ مالی راؤ کے دوسرے

شکار شاید رہے۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ تم محفوظ رہو لیکن تمہیں بھی
معاذ بہن ہے۔“

پرمیہا کو اور زیادہ سہم گیا۔

پرمیہا بہت جی کی ارتھی شمسان لے جانے لگے تو اس کے ساتھ ساتھ کچھ
بڑے تک اہلیا باقی بھی گئی۔

پرمیہا کو کا یہی جی چاہ رہا تھا کہ وہ راستے ہی سے واپس چلا جائے لیکن
ہمت کر کے شمسان تک ساتھ گیا۔ وہاں پرمیہا جی کو جب آگ دی جانے لگی تو
الٹا بھی اپنے دستے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس کا رکتھ پرمیہا کو کے قریب ہی دکا
پرمیہا کو کی جان نکل گئی۔ مائی راقیہ نے اتر اتر پرمیہا کو کو لپکا رہا۔

”پرمیہا کو جی! اچھے ملے، ادھر میرے پاس تو آنا۔“

پرمیہا کو اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ”جی مہاراج!“

مائی راقیہ نے کہا۔ ”میں نے سوچا، پرمیہا جی کے نام پر دان پڑھ کر دے گا یہی
بہترین موقع ہے میں روپے لے کر نہیں آ گیا۔“

کچھ دیر بعد ارتھی چلنے لگی مائی راقیہ ہمنوں میں روپے تقسیم کرنے لگا۔
آخر میں جب لوگ واپس ہونے لگے تو مائی راقیہ نے پرمیہا کو کو اپنے رکتھ
میں بٹھالیا بولا۔ ”پرمیہا کو جی! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ مجھ کو بتائے بغیر ہی مہاراج بھون
میں فرار ہو گئے۔“

پرمیہا کو کا پورا دل چوکھا رہا تھا۔ اس نے کیکپائی آواز میں جواب دیا۔ ”مہاراج
میں نے دیوی ماں سے اجازت حاصل کر لی تھی۔“

مائی راقیہ نے حقارت سے منہ بنا کر کہا۔ ”دیوی ماں کو نا ہوتی ہیں تمہیں
بازت دینے والی، تمہیں مجھ سے پوچھنا سنا، تمہیں مجھ سے اجازت لینا پڑتی۔“

پرمیہا کو نے خوشامد انداز میں کہا۔ ”مہاراج! رہ تو واجب الاحرام مقدس
الوں ہیں۔ ان کی بھی عزت کرتے ہیں اور وہ آپ کی ماں ہیں۔“

مائی راقیہ نے برہمی سے کہا۔ ”میں جانتا ہوں وہ میری ماں ہیں۔ لیکن میں اپنے
ٹاپٹ میں کسی کی دخل اندازی ہر راشت نہیں کر سکتا۔“

پرمیہا کو نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ”آئندہ میں خیال رکھوں گا۔“

مائی راقیہ ہنس دیا۔ بولا۔ ”ہاں تمہارا یہ جواب درست ہے۔ زیادہ ابیر پھیرے

بات بگڑ جاتی ہے بنتی نہیں ہے۔
 پر بھا کر کی جان میں جان آئی طبیعت ٹھہر گئی۔ پسینے سے اس کے کپڑے
 بھیک گئے تھے خوف کا پسینہ اس کی پیشانی پر بھی موجود تھا۔ مانی راؤ خاموش
 چکا تھا۔ پر بھا کر بھیگی جی بننا بیٹھا رہا۔
 مانی راؤ کا رتھ راج بھون میں داخل ہو گیا۔ مانی راؤ اترا تو پر بھا کر
 سبھی انتر پڑا۔

مانی راؤ نے بے تکلفی سے پر بھا کر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے کمرے کی طرف
 لے چلا۔ وہ ہاتھ کو بھی دبا دیتا کبھی ڈھیللا چھوڑ دیتا۔ کمرے کے سامنے پہنچ
 بولا: "میں نے تمہارے کمرے کو جوں کا توں رکھا ہے اس لئے کہ میں تم جیسے
 لائق ذائقہ لڑکوں کو راج پاٹ سے نہیں نکال سکتا۔ راج بھون تمہارا مکان ہے
 پر بھا کر کا حوصلہ بڑھ گیا سکر کھلوا یا گیا۔ مانی راؤ اس کو اپنے ساتھ لے
 کمرے میں داخل ہوا بولا: "خیر واد جو تم نے پھر بھا گئے کی کوشش کی میرے ہاتھ
 لمبے ہیں وہ ہر کہیں پہنچ جاتیں گے۔"
 پر بھا کر نے ڈرنے ڈرنے جواب دیا: "مہاراج! اگر میں کچھ عرض کروں
 اس کا برا تو نہیں مانیں گے؟"

الی راؤ نے ہنس کر کہا: "کمال ہے پہلے تو تم نے ایسی کوئی اجانت نہیہ
 مانگی تھی۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"
 پر بھا کر نے عرض کیا: "میں مہاراج کے عتاب اور غلبہ سے خوفزدہ
 ہو گیا ہوں۔"

مانی راؤ قہقہہ مار کے ہنس دیا: "تم پروہت اور سچا راج کی بابت سے
 رہے ہو گے نیکن تم یہ بھول گئے کہ میں مہاراج کے علاوہ شیوجی کا اذن رکھتی ہوں
 اور تم شیوجی کی مالا سے تو ضرور ہی واقف ہو گے۔ شیوجی کی مالا سانپ ہے
 شیوجی کا اوتار اگر اپنی مالا اور پھوڑوں سے لوگوں کی سواگت کروں تو اس میں
 یا افسوس کی کیا بات ہے؟"

الی راؤ کے جواب نے پر بھا کر کو ایک بار پھر سہا دیا مگر مانی راؤ نے
 کمر بات ہی ختم کر دی کہ "پر بھا کر! میں تم پر مہربان ہوں اور یہ مہربانیاں اس
 تک قائم اور برقرار رہیں گی جب تک تم کسی جہت بڑی شکایت کا موقع نہ دے

نے رجنی کانت تمہارے حوالے کر دی۔ کیا اس سے بڑی نوازش کا تصور کر سکتے ہو؟
 پر بھاکر نے عرض کیا۔ ”بس بس مہاراج، میرے لئے اتنی بہت ساری
 بین دہانیاں کافی ہیں۔“

مالی راؤ فوراً چلا گیا۔ جانے جاتے کہتا گیا۔ ”تم آزادی سے رہو، لیکن میری
 ان کے تابع بن کر نہیں، میرے تابع فرمان بن کر۔“
 مالی راؤ چلا گیا اور اس کے چلنے ہی ایک بار پھر پر بھاکر کی طبیعت
 کھڑکی۔ خوف جو دل کے اندر کہیں دیکھ، سمٹ گیا تھا، ایک بار پھر پورے
 منت اور جوش سے عود کر آیا۔

*

*

*

پر بھاکر راج بھون میں دوبارہ پہنچ گیا۔ یہ خبر عام ہو گئی۔ اور پر بھاکر
 کے گھر والے بہت خوش ہو گئے۔ لیکن شیرو جی کے بچاریوں اور دیوداسیوں نے
 یہ خبر دیکھ اور تشویش سے سنی۔ رجنی کانت ضرورت سے زیادہ پریشان ہو گئی۔ راج
 بھون میں اہلبالائی فکر مند تھی۔

پر بھاکر کو راج بھون میں آتے پندرہ دن گزر گئے مگر اس سے کوئی کام
 نہیں لیا گیا۔ یہاں تک کہ مالی راؤ نہ تو اس سے خود ملا اور نہ ملنے کے لئے بلوایا۔ وہ
 یشان ہو چکا تھا۔ اس تنہائی اور بے کاری میں رجنی کانت بڑی شدت سے
 لڑائی رہی۔

ایک رات کو جب کہ وہ بستر پر جا چکا تھا اور سونے کی کوشش کر رہا تھا
 تو راؤ نے دوا کا کوا اس کے پاس بھیج دیا۔ دوا کاٹنے پر بھاکر کو مطلع کیا کہ مہاراج
 دروازہ ہے ہیں۔

پر بھاکر فوراً ہی مالی راؤ کے پاس چلا گیا۔

مالی راؤ نے اسے بڑے تپاک سے لیا اور کہا۔ ”پر بھاکر جی! عقل کی باتیں
 عرصہ گزر گیا۔ آج جی گھبرا یا تو تمہیں بلوایا۔“

مالی راؤ کے ارد گرد خوشامدی بیٹھے تھے۔ پر بھاکر نے ان سب پر چٹنی نظر
 ڈالی اور پوچھا۔ ”تو مہاراج خود ہی بتا دیں کہ کس قسم کی باتیں کروں؟“
 مالی راؤ نے خوشامدیوں کی طرف اشارہ کیا بولا۔ ”کچھ ان لوگوں کی بابت

ہی کہہ ڈالو۔

پھر بھا کر مسکما دیا، بولا: ”ان لوگوں کی بابت کچھ کہنا بہت آسان ہے لیکن
سے پہلے جان کی امان دی جاتے۔“

مالی راقیہ ہے ساختہ ہنس دیا۔ ”پھر بھا کر جی! تم ڈرتے کیوں ہو اس قدر
پھر بھا کرنے جواب دیا: ”شبد (لفظ) جو زبان سے نکل جاتے ہیں، ان
کی مثالی تیر سے دی جاتی ہے۔ زبان سے نکلے لفظ اور کمان سے نکلے تیر داہر
منہ میں آتے۔ اجازت اور جان کی امان یوں چاہتا ہوں کہ میں تو آزادی سے کہ
کہہ گزروں اور آپ مامراض ہو جاتیں۔“

مالی راقیہ نے بے نیازی سے کہہ دیا: ”اجازت ہے، امان دی۔“
پھر بھا کر کو اسی لمحے اپنے گھروالوں کا خیال آگیا جو اس سے مال و زر
توقع لگائے بیٹھے تھے۔ اس نے اس بہترین موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ
لیا۔ بولا: ”تو مہاراج! اجازت ہے؟“

مالی راقیہ نے جواب دیا: ”اجازت۔“
پھر بھا کرنے کہنا شروع کر دیا۔ ”مہاراج! خوشامدی مکھیوں کی طرح ہوتا
ہیں۔ مٹھاس کی ہوس! منہ میں اڑاتے رکھتی ہے جس طرح مکھیاں اپنے گندے دم
سے مٹھاتی یا کھانے کی دوسری چیزوں کو مسموم کر دیا کرتی ہیں۔ اسی طرح خوشامدی
اپنے مہر دم کو مسموم کر دیتے ہیں۔“

مالی راقیہ جوش مسرت سے بول اٹھا: ”خوب خوب، واہ وا!“
خوشامدیوں نے منہ بنایا مگر بظاہر ہنستے رہے۔

پھر بھا کرنے فریاد کیا: ”اور مہاراج! پیٹر کا پھل مب درخت میں نہیں رہتا
تو جڑ یا درخت کو چھوڑ دیتی ہیں، سو کھے نالاب سے بگڑ جاتے ہیں۔ آتش زہر
جنگل کے کنارے سے بہن چھپت ہو جاتے ہیں۔ کنچیاں مفلس سے کوسوں دور
بھاگتی ہیں۔ خوشامدی تباہ دال راجہ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ مب کچھ اس
لئے ہے کہ ہر شخص اپنے فائدے کی تلاش مقدم سمجھتا ہے۔“

مالی راقیہ نے رشک سے کہا: ”شاباش! تمہیں کیا غفل ملی ہے؟“
پھر بھا کرنے عرض کیا: ”مہاراج کی عنایت ہے۔ کس زبان سے شک
ادا کروں؟“

مالی راجہ نے خوشامدی دہباویوں کو ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ "میرے خوشامدی دہباویو! پرہیجا کر کی باتوں کے بارے میں تم سب کیا کہتے ہو؟"

انہوں نے متفقہ طور پر جواب دیا: "مہاراج! اس کی سامری باتیں درست ہو سکتی ہیں لیکن اس کی یہ بات غلط ہے کہ خوشامدی تنباہ حال راجہ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اقل تو بھگوان نے تم سے مہاراج پر کوئی وقت پڑے، آزمائش شرط ہے ہم ہمیشہ دفا دہباویوں کی نگاہ میں رہیں گے۔"

مالی راجہ نے پرہیجا کر کی طرف دیکھا۔ "بول، اب تو ان کے جواب میں کیا کہنا ہے؟"

پرہیجا کر نے جواب دیا: "آزمائش شرط ہے۔ آپ ان سے وہ سلوک شروع کر دیں جو کوئی تنباہ حال راجہ کر سکتا ہے، پھر ان کی دفا دہباویاں اور ان کا اخلاص آپ کے سامنے آجائے گا۔"

مالی راجہ بہت خوش تھا، بولا: "اچھا میں انہیں آزمادوں گا۔ ضرور آزمادوں گا۔"

خوشامدی بہت برہم تھے اگر مالی راجہ کا خوف نہ ہوتا تو وہ پرہیجا کر کی مرقت کر دیتے۔ انہوں نے موضوع بدل دینے کی کوشش کی۔ انہیں پرہیجا کر کی عزت اور افلاس کا خوب علم تھا۔ ایک نے کہا: "مہاراج! پرہیجا کر جی سے فرمایا پوچھئے کہ اس کا افلاس اور عزت کے بارے میں کیا خیالی ہے؟"

مالی راجہ نے کہا: "ہاں ہاں، پوچھو، پوچھو، پرہیجا کر جی سے پوچھو۔"

ایک خوشامدی نے پرہیجا کر سے سوال کیا: "پرہیجا کر جی! اگر تم ایسا نالہ ہو تو دولت اور افلاس کی بابت اپنے سچے خیالات کا اظہار کرو گے ورنہ جھوٹ بول جاؤ گے۔"

پرہیجا کر نے مالی راجہ کی طرف دیکھا: "مہاراج! میں ایک صاف گو انسان ہوں میں غریب خاندان کا ایک فرد ہوں، لیکن میں عزت اور افلاس سے نفرت کرتا ہوں۔ میں افلاس پر موت کو ترجیح دوں گا۔ کیونکہ موت سے وقتی اور معمولی تکلیف ہوتی ہے مگر افلاس زندگی بھر اذیت میں مبتلا رکھتا ہے۔"

مالی راجہ نے ہنس کر لہجہ کیا: "اگر یہ بات ہے تو تو زندہ کیوں ہے؟ مر کیوں نہیں جاتا؟"

خوشامدیوں کے چہروں پر مدونق آگئی۔ ان کے خیال میں عقلمند پرہیجاکر خود ہی اپنے جال میں پھنس گیا تھا۔ ان کے خیال میں مالی راؤ کے سوال کا پرہیجاکر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ان کی نظر میں پرہیجاکر کے چہرے پر جیسی ہوئی تھیں۔ فوراً سی دیر کے لئے پرہیجاکر واقعی جکڑ گیا مگر اپنے دشمن و حواس مجتمع کر کے بولا۔

”مہاراج! اگر میں راج بھون میں نہ آ گیا ہوتا اور یہ امید نہ بندھ جاتی کہ اب میں افلاس سے سخت پاجاؤں کا توہین واقعی مرجھا ہوتا۔“

مالی راؤ پھر ہنس دیا۔ ”خوب۔ یہ تو ہوئی افلاس کی تعریف۔ اب کچھ دولت کی تعریف بھی ہو جائے۔“

پرہیجاکر نے عرض کیا: ”مہاراج! سچی باتوں میں رٹو واپس ہوتا ہے۔ دولت میں اچھائیاں بھی ہیں اور بدھائیاں بھی، میرے لئے یہ دشوار ہے کہ دولت کا کوئی ایک ہی پہلو بیان کر دوں۔“

مالی راؤ نے جواب دیا: ”تو دونوں ہی پہلو بیان کر دے۔“

پرہیجاکر ہمت ہانپنے لگا۔ ”مہاراج ناراض ہو جائیں گے۔“

خوشامدی منہ کھولے کان لگائے اور ہوش و حواس مجتمع کئے ہوئے پرہیجاکر کی باتوں پر گرفت کرنے کی فکر میں تھے۔

مالی راؤ نے کہا: ”پرہیجاکر جی! آج میں بہت خوش ہوں جو چاہو کہہ لو، میں ناراض نہیں ہوں گا۔“

پرہیجاکر نے عرض کیا: ”مہاراج! میں نے اپنے گھر کی حالت اور اپنے گھر والوں کی باتوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دولت کا حصول مقدم ہے اور ہوش مند کو لازم ہے کہ دولت حاصل کرنے کے سوا کسی کام میں اپنی کوششیں نہ صرف

کرتے۔ دولت ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ دولت مند کے دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور مفلس کے عزیز بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے کے

پاس دولت ہو تو وہ جوان ہے لیکن ناوار جوانی میں بوڑھا ہو جاتا ہے۔ مکان کیسا ہی خوش نما کیوں نہ ہو افلاس سے لے روٹی ہو جاتا ہے۔ اس آسمان کی طرح جو تاروں سے محروم ہو، اس تالاب کی طرح جو خشک ہو۔ اس شہر کی طرح جو گدہ رستا بنا ہو۔“

مالی راؤ کو اس کی باتوں میں بڑا مزہ آ رہا تھا بولا: ”اور، اور پرہیجاکر جی

سمجھ اور، دک کیوں گئے؟

پربھا کرنے کہنا شروع کیا۔ ”مہاراج! جہاں افلاس آتا ہے وہاں
سبک سادی ضرور آتی ہے اور سبک سادی کے بعد ایمانداری کا نہ حصہ ہونا
یقینی ہے اور جب ایمانداری گئی تو آدمی حقیر ہو گیا۔ جب حقیر ہوا تو حوصلہ
پست ہوا۔ حوصلے کے پست ہونے ہی مایوسی غلبہ کرتی ہے اور جب مایوسی
غالب آتی تو عقل ٹوٹی اور عقل کے جانے ہی تباہی نازل ہو جاتی ہے۔ غرض یہ کہ
افلاس ساری باتوں کی جڑ ہے۔“

اس تقریر نے پربھا کر کے مخالفوں کو بھی متاثر کیا اور وہ رشک سے
دبھینے لگے۔

مالی راق نے کہا۔ ”پربھا کر جی! تم نے افلاس کی مذمت کر کے مجھے مجبور کر
دیا ہے کہ میں تمہارے افلاس کا علاج کروں لیکن تم نے دولت کی تعریف نہیں
کی۔ میں تمہاری زبان سے دولت کی تعریف سنا چاہتا ہوں۔“
پربھا کرنے کہا۔ ”مہاراج! دولت کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے
کہ یہ اس کی عزت کرا دیتی ہے جو عزت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس کا طلب گار بنا
دیہتی ہے جس سے کوسوں دور بھاگنا چاہیے۔ اس کا ڈر لگا سجھا دیتی ہے جو ذرا سی
بھی تعریف کا مستحق نہ ہو۔“

پربھا کرنے میدان مار لیا تھا اس کی باتوں نے مالی راق کو اتنا متاثر کیا
تھا کہ اس نے اسی وقت رقص و سرود کا حکم دیا اور علم و دانش کی محفل گھڑی
بھر میں ناچ گانے کی ہزم بن گئی۔ یہ سب سمجھ پربھا کر کے اعزاز میں ہو رہا تھا اس
کے حاسد اور دربار تلے خوشامدی رشک و حسد سے دانت پیس رہے تھے۔
مالی راق نے اپنے ہاتھ سے پربھا کر کو شراب کے پیالے پیش کئے گھنگھڑوں کی
جھنکار، لطیف لائی آواز کے لوچ اور نرم لہرنے، بل کھانے رقص اور
ساندوں کے دل آویز سحر نے سبھی کو اذیت خود رفت کر دیا۔ مالی راق نے رقص سے
چہلیں شروع کر دیں۔ وہ اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

رات کے پچھلے پہر ہزم آجیسی تو مالی راق نے نشے میں دھست ہو کر اپنے

خزانچی کو اس کے گھر سے بلوایا۔ اس وقت خزانچی سویا ہوا تھا۔ وہ آیا اور مالی راز کے حکم پر اسی وقت سونے چاندی اور روپوں سے پر بھا کر کوٹواڑیا کر جب پر بھا کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو اسے راستے میں حامدوں نے روک لیا اور کہا۔ ”پر بھا کر جی! آج تم نے ہم پر بڑے سخت حملے کئے ہیں۔ یاد رکھنا، ہم اس کا بدلہ لیں گے۔“

پر بھا کر نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے کمرے میں پڑ رہا۔

*

*

*

صبح ہونے ہی اس نے مال دہرائے گھر بھجوا دیا اور ماں باپ اور بھائی بہن کو پیغام بھیجا کہ اپنے خوابوں کی تعبیر پوری کر لو اور خوب کھاؤ پیو اور مزے کرو۔

اہلیا باقی ہر معاملے سے پوری طرح باخبر تھی۔ پر بھا کر بھی بک گیا۔ اس احساس نے اہلیا باقی کو بڑا دکھ پہنچایا۔ اب پر بھا کر جو کہ مالی راز سے مل گیا تھا اس لئے اہلیا باقی کے لئے غیر معتبر ہو گیا تھا۔ پھر بھی پر بھا کر کے لئے اس کے دل میں بڑی عزت تھی۔ بڑی وقعت تھی۔ وہ پر بھا کر کو مضائقہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کئی دن بعد راجنی کانت بھی راج بھون پہنچ گئی۔ اس کو پر بھا کر کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ وہ ضبط دہداشت سے کام لیتی رہی کیونکہ اس کے سوا وہ اور کون سا کیا سکتی تھی۔

مالی راز راجنی کانت کو اپنی خواب گاہ میں لے گیا اور اس سے شکوہ و شکایت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مال راز نے کہا: ”راجنی کانت! اگر میں راج پاٹے میں الجھا ہوا نہ ہوتا تو اب تک معلوم نہیں کتنی ملاقاتیں ہو چکی ہوتیں۔ لیکن افسوس کہ میں نہ تو خود پہنچ سکا اور نہ ہی تم میں بلوا سکا۔“

راجنی کانت نے جواب دیا: ”مہالاج! کیا میں آپ کی مصروفیات سے واقف نہیں ہوں جو آپ اس کا اظہار کر رہے ہیں۔“

مالی راز نے کہا: ”راجنی کانت! وہ جس کو میں نے اپنے دل و دماغ کے منہاں خانے میں دبا دیا تھا اور جس کا مذاق اڑایا کرتا تھا، اس نے مجھ کو جبرست میں ڈال دیا۔“

رجنی کانت نے کہا: ”مہاراج کا اشارہ کس طرف ہے؟ میں سمجھی نہیں!“
مالی رات نے جواب دیا: ”پرسجھا کر کی طرف۔ وہ تو بہت ہی عقلمند انسان ہے، اس نے میرا جی خوش کر دیا۔“

رجنی کانت، پرسجھا کر کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھی لیکن پوچھتے ہوئے خوف کھا رہی تھی، اس نے کہا: ”مہاراج! سنتی ہوں پرسجھا کر کا آپ کے نسب سے پھر کوئی تعلق ہو گیا ہے۔۔۔“

مالی رات نے بات کاٹ دی: ”تعلق ہو گیا کیا معنی، اس کا تعلق میرے نسب سے تو نا ہی کب تھا، اس دروہوان کو اپنے راج دربار سے کسی حال میں بھی نہیں جانے دوں گا!“

رجنی کانت نے بڑی خوبصورتی سے اپنے مطلب کی بات شروع کر دی: ”مہاراج! پرسجھا کر جی کی باتوں میں سوچ دس ہے۔ ان کے مشہور دو میں باد ہے۔ میں نے مہاراج کے حکم پر اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔ اس نرہ زندگی بھر یاد ہے گا!“

مالی رات ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ لمحہ بھر رجنی کانت کی صورت تک تاراجی کانت! کیا یہ درست ہے کہ اس دن تم کو میں نے خود پرسجھا کر کے چالے دیا تھا!“

رجنی کانت نے مالی رات کی آنکھوں میں درشت اور بربریت کی چمک دس کی، جواب دیا: ”حوالے کرنا کیا معنی۔ مہاراج نے ہم دونوں کو گھسیٹ کرے میں دھکیل دیا تھا۔“

مالی رات نے افسوس سے کہا: ”ہاں مجھے یہی بتایا گیا ہے۔ ایک بات بتاؤ۔“

رجنی کانت نے کہا: ”جی مہاراج! پوچھیے۔“
مالی رات نے پوچھا: ”میرے چلے آنے کے بعد کرے میں کیا ہوا تھا؟ تم دن تمہاری میں کیا کرتے رہے؟“

رجنی کانت نے بے دھڑک جواب دیا: ”باتیں کیونکہ آپ کے چلے آنے بعد آپ کی والدہ آگئی تھیں۔ وہ بھی بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھیں۔“
مالی رات مضطربانہ اٹھا اور کہنے لگا: ”بھگوان کی

سو گئے! اس دن میں نے جو کچھ کیا تھا، ہوش میں نہیں کیا تھا۔ بعد میں جب کو کسی طرح وہ بات معلوم ہوئی تو میں غیرت سے کٹ گیا۔ لیکن پرہیزگار چکا تھا۔ اب اس کے اچانک چلے جانے کا میں نے یہ مطلب لیا تھا کہ وہ تجھے پاپ کر چکا ہے اور پانی شرم سے منہ چھپا کر فرار ہو گیا ہے۔ ماما جی! میں نے کڑواہٹ پناہ بن گئی تھیں اس لئے میں پرہیزگار کو نظر انداز کرتا رہا۔ اندر سے ہی از غیبت اور شرم کی آگ سلگ رہی تھی۔ آخر کار میں نے یہ منصوبہ بنایا کہ میں کبھی طرح پرہیزگار کو راج بھون میں واپس لاؤں گا، پیار سے، محبت سے پیار پیادہ بانوں سے اور پھر اس کو ہلاک کر دوں گا۔

رجنی کانت لہر نہ گئی بولی۔ لیکن مہاراج! وہ تو بے گناہ ہے با بے گناہ۔“

مالی راج نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”سن تو سہی خواہ خواہ جا رہی ہے۔ میں اس کو شمسان سے پکڑ لایا۔ اب میں اس پر مہربان ہو گیا۔ لیکن رجنی کانت! تم یقین کرو۔ اس رات پرہیزگار جی نے جو ساحرانہ باتیں کہیں اور جس علم و فضل کا مظاہرہ کیا، اس نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ میں نے ان اکرام دے کر اس کو مال مال کر دیا۔ وہ اس لائق ہے کہ اس سے محبت کی جا اس پر نوازشیں کی جائیں۔“

رجنی کانت کی جان میں جان آئی۔ مالی راج نے اس کی پیشانی کو چوم کر زلفیں اپنے چہرے پر پکھیریں اور ہنس کر بولا۔ ”تو میں زلصر چھاؤں میں آ گیا۔“

رجنی کانت نے ٹھنک کر کہا۔ ”مہاراج! آپ کی یہ باتیں اچھی نہیں لگتی۔ کیونکہ آپ ایسی باتیں کر کے بھلا بھی بہت جلد دیتے ہیں۔“

مالی راج نے جواب دیا۔ ”میں اپنی داسی کو کس طرح بھلاؤں گا۔ تو میرے سن مندر میں دیوی کی طرح براجمان ہے۔ شیواجی کا اذنامو داسی پر ستارہ ہے۔ یہ کتنی عجیب سی بات ہے۔“

مالی راج کو معلوم نہیں کیا سوچھی نہ تالی سجاتی ایک داسی ان داخل ہوئی اور دونوں کو جس حال میں دیکھا تھا اس کی تاب نہ لا کر منہ کر کھرمی ہو گئی۔

مالی راق نے حکم دیا: ”جا اور فوراً پرہیز کر جی کو بلالالہ۔“
رجنی کانت نے ناگواری سے کہا: ”مہاراج! کوئی ایسا کام نہ کیجئے کہ آپ
اس پر زندگی بھر پشیمان رہیں۔“

”ایسا کام کیا ہو سکتا ہے، یا اس وقت میں کون سا کام کروں گا، جس
سے نہ زندگی بھر ہنر سادھی رہے گی۔“

رجنی کانت نے عرض کیا: ”مثلاً یہی کہ ہم دونوں یہاں جس حال میں
ہیں وہ ایسا نہیں ہے کہ یہاں کسی تیسرے کو آنے دیا جلتے۔“

مالی راق نے در سے ہنس دیا: ”اس میں ہنرمندی کی کوئی بات ہی نہیں۔“
رجنی کانت مالی راق کے بالوں کو سونگھ کر ان میں انگلیوں سے تنگھی
کرنے لگی: ”اگر یہ بت ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لوں گی۔“

و اسی پر ہکا کر کو بلانے جا چکی تھی۔ مالی راق نے رجنی کانت پر ہنسی رستم
بثروغ کر دی۔

چالاک رجنی کانت نے عین اس وقت جب مالی راق اپنے آپے میں نہیں
تھا اور آنکھوں میں شرمخی کا درد نظر آنے لگا تھا۔ اس نے کہا: ”مہاراج! میں
آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آؤں گی۔“

مالی راق نے جواب دیا: ”جب تو میرے پاس آہی چکی ہے تو
درخواست لے کر دوبارہ کیوں آئے گی جو کچھ کہنا چاہتی ہے صاف صاف
کا وقت کہہ دے۔“

رجنی کانت نے عرض کیا: ”مہاراج! میں پرہیز کر جی کی طرف سے ہر
نعت شرمندہ اور خوفزدہ رہتی ہوں۔ آپ کو اسے امان دینا پڑے گی اس کو
خاف کرنا ہو گا۔“

مالی راق نے در سے ہنسا: ”احمق! اور ادھی عقل والی نادان لڑکی! میں نے
تو کو معاف کر دیا میں نے اس کو امان بھی دے دی۔ لیکن اب اگر اس نے
میں دلیسی بات کی تو میں بے گنہ معاف نہیں کروں گا۔“

فرا اسی آہٹ پر دونوں نے سامنے کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحہ ان
دونوں کے سامنے پرہیز کر اس طرح کھڑا تھا کہ اس کی نظریں پختہ فرش پر تھیں
اور دروازہ مالی راق کے خلاف سوچنے میں مشغول تھے۔

مالی راؤ نے پیر بھاکر کو جلانے کے لئے اس کو آواز دی۔
 ”پیر بھاکر جی!“

پیر بھاکر مالی راؤ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ”جی مہاراج!“
 مالی راؤ نے رجنی کانت کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ کون ہے؟“
 پیر بھاکر نے خشک آواز میں جواب دیا۔ ”رجنی کانت!“
 ”یہ کون ہوں؟“

”مہاراج مالی راؤ!“

مالی راؤ ایک دم برہم ہو گیا۔ ”جھوٹے کہیں کے، میں شید
 کا اوتار ہوں اور یہ میری داسی، اس کے علاوہ ہر بات غلط، ہر بار
 جھوٹ۔“

پیر بھاکر نے جواب دیا۔ ”مہاراج اور رجنی کانت کے ان سوا
 میںے بھی واقف ہوں۔ بے شک آپ شیونجی کے اوتار اور رجنی کانت
 کی داسی ہے۔“

مالی راؤ، پیر بھاکر کے سامنے ہی رجنی کانت میںے بے تکلف ہو
 پیر بھاکر کے دل پر آکر چل رہے تھے اور رجنی کانت شرمندہ ہو رہی تھی
 ہی مجبوراً دبے لبیں تھیں۔ پیر بھاکر اتنا دل برداشتہ ہوا کہ سر جھکا کر رہا
 بولا۔ ”مہاراج! مجھے ہر دم کمرہ میرا امتحان دلو۔“
 لیکن مالی راؤ ذرا نہ پسینا۔ اس وقت وہ ایک دوسرا مالی راؤ
 رحم، مروت اور ہمدردی سے محروم۔

پیر بھاکر کے حاسدوں کو شب یہ معلوم ہوا کہ مالی راؤ نے اس
 کانت کے سامنے خیار کیا ہے تو بہت خوش ہوئے۔ یہودی پیر بھاکر ایک با
 راج بھون سے بیڑا ہو گیا۔ اہلیا پانی بھی اس سے کسی حد تک ناراض
 تھی۔ پیر بھاکر کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کس کا سہارا پکڑے۔
 پیر بھاکر نے ایک بار پھر فرار کا منصوبہ بنانا شروع کیا لیکن
 رجنی کانت اسے روک رہی تھی اور بہ چشم نم اس سے کہہ رہی تھی کہ

دوتا ہے تو مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

رجنی کا سٹ درون مالی راؤ کے پاس رہی اور چلی گئی۔

اہلیا بانی بہت اداس رہنے لگی تھی وہ اپنے، مالی راؤ کے اور اندر
 ے مستقبل کی طرف سے بہت فکر مند بلکہ ناامید تھی۔ دیر بائی، برے لوگ
 لی راؤ کی خوشامد میں لگے ہوئے تھے۔ اس کے خیال میں ایک پرکھا کمرہ
 یا تھا جو بے غرض، بے لوث اور پُر جوش مخلص تھا مگر اب شاید وہ
 بھی کسی حد تک حرص و طمع اور خوشامد میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اب وہ پرکھا کمرہ
 سے بات کرنے ہوئے قدرتی تھی اور اسے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو
 اس کے اشاروں پر حمایت ہو شادی سے چلے اور مالی راؤ کو قابو میں
 لے لے۔

اہلیا بانی نے مندر کے نئے پردہ پر مہیشوری پرشاد سے ملاقات کی
 بر اس سے مشورہ پوچھا۔ ”میرے بیٹے، مالی راؤ کی بابت عام سچاریوں کے کیا
 حالات ہیں؟“

مہیشوری نے جواب دیا۔ ”دیوی جی! مہاراج آپ کے بیٹے ہیں لیکن ان
 ے طور طریقے وہ نہیں ہیں جو ہونا چاہیے۔“

اہلیا بانی نے برے کرب سے کہا۔ ”پر وہ بہت جی! میں اس کی ماں ہوں اور
 اجز آگتی ہوں۔ مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟“

مہیشوری نے پوچھا۔ ”دیوی! آپ کیسا مشورہ چاہتی ہیں؟“

اہلیا بانی نے جواب دیا۔ ”میں اپنے اور ملہار ہونکر کے خاندان اور
 لومنت کی برادری نہیں چاہتی۔ یہاں تک کہ اگر میں انہیں مالی راؤ کو خنایع
 کے بھی سچا لوں گی تو غنیمت سمجھوں گی۔“

مہیشوری نے اہلیا بانی کا مقصد پایا تھا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں
 آتا کہ انہیں جو کچھ سنا تھا ان کے مفہوم پر یقین نہیں آتا تھا۔ بولا۔ ”دیوی جی!
 کیا کہہ رہی ہیں اور کیا چاہتی ہیں؟“

اہلیا بانی نے جواب دیا۔ ”ہو نکر خاندان کی بقا، عزت اور اندر
 بر اس کی حکمرانی برقرار رکھنے کی خواہش میں میں سب کچھ کر دے کر
 ہوں۔“

مہیشوری نے کہا: "اور آپ کی یہ خواہش اس وقت تک پوری نہیں
 سکتی جب تک مہاراج مانی راج حکومت کریں گے؟"
 اہلیا بانی نے جواب دیا: "میں اپنے پیٹے پر مردہ سکتی ہوں۔ اس کی
 برداشت کر سکتی ہوں؟"

مہیشوری نے کہا: "تب پھر دیوی جی! آپ کو پر بھا کر جی کو ملانا پڑ
 گا۔ رجنی کانت سے بات کرنا ہوگی۔ اگر یہ دونوں تیار ہو جائیں گے تو کسو
 تیسرے کو ملانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔"

اہلیا بانی سوچتی رہی، سوچتی رہی، غور کرتی رہی۔ اور آخر کار اسے
 نتیجے پر پہنچی کہ پر بھا کر اور رجنی کانت کو اپنے اعتماد میں لینا ہی پڑے گا۔
 اس نے مہیشوری پر شاد سے کہا: "پر دہت جی! آپ وہ تیسرے آدمی ہیں
 اس سے واقف ہو گئے ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں اور کیا کر کے دانی ہوں،
 کہ آپ اپنے سینے میں دفن کر دیجئے، جھلا دیجئے۔"

مہیشوری نے کہا: "دیوی جی! جو آپ چاہتی ہیں۔ آپ پر دھنیہ
 آپ کو مبارک باد دی جا سکتی ہے۔ آپ حوصلہ مند اور سچی عورت ہیں لیہ
 جو کچھ آپ چاہتی ہیں وہی ہم چاہتے ہیں، سارے سچاری چاہتے ہیں۔ پو
 مہیسر چاہتا ہے، پورا اندور چاہتا ہے۔"

اہلیا بانی مہیشوری سے بات کر کے سیڑھی شیو جی کے چرنوں میں
 یوں ان سے مندر کی فضا مہکا دی۔ دھوئیں کے بادل چھوٹی بڑی لکیروں کی
 میں اٹھنے اور پھیلنے لگے۔ اہلیا بانی نے شیو جی کے چرنوں میں اپنی سیس
 اور دل بھر آئے فی وجہ سے رونے لگی: "شیو جی! تمہیں معلوم ہے کہ میں
 کتنا بڑا اور حیرت انگیز فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ اس پر عمل کرے
 گی یا نہیں۔ تم چاہو گے تو میرا منصوبہ پورا ہو جائے گا، نہیں چاہو گے تو ناکا
 رہوں گی۔ لیکن میں تم سے ہمت مانگ رہی ہوں۔ عقل اور استقلال مانگ رہی
 ہوں۔ صبر اور برداشت کا حوصلہ مانگ رہی ہوں۔ میں ہو کر خاندان کی عزت
 حکومت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں شیو جی! انہ میری مدد کر
 وہ شیو جی کے چرنوں سے اٹھ کر راج بھون چلی گئی اور پر بھا کر
 رجنی کانت سے بات کرنے کی تدبیریں سوچنے لگی۔

مالی راؤ اس فکر میں تھا کہ وہ اپنی ماں کو ہر معاملے سے بالکل بیخبر ہی
 بردے لیکن اس دریلے میں بھی اتنی عقل موجود تھی کہ اہلیا بانی کو چھپھڑنا
 بڑے سے خالی نہیں ہے۔ درباری بالٹر لوگ اہلیا بانی کی بڑی عزت کرتے تھے
 بنی ماں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا صریحاً یہ مطلب تھا کہ اپنے امرد گرد موجود
 اثر لوگوں کو دشمن بنالیا جاتے۔

پربھاکر نے اہلیا بانی کی نظروں میں کچھ کہنے کی خواہش محسوس کرتی۔
 وہ پربھاکر کو دیکھتی تو ہنس دیتی۔ اس ہنسی میں اہلیا بانی کا بڑا پن بہر حال موجود
 تھا۔ کبھی کبھی وہ پربھاکر سے خیریت بھی پوچھنے لگی تھی۔ اور مالی راؤ بھی
 بنی ماں کے اس تغیر کو تشویش کی نظر دل سے دیکھ رہا تھا۔

پربھاکر نے مالی راؤ سے ٹھوڑی سی دیر کے لئے گھر جانے کی اجازت
 لی۔ کیونکہ اس کے سچے ہوتے مالی در سے گھر کی حالت بدی جا رہی تھی
 مالی راؤ نے خلاف توقع نہ صرف گھر جانے کی اجازت دے دی۔ بلکہ انعام و
 کرام بھی دیا۔ پربھاکر گھر چلا گیا۔ ماں باپ بھائی بہن پربھاکر سے جھک کر
 لے اور اس کی ہدایتیں لیں۔ مگر پربھاکر کا دل خوش نہیں تھا۔ گھر کی بوسیدہ
 دیواریں گرا کر سڑی دیواریں اٹھاتی جا رہی تھیں۔ دروازے بھی بدل رہے تھے
 لئے تھے۔ بسنر لباس اور بد مزہ میں کام آنے والی چیزیں نئی ہو گئی تھیں۔
 کمزدار مالوس چہروں پر مسکراہٹیں تھیں۔ تانہ کی تھی، تنگ تنگی تھی اور دلیولہ
 تھا۔ لیکن یہ چیزیں پربھاکر کے چہرے پر نہیں نکھیں۔

ماں نے یہ بات محسوس کرتی اور پوچھا۔ "پربھاکر! کیا بات ہے تو اس
 یوں ہے؟ تو گھر میں آکر خوش نہیں ہوا؟"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "ماں جی! آپ لوگ سا خوش ہیں تو میں بھی خوش
 ہوں۔ آپ میری خوشی یا ناخوشی کی فکر نہ کیجئے۔"

لیکن باپ اور بھائی بہن نے اس قسم کا کوئی سوال نہیں کیا۔ باپ
 نے اس کو بوسے گھر میں گھما پھرا کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ اس گھر کو نیا
 لانے میں کتنے ماں و زر کی اور ضرورت پیش آئے گی۔

پربھاکر نے کہا۔ "بہر حال آپ لوگ سچل سے کام نہ لیں میں مزید مال و
 درمیچنے پر بھیواؤں گا۔"

ماں کے سوا اس گھر میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو پرہیزگار کے دکھوں
اندازہ کر سکتا۔

رات کو کھانے کے بعد سب اپنے اپنے بستروں میں چلے گئے۔ لیکن
کی حالت کچھ اور ہی تھی وہ جسمانی طور پر تو اپنے گھر میں تھا مگر ذہنی طور پر
وہ راج بھون یا مندر میں تھا۔ ماں اس کی فکر مندی اور سوچ سے گڑبڑ
تھی۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ اس کو کھولے، لیکن ناکام رہی۔
رات وہ پرہیزگار کے پاس چلی آئی۔ اس کے پاس بیٹھ کر گزرتے دلوں کو
باتیں کرنے لگی۔ پرہیزگار نے ماں کی باتوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی، ماں
جملہ باتوں کے جواب میں اس نے بس ایک ہی بات کہی: ”ماں جی! پتہ نہیں
کیوں، میں لڑ جاتی ہی میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں۔“
ماں نے ہنس کر جواب دیا: ”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تو شادی
چاہتا ہے۔“

پرہیزگار نے تردید کی: ”نہیں ماں جی یہ بات نہیں ہے۔ میں دن
اور زندگی میں کوئی سرکشش یا دلچسپی نہیں محسوس کر رہا۔ بس یہی جی چاہ
ہے کہ مر جائیے، اپنی جان سے دیکھتے۔ دنیا پھسکی پھسکی لگتی ہے زندگی بے
ہو کر رہ گئی ہے۔“

ماں نے پوچھا: ”اس کا کوئی سبب ہے؟“
پرہیزگار نے جواب دیا: ”ہو سکتا ہے کوئی خاص سبب ہو۔“
ماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا: ”پرہیزگار! ایسی باتیں نہیں سو
میں جلدی ہی تیری خاموشی کر دوں گی۔“

پرہیزگار نے منہ بنا کر جواب دیا: ”اس کی کوئی ضرورت نہیں ماں ج
میں نے راج بھون سے شادی کر لی ہے، میں وہاں سے زیادہ سے زیادہ کہ
گھر دانوں کو دولت مند بنادوں گا اور پھر ایک دن مالی راؤ کے ہاتھوں قتل
کر نہ رکھ میں چلا جاؤں گا۔“

ماں نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، ادھر کانپ گئی، بولی:
بھون میں تو خوش نہیں ہے شاید؟ کیوں ہے نایہی بات۔؟ اگر میں
کہہ رہی ہوں تو تو راج بھون سے ناتہ توڑ لے۔“

لڑکیوں نے مہاراج کے مہر و عورت و احترام کی نظروں سے دیکھ
مالی راؤ نے لڑکیوں کو شوخی سے متنبہ کیا: "اروپ اور جوہن کی پتلیوں! اس نوجوان پر کرم
نہ نہ سجدہ جانا کیونکہ اس میں اس چیز کی کمی ہے جو تمہیں درکار ہو اگر حق ہے یعنی
جنون، دیوانگی، پگ بن، ہانی، زردندہ در سے بننے لگا۔ اس عمر میں تو خواہشات
عظام و غبرو مندہ دیکھو لڑکے کی طرح انسان کو استغناء نہ ہو پار کھتے ہیں، جہاں ہوگا
مگر گزرتے ہیں وہاں یہ عقلمند اور مال اندیش سوچنا رہ جاتا ہے۔ اس کی باتیں تو
کو بہریشان اور بوڑھوں کو حیران کر دیتی ہیں۔"

پربھاکر نے زدم ہیز مگر گردن جھکالی۔ "مہاراج! مجھے زیادہ شرم نہ کہ
میڈک کو میڈو اے مطلع کریں؟"

ایک لڑکی نے شوخی سے کہا: "مہاراج! یہ وہی نوجوان پربھاکر ہے
جس کے بول گیان اور دھیا سے لہریز ہوتے ہیں۔ کچھ بول! ہمیں بھی سنا دیں!
مالی راؤ نے پربھاکر کو حکم دیا: "پربھاکر جی! کوئی انہوں بول سنا دیتا کہ یہ لڑکی
بھی خوش ہو جائیں؟"

پربھاکر نے عرض کیا: "مہاراج! اس محفل میں عقل و دانش کی باتیں یقیناً
ضائع ہو جائیں گی جس طرح ریگزار میں اناج کے دانے۔ یہ موسم کی خوش رنگ پتلی
میرے بول کیا سمجھیں گی؟"

مالی راؤ نے تیوریاں چڑھائیں: "پربھاکر جی! میرے حکم کی تعمیل ہونا چاہیے
ادھ کچھ نہیں؟"

پربھاکر نے کہا: "مہاراج! ان سے کہیے، یہ مجھ سے پوچھیں میں اس
جواب دوں گا۔"

مالی راؤ نے لڑکیوں سے کہا: "لڑکیوں! پربھاکر جی سے کچھ پوچھو۔"
اب ساری لڑکیاں پربھاکر سے رجوع تھیں۔ کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آتا
تھا کہ وہ کیا پوچھیں۔ آخر ایک نے پوچھا: "پربھاکر جی! انسان میں محبت اور نفرت
کی اصل بنیاد کیا ہوتی ہے؟"

پربھاکر نے جواب دیا: "دو سالوں میں کسی بھی قسم کا اسی تضاد یا
اتفاق۔ عالم جاہل کو کواہمت سے دیکھتا ہے۔ امیر غریب کو پرمیزگار بے دین کو
پادسا فاسق کو، عالم عالم سے چلے گا۔ امیر امیر سے خوار کھائے گا، پرمیزگار پرمیزگار

سے حسد کرے گا۔ پارسا پارسا کو بڑا کہے گا۔ بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک کے دل میں بھی حسد نے گھر کر لیا ہو۔“

لڑکیاں پر بھا کر کی صورت یوں دیکھتی رہیں گویا کچھ پلے نہ پڑا ہو۔
پر بھا کرنے یہاں اپنی ناقدری محسوس کی، بولا۔ ”ہمارا حق! سمجھتے کیوں
اد فرمایا تھا؟“

مالی مادہ لڑکیوں کے پنج سے نکل کر پر بھا کر کو ایک طرف لے گیا۔ بولا۔
پر بھا کر جی! یہ اس وقت جو سماں تم دیکھ رہے ہو، وہ اس کے رد عمل سے پیدا ہوا
ہے کہ رجنی کانت مجھ سے ناراض ہو گئی ہے میں اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ
محسوس کر رہا ہوں کہ میں رجنی کانت سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اس کے بغیر میں کچھ
بھی نہیں۔ راج بھون سنسان، دنیا دیران ہے۔ اس کی کمی یہ اتنی ساری لڑکیاں
بھی ددیر نہیں کر سکتیں؟“

پر بھا کر حسد اور رقابت کی آگ میں جل رہا تھا۔ بمشکل پوچھا۔ ”پھر
ہمارا حق! اس سلسلے میں مجھ کو کیا کرنا ہو گا؟“

مالی زاد نے جواب دیا۔ ”میں چاہوں تو رجنی کانت کو جبراً بلوا لوں۔ زبردستی اٹھا
لوں۔ لیکن عشق و محبت میں جبر اور طاقت سے کام نہیں چلتا۔ اگر مجبور ہو کر دھکے
ہو تو اس کے منانے اور راضی کرنے میں جو مزہ آئے گا، وہ جبر اور زبردستی کے استعمال
سے نہیں مل سکتا۔ تم رجنی کانت کے پاس جاؤ اور اس کو میری طرف سے راضی کرنے کی
کوشش کرو۔ تم اپنی پیادہ پیادہ ہی باتوں کے زور سے اس کو مجھ پر مائل کر سکتے ہو اس
کی خوشگلی ددیر کر سکتے ہو۔“

پر بھا کر کے دل پر چوٹ لگی۔ اس نے سوچا، ہائے رسی دولت جو غفلت و غمی
در اپنے رقیب کو قائم بری پر مجبور کر دیتی ہے جو اپنے جھوٹے عشق کو سچے عشق
پر حاکم بنا دیتی ہے۔

مالی زاد بڑی بے چینی سے پر بھا کر کی شکل دیکھ رہا تھا وہ پر بھا کر کے
دل میں اس کے چہرے کے تاثرات سے جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن مالی زاد
اس طوفان اور اس قیامت کا اندازہ نہیں لگا سکا جو پر بھا کر کے پورے وجود
کو ہلاتے ہوئے تھا جو آتش فشاں کے لادے کی طرح دل کی تہہ سے ابل کر
دماغ کی طرف چڑھ رہا تھا۔

مالی راؤ نے پوچھا، "کیا سوچنے لگے پر بھا کر جی؟"
 پر بھا کرنے بے بسی سے جواب دیا، "میں آپ کا یہ کام کمروں کا مہارا:
 ضرور کمروں کا۔"

مالی راؤ نے پوچھا، "کب کمرو گئے؟"
 پر بھا کرنے جواب دیا، "آج ہی، اسی وقت، ابھی!"
 لڑکیاں ان دونوں کی سرگوشیاں وحشی ہر نیوں کی طرح کان کھڑے کے
 دیکھ اور سن رہی تھیں۔

مالی راؤ نے کہا، "تمہاری بیوی کو شمش یہ ہو گی کہ رجنی کانت میرے پر
 ہنسی خوشی آجائے۔ تم نظروں کے جادوگر ادھ باتوں کے کلاکار ہو۔ انہونی کو ہوا
 میں بدل سکتے ہو؟"

پر بھا کرنے پوچھا، "بس یا ادھ کچھ؟"
 مالی راؤ کے چہرے کی نرمی ایک دم سختی میں بدل گئی۔ اس نے پلٹ کر
 لڑکیوں پر سرسری نظر ڈالی اور پر بھا کرنے کی طرف دوبارہ رجوع ہوا۔ "ادھ ایک خط
 بات۔ جبر جانتا ہوں کہ تو بھی رجنی کانت کو پسند کرتا ہے لیکن جب تجھ کو یہ بات
 معلوم ہو گئی کہ ایک ہی چیز کے دو طلب گار ہیں۔ ایک راجہ اور دوسرا راجہ
 داس، تو راجہ کے داس کا فرض ہے کہ وہ اپنے راجہ کے حق میں اپنی پسندیدہ
 شے کی طلب گاری سے ہٹ جلتے۔"

پر بھا کرنے جواب دیا، "مہاراج کا حکم سر نہکھوں پڑا بھگوان نے مجھے
 عقل تو ضرور دے رکھی ہے کہ میں اس نازک موقع پر صحیح فیصلہ کمروں۔ بھوکے شہ
 ادھ بھوکے گیدڑ کے سامنے شکار بڑا ہو تو گیدڑ کی عافیت ہی اس میں ہے کہ وہ
 بھوک پر صبر کرے اور شیر کے حق میں اپنے حق سے دستبردار ہو جلتے۔"

مالی راؤ ایک دم مشتعل ہو گیا، "حق؟ کیسا حق؟ کس کا حق؟ تو رجنی کانت
 پر کس قسم کا حق رکھتا ہے؟ اور یہ کہ تو آزاد راہ پر رحم میرے حق میں اپنے حق سے
 دستبردار ہو گا۔ یہ کیسی لچر اور فضول بات کی تو ہے؟"

پر بھا کرنے مالی راؤ کے قدموں پر گر گیا۔ اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ "مہاراج
 باتوں کے اسلوب پر قابو نہیں رہا۔ رحم کرو، معاف کر دو۔ غلطی ہو گئی۔"

مالی راؤ ذرا پیچھے ہٹ گیا، بولا، "رجنی کانت پر تیرا کون حق نہیں۔ اور"

نہ سمجھے یہ سمجھنا چاہتے کہ بھوکے شیر اور بھوکے گیدڑ کی تمثیل کی مرد سے تو ہر ا
 ریف یا رقیب ہے۔ میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے لئے تو یہ خیال ہی
 زہیت ناک ہے کہ میری محبوبہ کو تو محبت کی نظر سے دیکھے، میری غیرت یہ گوارا
 میں کر سکتی؟

پھر بھاکر کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہم دیونا چتراد کھائی دوسے رہا تھا، ہم دیو
 بت کا فرشتہ۔ بولا: "مہاراج! میں معافی چاہتا ہوں۔"

مالی راؤ نے جواب دیا: "جا پہلے میرا کام کر اور رجنی کانت کو مہلا پہنلا کر
 رت پاس اس حال میں لا کہ جب وہ میرے سامنے آئے تو اس کے ہونٹوں پر
 مسکراہٹ ہو، اس کے انگ انگ سے شوق ظاہر ہو رہا ہو، اس کی چال میں محبت
 بے چینی ہو۔"

اگر یہ ساری باتیں پوری ہو جاتی تگی تو بس نیچے معاف کر دوں
 درندہ سزا دوں گا۔"

پھر بھاکر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بولا: "مہاراج! میں موت سے نہیں ڈرتا،
 پ چاہیں تو یہ ہیں، اسی وقت، اسی جگہ ہلاک کر دیں۔ میں تیار ہوں لیکن رجنی
 بات کہ میں رجنی کانت کو نہ صرف یہاں تک لے آؤں بلکہ اس حالت اور اس
 فیت میں لاؤں جو آپ نے بیان فرمائی تو شاید ایسا کرنا ناممکن ہو۔ میں اپنی
 دس سے انسان کو بدل تو سکتا ہوں، لیکن یہ ناممکن ہے جس کسی کے جذبات
 متلاطم پیدا کر دوں، کسی کے دل اور انگ انگ میں سخن کی طرح گردش
 کرنے لگوں، ایسا ناممکن ہے۔"

مالی راؤ نے سختی سے کہا: "زیادہ باتیں نہ بنا، جا اپنا کام کر۔"

پھر بھاکر نے ذرا رک کر ایک نظر مالی راؤ پر ڈالی اور پورے اعتماد سے
 ت کی "مہاراج! اب جو آپ سے بات کر رہا ہوں تو یہ سوچ کر دہلا پتے میں یہ فرض
 کے کہ میں مرجھا، میں قتل ہو چکا، میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر رجنی کانت
 پاس جاؤں گا۔ مہاراج! میری آغا غیر معمولی ہے، میری روح میں بڑی شکتی
 ہے، میں پردہت کی طرح کمزور نہیں ہوں۔"

مالی راؤ نے ہنس کر جواب دیا: "پھر بھاکر جی! تم بھی عجیب آدمی ہو کبھی
 تم پاؤں پر گر کر معافیا مانگتے ہو، خوشامد میں کہنے ہوا کہ کبھی کر دے کھاتے ہو

اور آتما شکتی کا دعویٰ کرنے لگتے ہو۔ جاؤ اور برجنی کانت کو منا کر لے آؤ۔ باتیں بعد میں ہو جائیں گی، تم بھی موجود ہو میں بھی موجود ہوں تم اپنی آتما شکتی دکھانا، میں اپنی طاقت دکھاؤں گا پھر معلوم ہو جائے گا کہ کس کا دعویٰ سچا تھا۔

پھر بھاکر کے چہرے سے وحشت اور ایسی سی جھلک دیکھی۔ بڑے مضبوط لہجے میں کہا: ”مہاراج! آپ میری پوری بات سن لیں تاکہ بعد میں کچھ نہ پڑے۔ مہاراج! اگر میں آپ کے ہاتھوں بے گناہ قتل کر دیا جاؤں گا تو یہ وہ آتما جو جسم کی قید میں رہ کر موقوفہ پڑ رہی ہے آہ اور کچھ اپنی بے پناہ طاقت مظاہرہ شروع کر دے گی۔ میں مرنے کے بعد بدلہ لوں گا اور پوری زندگی اجیرن کر کے رکھ دوں گا۔“

مالی راقہ پھر بھاکر کی تلخ کلاسی برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے حالت بدلیا میں مکوں، جھانپڑوں اور لٹائیوں کی بارش شروع کر دی۔ پھر بھاکر اپنے دونوں ہاتھ سے بچاؤ کی کوشش کرتا رہا۔ اس کوشش میں اس کے دونوں ہاتھ، انگلیاں، کلاکیاں، ہتھیلیاں اور دونوں بازو زخمی ہو گئے۔ لڑکیاں مسکرا مسکرا کر دلچسپ تنہائی کی طرح دیکھتی رہیں۔ مالی راقہ بھی رہا تھا اور گالیاں بھی دے رہا تھا۔ پھر بھاکر بھرتے لہجے میں چرخ کر بولا: ”مہاراج! آپ کو یہ مارہمت گمراہ پڑے گی، اس کی بڑی قیمت دینا پڑے گی آپ کو۔ مارو بھٹا نوجوان کی بے عزت کرنا یا اس پر رہا تھا اٹھانا مہادیو کو ناراض کرنے کے برابر ہوتا ہے۔“

مالی راقہ ہانپنے لگا تھا: ”میں تجھے بھی جان سے مار دوں گا اور اگر بچے مہادیو آتے تو انہیں بھی مار دوں گا۔ آخر میں بھی تو شیوجی کا اوتار ہوں اس دور میں میں کسی سے بھی نہیں ڈرتا مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے۔“ ایک حسین لڑکی کو پھر بھاکر ہر دم آگیا، مالی راقہ کے پاس جا کھڑی ہو بولی: ”مہاراج! اس دھواں گیانی کو معاف کر دیجئے۔“

لیکن مالی راقہ نے لڑکی کو ڈانٹ دیا: ”تو چلی جا میرے پاس سے دور تجھے بھی پیٹھ دردں گا۔“

لڑکی چند قدم پیچھے ہٹ گئی اور مالی راقہ کو پیادہ وار پٹائی کرتا رہا۔ پھر بھاکر بے حالی ہو کر گر گیا۔ اور کر اپنے لگا۔ اس کے گرنے ہی مالی راقہ کے ہاتھ ٹک گئے

اور پر بھا کر کے پاس بیٹھ گیا۔ مسکرا کر پوچھا: ”کیا حال ہے پر بھا کر جی! دونوں کی طاقت کا اندازہ ہو گیا؟ کون طاقتور ہے؟ میں یا تم؟“
 پر بھا کر نے شدت سے سر ہلایا: ”میں نہیں بند کر لیں اور کر لیتے ہوئے جواب دیا: ”مہاراج! بلوان تو آپ ہی ہیں اور اس بلوانی کا میں ہمیشہ سے اعتراف کرتا رہا ہوں۔ اس وقت آپ نے مجھ کو خواہ مخواہ مارا ہے۔ میں اپنی آتما شکتی کا مظاہرہ کرنے کے بعد کر دوں گا۔“

مالی راؤ نے سختی سے کہا: ”پر بھا کر! اب تو جا اور رجنی کا منت کر لے۔“
 پر بھا کر کے منہ سے خون جاری تھا۔ کیونکہ مالی راؤ کے کئی کتے اس کے منہ لگے تھے۔

جب وہ جانے لگا تو مالی راؤ نے لمحہ بھر کے لئے مدد کا اور کہا: ”پر بھا کر! باہر بچھنبار ملے گا۔ راج بھون ہیں کسی سے بات کرنے کی کوشش نہ کرنا اور رجنی منت کو بھی اسی تلخی کے بارے میں سمجھ نہ بتانا۔“
 پر بھا کر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مالی راؤ نے پک کر اس کو دونوں شانٹوں سے پکڑ لیا اور بچھنبورنا ہوا بولا: ”میں کیا کہہ رہا ہوں۔ تم نے سنا نہیں؟ میری ت کا جواب دو پر بھا کر۔“

پر بھا کر نے جیج کر جواب دیا: ”میں بتاؤں گا ظالم۔“
 مالی راؤ نے اس کے منہ پر ایک ہاتھ اور دوسرا سر دیا۔ ”میں ظالم ہوں، زبان سنبھالی لے ورنہ گتھی سے کھینچو لوں گا۔ آخر تو خود کو کیا سمجھتا ہے؟“

پر بھا کر کے کئی دانت ہل گئے۔ مالی راؤ نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ وہ دروازے پر موجود اس کو حکم دیا: ”اس کو رنڈ پر بٹھا دیا جائے۔“
 اس نے پر بھا کر کے منہ سے خون بہتے دیکھا تو منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ مارے خوف کے اس بارے میں کوئی سوال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دروازے پر تیار کھڑا تھا۔ مالی راؤ کے پاس نے پر بھا کر کو دھتکہ بان کے حوالے کرتے ہوئے کہا: ”مہاراج کا حکم ہے کہ یہ جہاں کہیں پہنچا دیا جائے۔“

اس کے ناقص جملے نے پر بھا کر کے دل دماغ میں بجلی کی طرح کوہ

کہ ایک راہ دکھائی۔ ”مہاراج کا حکم ہے کہ یہ جہاں کہیں پہنچا دیا جائے!“
وہ خاموشی سے رتھ پر بیٹھ گیا اور حکم دیا ”شیشو جی کے مندر چلو
رتھ بان نے رتھ پر بیٹھ کر گھوڑے کی داس پکڑی اور خدا سی جن
پر گھوڑا اڑا لے باتیں کرنے لگا۔

✱

✱

✱

دستے بھر دہ مہیسر سے فرار ہو جانے کے منصوبے بنا تا رہا۔ وہ رتھ
کو بھی اپنے ساتھ ہی کے جانا چاہتا تھا۔ لیکن کچھ ہتہ نہ تھا کہ وہ اس کا
دے گی یا نہیں؟

مندر کا کلس سورج کی شعاعوں سے چمک رہا تھا اور مندر کے
بیں کھڑے ہوتے لمبے لمبے شیشم اور برگ کے درخت دیو ادوں کے اوپر۔
جھانکنے دکھائی دے رہے تھے۔ رتھ مندر کی حدود میں داخل ہوا۔ پر بھاگ
لے مندر کے بان (منڈپ) کے صدر دروازے پر دھک دیا۔ دروازے پر
دیوتاؤں کی مورتیں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں نارائن، پارہتی، برہما جی، شیشو
سبھی موجود تھے۔ پر بھاگنے ان مورتیوں کی طرف دیکھا تو اس نے زیادتی
ستم رسیدہ کی طرح اس کا دل بھرا آیا جو دہرے کے لئے حاکم کے سامنے پہنچ
رہا تھا۔

وہ چند لمحوں کے لئے صدر دروازے کی مورتیوں کے سامنے رکا اور
”دیوتاؤں! مجھ پر ظلم ہوا ہے، تم انصاف کرو اور میرا ساتھ دو کیونکہ مامہ بھرا
جاتی لے کبھی تمہارا ساتھ دیا تھا۔“

وہ مندر میں داخل ہوا، رتھ بان نے اچانک سوال کیا۔ ”پر بھاگ جی۔
رکنا ہے یا واپس جانا ہے؟“

پر بھاگ نے جواب دیا۔ ”کچھ دیر رکھو، میں تھوڑی دیر میں واپس
آتا ہوں۔“

وہ مندر کے بڑے دروازے سے داخل ہو کر چھوٹے دروازے۔
نکل گیا۔ وہ رتھ کا نت کے پاس جا رہا تھا۔ پوجاری اور دیوتاؤں پر بھاگ
اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں۔ ایک کوٹھری سے پیشوری پر شاہ نکلے اور پر بھاگ

سکڑ کر پر نام کیا، بولے: ”پر بھاکر جی! یہ پر نام تمہیں نہیں کیا گیا بلکہ اس وڈیا گیان اور بدعتی کو کیا گیا ہے۔“

پر بھاکر نے پھسکی مسکراہٹ سے جواب دیا: ”پر دہمت جی! آپ کی مہربانی کہ آپ مجھے اتنا سچ سمجھتے ہیں درہنہ آپ کا مقام سب سے بلند ہے۔“

پر دہمت جی نے پر بھاکر کے ستر جے ہوتے چہرے کو تنور سے دیکھا اور پوچھا: ”پر بھاکر جی! میں یہ کیا ہوا؟ کسی سے ماہ پیٹ تو نہیں ہو گئی؟ یہ چہرہ سوچا

ہوا کیوں ہے؟ شاید خون بھی بہا ہے۔“
پر بھاکر نے جواب دیا: ”پر دہمت جی! سنے میں ایک جگہ منہ کے بل گر گیا تھا

مگر کوئی خاص بات نہیں۔“
پر دہمت نے اس کی باتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ کہا:۔

”اچھا جی! تو تم دہمتی کا منت کے پاس آئے ہو گے۔ مہاراج مانی ما دہمتی کیسے ہیں؟“
پر بھاکر نے جواب دیا: ”ہاں میں آیا تو دہمتی کا منت ہی کے پاس ہوں۔ دیے

مہاراج اچھے ہیں۔ مزاج میں گری کچھ زیادہ ہی سمائی ہوئی ہے، دہمتی کا منت کو اسی وقت طلب کیا ہے۔“

لیکن اس کو اپنی غلطی کا فورا ہی احساس ہو گیا۔ اس کو یہ نہیں بتانا چاہیے تھا۔ لیکن بات کہہ چکا تھا، غلطی ہو چکی تھی۔

مہیشوری پر شاد جی نے بڑے افسوس سے کہا: ”پر بھاکر جی! دیسے یہ بات ہے بڑے افسوس کی کہ مہاراج شیو جی کی دہاسی کو اپنی دہاسی بنانے کے چکر میں ہیں۔“

پر دہمت جی منہ بنا کر چلے گئے اور پر بھاکر نے دہمتی کا منت کے در پر دستک دی۔ دہمتی کا منت نے دروازہ کھولا تو اپنے سامنے پر بھاکر کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

جبریت سے بولی: ”پر بھاکر جی! تم۔ خیریت تو ہے کہ بھر بھول پڑے؟“
پر بھاکر نے جواب دیا: ”دہمتی کا منت اندر تو آئے دو۔ میں زیادہ وقت

نہیں لوں گا۔“
دہمتی کا منت نے پورا دروازہ کھول دیا، بولی: ”آج آنا اندر۔“

پر بھاکر نے اندر داخل ہوتے ہوئے دہمتی کا منت کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دہمتی کا منت نے اس کا سوجھا ہوا منہ دیکھ لیا تھا۔ اندر دونوں ایک ہی چارپائی

ہم بیٹھ گئے۔ رحمتی کانت نے پوچھا۔ ”یہ تمہارے چہرے پر درم کیوں ہے؟“
 پُرش نے نخموں پر نمک پاشی کی، دل بھر آیا۔ بھڑائی آواز میں سب کچھ
 صاف صاف بتا دیا۔ بولا: ”رحمتی کانت! ان حالات میں میں رات بھون میں کس درم
 رہ سکتا ہوں۔ میں اپنے شبروں کا جادو محض اس لئے جگاؤں کہ تم ان کے زیر اثر
 میرے ساتھ مانی راؤ کے پاس چلی چلو، میں جو تمہارا سچا عاشق ہوں۔ ایک بڑا ہوس
 کی خاطر در لائی کروں۔ رحمتی کانت! میں یہ نہیں کر سکتا۔“

رحمتی کانت نے مسکرا کر پوچھا: ”نہیں، اگر تم کہو تو میں تمہاری خاطر مانی را
 جی کے پاس اسی انداز میں چل سکتی ہوں جس طرح کا وہ خواہش مند ہے۔“

ہم بھاگنے جواب دیا۔ ”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”تب پھر تم کیا کرو گے؟“ مانی را رحمتی کو کیا جواب دو گے؟

ہم بھاگنے پڑی بے بسی اور مایوسی سے رحمتی کانت کو دیکھا۔ اور دبے دے
 لہجے میں پوچھا: ”رحمتی کانت! میں ایک گناہ کر دوں نہ سمجھ عرض کروں؟“

”کرو عرض۔“

”پہلے وعدہ کرو کہ مایوس نہیں کروں گی؟“

رحمتی کانت نے غیر جذباتی انداز میں کہا۔ ”جب تک مجھے پوری بات نہ معلوم
 ہو جائے، میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی، بات صاف صاف کرو۔“

ہم بھاگنے التجا آئینہ نظر در سے دیکھتے ہوئے کہا: ”رحمتی کانت! میں
 کب تک اس آزمائش میں مبتلا ہوں گا۔ کبھی میری بابت بھی سوچا تم نے، میرا
 مسئلہ بھی زیر غور آیا کبھی؟“

رحمتی کانت نے جواب دیا: ”ہم بھاگنا! تم ایک شکی انسان ہو، سچی بات تو
 یہ ہے کہ میں تم سے خوفزدہ ہو گئی ہوں۔ تم نکتہ چیں ہو، عمدت ذات پر اعتبار نہیں
 کرتے پھر میں تمہارے مسئلے پر کس طرح غور کروں؟“

ہم بھاگنے خوشامد کی۔ ”رحمتی کانت! میری آخری ملاقات ہو گئی۔ کیونکہ
 میرا مہیسر بارہ درمیں رہنا یا چلا جانا تمہارے جواب کا تابع ہے۔“

رحمتی کانت نے کہا: ”اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی؟“

”تب پھر میں صبر کروں گا، مہیسر سے کہیں بہت دور چلا جاؤں گا۔“

رحمتی کانت نے پوچھا: ”اگر میں تمہارا ساتھ نہ دوں تو تم مہیسر کیوں چھوڑ دے گے؟“

”اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہارے بغیر میسر میں رہ ہی کیا جاتا ہے،
 دوسرے یہ کہ تم سے بھی محروم رہوں اور مالی راز کے ظلم و ستم بھی سہوں۔ ایسا نہیں
 سکتا۔“

رجنی کا منت نے طنزاً پوچھا: ”اور وہ تمہاری واجب الاحترام مقدس خاتون
 ماری کوئی مدد نہیں کر سکتیں؟“

پھر بھائرنے جواب دیا: ”میں اپنے معاملے میں ماں بیٹے میں لڑائی نہیں
 نے دوں گا۔“

رجنی کا منت نے تلخی سے کہا: ”جہاں معاملہ جھوٹ اور سچ کا ہو وہاں سچ کو
 بٹ سے ضرور لڑنا چاہیے۔ کیونکہ جھوٹ اور سچ میں خطرناک سترہ روپہ ہر
 ل، مہا بھارت کے نام سے ہو چکا ہے جس میں ایک طرف پانڈو دتھے اور دوسری
 کوہر دے۔ سچ پانڈو کے ساتھ تھا۔ پانچویں بھائیوں کی طرف۔ سچ کی وجہ سے کرشن
 دان نے بھی پانڈو کا ساتھ دیا تھا۔ کوہر ایک سودا یک بھائی تھے، دیر یوں ان
 راتھا اور انہی کی طرف جھوٹ تھا۔ اور یہ سب ایک دوسرے کے رشتے دار
 ، حب ارجن نے اپنے ماں بھائیوں، بھتیجیوں اور دوسرے خونی رشتوں کو
 آدا دیکھا تو دکر مقابلے سے بھاگنے لگا مگر کرشن بھگوان نے اپنے شاندار پدیش
 ارجن پر یہ بات کھول دی تھی کہ سچ اور جھوٹ میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ اہلیا
 بھی ایک ایسی ہی دیوی ہے جو جھوٹ اور سچ سے واقف ہے۔ مالی راز
 ہر اہلیا بانی کا پیشہ ہے لیکن اہلیا بانی کو یہ حقیقت بھی معلوم ہے کہ سچ اور
 ٹ میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ تمہیں اہلیا بانی کی سرپرستی میں مہیسر ہی رہنا
 بیٹے۔“

پھر بھائرنے دیاس کے زیر اثر یوں مسکرایا گویا شمسان میں چاندنی ہو
 ہو۔ بولا: ”رجنی کا منت! ناج بھون میں سچ کمزور ہے کیونکہ یہ سچ ایک کمزور عورت
 پاس ہے جھوٹ غالب ہے اور مجھے دے کہ اگر مالی راز دہرپاگن بن کا خطرناک
 ہو گیا تو وہ مجھے آدیتیں دے کر ہلاک کر دے گا۔“

رجنی کا منت سوچ میں پڑ گئی، سر جھکائے سوچتی رہی۔ آخر بولی: ”پھر بھائرنے
 میں تمہاری عزت کرتی ہوں لیکن خوف بھی کھاتی ہوں۔ شک جو تمہاری روح،
 دے دل و دماغ میں گھسا ہوا ہے۔ اس سے بے حد ڈر لگتا ہے۔ اگر میں تمہارا

ساتھ دونوں ادھر تم پیار و محبت سے رہ کر بھی شک و شبہ میں مبتلا رہو تو میں تو کہ
کی بھی نہ رہوں گی۔ اس لئے ہم دونوں کا انگ انگ پہنا ہی بہتر ہے۔ اس جھوٹے
میری بار یقینی ہے۔“

پرسہا کر داپسی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ”بہتر ہے رجنی کانت! اب میں تمہارے
پاس کبھی نہیں آؤں گا اور اپنی منحوس شکل نہیں دکھاؤں گا۔“

وہ کوٹھری سے باہر نکل گیا۔ رجنی کانت تڑپ کر اس کے پیچھے دوڑی، بولا
”لیکن ایک بات تو سنتے جاؤ پرسہا کر جی! لمحہ بھر کے لئے رکو تو سہی!“

پرسہا کر کا ادھر کمرہ نہ تھا۔ رجنی کانت اس کی طرف دوڑی چلی آ رہی تھی
پرسہا کر نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“

رجنی کانت نے پوچھا۔ ”اگر میں تمہارے ساتھ چلوں تو تم مجھے کہاں۔
جاؤ گے؟“

پرسہا کر کا چہرہ خوشی سے دھلکے لگا پوچھا۔ ”کیا تم نے اپنا فیصلہ یہ
بیا ہے؟“

رجنی کانت نے کہا۔ ”پہلے میری بات کا جواب دو، یہاں سے نکال کر تم مجھ
کہاں لے جاؤ گے، کہاں رکھو گے؟“

پرسہا کر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! بھگوان کی زمین بڑی لمبی چوڑی ہے۔
میں تمہیں مزید کے اس پار نیلگری کی پہاڑیوں میں لے جاؤں گا۔ نیلگری کی خوشوار
دادی ہیں، جہاں تک مانی راؤ کے آدمی ہمارا پیچھا کر سکتے ہیں ہم اس سے بہت
دور نکل جاتے ہیں۔“

رجنی کانت نے پوچھا۔ ”پھر وہاں ہم دونوں میاں بیوی بن کر رہ
سکیں گے؟“

”بالکل بالکل۔ اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے؟“

رجنی نے کسی قدر رک رک کر کہا۔ ”پرسہا کر جی! اگر تم شیبو جی کی سوگند
کھاؤ کہ میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے اور مجھ پر شک کر کے یہ دھانی تمہیں کر دوں
تو میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں۔“

پرسہا کر کے دل میں امید کی بجلی پڑی اب وہ تاب سے کوٹنگی، بولا۔ ”میں سو
کھانے کو تیار ہوں۔“

رجنی کانت اس کو دوبارہ اپنی کوٹھری میں لے گئی اور آہستہ سے پوچھا: ”پھر کب تک نکل چلنے کا ارادہ ہے؟“

”رجنی کانت! کب تک کا وقت نہیں ہے، میں تو اسی وقت میں سر چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔“

رجنی کانت نے پوچھا: ”اپنے ماں باپ بھائی بہن سے ہمیں ملو گے کیا؟“
 پھر بھاکر نے جواب دیا: ”ان سب سے ملنے میں میں ہی پھنس جاؤں گا۔ باہر رنڈ تیار کھڑا ہے، ہم دونوں کو نمبر بندی کے کنارے اتار دے گا ہم آنا فائنلٹی کے ذریعے پارا تہ جائیں گے۔“

رجنی کانت نے جبر سے پوچھا: ”رنڈ تو مہاراج مانی لڑا کا ہو گا وہ ہمیں نمبر بندی کے کنارے کیوں پہنچانے لگا؟“

پھر بھاکر نے جواب دیا: ”رنڈ اور رنڈ بان سر درست میرے حکم کے تابع ہیں۔ میں جہاں چاہوں چلا جاؤں۔ کیونکہ مہاراج نے رنڈ بان کو یہی حکم دے رکھا ہے۔“

رجنی کانت نے جلدی جلدی اپنا ضروری سامان سمیٹا۔ زیورات کی پڑلی باندھی اور کوٹھری پر انوداعی نظریں ڈالتی ہوئی باہر نکلی۔ بالوں میں اور پرانا رینگن ماحول اور اس کی ہر شے اس کے پاؤں پکڑ رہی تھی کہ رجنی کانت نہ جا، فیصلہ بدل دے۔

لیکن رجنی کانت بڑی سفاکی سے باہر نکلی اور پھر بھاکر کو اپنا سامان تھما کر بولی: ”میں ذرا ہمیشہ کی ہر شے سے بات کر لوں اور انہیں بتا دوں کہ مہاراج مانی لڑا کے پاس جا رہی ہوں۔“

پھر بھاکر کو ڈر نہ لگا کہ کہیں پر دست جی تفصیلی سوال و جواب میں نہ چلے جائیں، دلا: ”اس وقت اگر تم ان کے پاس نہ جاؤ تو کیا حرج ہے؟“

رجنی کانت نے جواب دیا: ”اس وقت ان سے ملے بغیر چلے جانا خطرناک اہت ہو گا۔“

پھر بھاکر اس کا سامان لے کر رنڈ کی طرف چلا گیا اور رجنی کانت پر دست جی سے مل کر پھر پھر بھاکر سے جالسی۔ دونوں رنڈ پر بیٹھ گئے۔ پھر بھاکر نے رنڈ بان سے کہا: ”نمبردار کے کنارے، گھاٹ کے مندر پہنچا دے۔“

مذہب بان نے حیرت سے کہا: ”کیا تم لوگ رات بھون نہیں جا رہے ہو؟“
 پھر بھاکر نے جواب دیا: ”رات بھون بھی جاتیں گے، لیکن گھاٹ کے مندر
 سے پڑے سادے کمرے“

مذہب کا مندر برباد اندھی کی طرف ہو گیا اور گھاٹ کے مندر تک پہنچنے میں
 زیادہ دیر نہیں لگی۔ دونوں مذہب سے اتر کر مندر میں داخل ہو گئے۔ گھنٹیوں کے
 شور میں سکھ کی آواز بھی شامل تھی۔ مندر کی باہری سیڑھیاں تیرہ بدر کے اندر تک
 اندھی چلی گئی تھیں۔ گھاٹ سے شہر کا صلے پر ایک خانی کشتی موجود تھی۔ پھر بھاکر
 کی جان میں جان آئی۔ ”کیونکہ وہ اس کشتی کے ذریعے ندی کو عبور کر سکتا تھا۔ اب
 پھر بھاکر اس فکر میں تھا کہ کسی طرح مذہب بان کو یہ چھوڑ دے کہ وہ واپس کر دے کچھ
 دیر مندر میں رہ کر پھر بھاکر یا پھر نکلا اور مذہب بان سے کہا: ”میں مندر میں کچھ دیر
 لگے گی تم اتر کر میں جانا چاہو تو آؤ پھر واپس چلیں گے“
 مذہب بان نے کچھ سرچ کر پھر بھاکر کو سرسری نظروں سے دیکھا اور کہا: ”میرا
 کتنی دیر لگے گی؟“

”اترھا پھر لکھنڈ، بس“

مذہب بان نے کہا: ”تب پھر میں کچھ دیر بعد واپس آتا ہوں“
 وہ چلا گیا۔ پھر بھاکر کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کچھ دیر بعد مذہب بان کی طرف
 سے مطمئن ہو کر پھر بھاکر نے مندر سے نکل کر کشتی والے سے پورا اترنے کی بات کی
 معاملہ جلد ہی طے پا گیا۔ پھر بھاکر اور راجنی کانت کشتی میں بیٹھ گئے۔ کشتی کا بار بار
 اہوا میں لہرا رہا تھا۔ پھر بھاکر اور راجنی کانت دعا میں لگ رہے تھے کہ کسی طرح
 کشتی جلد از جلد روانہ ہو جائے لیکن کشتی کا ملّاچ مزید سواہیوں کا منظر تھا۔ پھر بھاکر
 نے کہا: ”ماں بھئی! میں نہیں زیادہ سے زیادہ رو پیسے دوں گا تم ہمیں سواہیوں کا انتظام
 کتنے بغیر پا کر مارد“

ماں بھئی نے جواب دیا: ”ایسا نہیں ہو سکتا“ پھر راجنی کانت کی طرف دیکھ
 کر سوال کیا: ”تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ شاید دھرم پنتی۔ پر یہ تو بتاؤ تمہیں
 جلدی کیوں ہو رہی ہے؟“

پھر بھاکر کے پاس ان سوالوں کے واضح جواب نہیں تھے، آئیں باقی سنا
 بکے لگا۔ یوں گھنڈ انہی باتوں میں ضائع ہو گیا۔

اچانک ہر بھاگنے کی نظریں اس سچی مٹک پر گئیں جو راج بھون سے گھاٹ
 لڑائی تھی۔ راستہ گردوغبار سے اٹا ہوا تھا۔ وہ اس گردوغبار کے اندر دیکھنے
 پیش کر رہا تھا۔ نداد ہر دھڑکے میں سے رکتوں اور گھڑ مسواروں کا ایک دستہ
 اس حوالہ سوار سربلہری کے گھاٹ کی طرف دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ ہر بھاگنے
 ساز و زور سے دھڑکا اور سچا آہستہ آہستہ ڈوبنے لگا۔ خوف کی لہر پورے جسم
 اور دھڑکی تھی۔ اس نے رجنی کا منت سے کہا: ”رجنی کا منت! اڈھراٹس طرف دیکھو،
 خیال ہے یکم راج نے میرے ارادے بھانپ لئے ہیں اور اب وہ اپنے لادشکر
 ساتھ ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔“

رجنی کا منت کو بھی اپنی رگوں میں خون کا انجماد محسوس ہونے لگا۔ سبم کمر لولی۔
 بھاگنے لگا۔ یہ کہا ہوا اب کیا ہوگا؟
 ہر بھاگنے کو اپنی قوت گویائی سلب ہوتی محسوس ہوتی۔

رکتوں اور مسواروں کے دستے نے مندر کر اپنے گھبرے میں لے لیا۔ اور مسوار
 وڑوں سے انکر مندر کے اندر داخل ہو گئے۔ رتھ مسوار بھی اپنے رکتوں سے انکر
 حق کی طرف بڑھے۔ ہر بھاگنے والی راؤ کو دوسری سے دیکھ کر ہیجان لیا۔ وہ نڈش
 یا تیس طرف ٹانے پر ڈالے ہاتھ میں کمان میں جھڑا تیر سنبھالے، کشتی کو نشانہ بناتے
 لئے بڑھنا چلا آ رہا تھا۔ ندی کے کنارے آگیا۔ راؤ چیخا: ”ہر بھاگنے! تم ہمارے
 جی کا منت سمیت کشتی سے انڈاؤ۔“

ہر بھاگنے ذرا حوصلے سے کام لیا۔ مانجھی سے کہا: ”مانجھی! کیا تم کشتی کو بھاگ
 دوسرے کنارے نہیں پہنچا سکتے؟“

مانجھی نے جواب دیا: ”مسافر! میں سب سمجھ کر سکتا ہوں مگر تم یہ بتاؤ کہ یہ
 مالہ کیا ہے اور ہمارا مالہ راؤ جی تمہیں کشتی سے اتارنے کا حکم کیوں دے
 رہے ہیں؟“

رجنی کا منت نے نیم مردہ آواز میں کہا: ”ہر بھاگنے! ہم دونوں ہمارے
 نسمتی جیت گئی۔“

ہر بھاگنے لینا ہاتھ رجنی کا منت کی طرف بڑھایا، بولا: ”آؤ مجھ سے عہد کرو
 جی کا منت کہ ہم دونوں ایک ساتھ جیتیں گے اور ایک ساتھ مر جائیں گے۔“

رجنی کا منت نے جواب دیا: ”ہر بھاگنے! میں یہ عہد نہیں کر سکتی کیونکہ میں

مالی راد کے سامنے اپنے اس عہد کو نباہ نہیں سکوں گی۔“
 پر بھاکر نے عالم بابوسی میں کہا: ”افسوس کہ تم نے مجھے اس بڑے اور
 نازک وقت میں تنہا چھوڑ دیا۔“

مالی راد اپنے آدمیوں کو لے کر کشتی میں چڑھ گیا۔ رجنی کانت اتنی ڈری
 تھی کہ مالی راد کو دیکھتے ہی زور زور سے رونے لگی، وہ کہہ رہی تھی: ”مہالاج
 کے لئے ہمیں معاف کر دو، ہم سے غلطی ہو گئی۔“
 مالی راد نے پر بھاکر پر نظر پڑتے ہی گھونسیوں، ٹکڑوں اور ملا توں سے
 شروع کر دیا۔ ”دغا باز، دھوکے باز، فریبی، بددیانت، خائن اب میں دیکھوں
 نتیجہ کو مجھ سے کون بچائے گا۔“

مالی راد نے پر بھاکر کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور اسے کشتی
 نیچے پانی میں پھینک دیا۔ اٹھلے پانی میں پر بھاکر ڈبکیاں کھانے لگا۔ مالی راد
 اپنے آدمیوں کو حکم دیا: ”اس کو ڈوبنے مت دینا سارا اس کے کئے کو
 دینا ہے۔“

مالی راد کے جوانوں نے پر بھاکر کو پانی سے نکال کر ساحل پر ڈال دیا۔
 مندر میں گھسنے والے نوجوان باہر نکل آئے۔ مالی راد کشتی سے چھلانگ
 ندی کے کنارے اتر پڑا اور رجنی کانت کو آواز دی۔ ”رجنی کانت! نیچے آجیا، تو
 ہے، تو معصوم ہے نتیجے پر بھاکر نے دغا لیا ہو گا۔“

رجنی کانت کشتی سے نکلی اور مالی راد کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ مالی
 نے کہا: ”رجنی کانت! یہ نتیجے کیا ہو گیا تھا جو پر بھاکر کے بہکاوے میں آگئے
 رجنی کانت جواب دینے کی بجائے سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔
 مالی راد نے پر بھاکر کو بندھوا دیا اور سب کے سامنے اس کو پھراتا رہا۔
 رجنی کانت نے منہ پر ساری کا پتہ ڈال لیا کیونکہ وہ یہ روح فرسا منہ
 نہیں دیکھ سکتی تھی۔

پر بھاکر اتنا زخمی ہو چکا تھا کہ پورے جسم سے خون برس رہا تھا۔ آٹا
 سے ٹھیک سے سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر وہ پر بھاکر اور رجنی کانت کو
 کمرہ راج بھون والیں چلا گیا۔

پہر بھاگ کر کو ایک کو بھڑی میں قید کر دیا گیا، جب وہ اپنی زندگی سے بالکل
 ہو گیا تو اس نے خواہش کی کہ اس کو اس کے ماں باپ اور بھائی بہن سے ملے
 لے، مگر مالی براؤن نے یہ رعایت دینے سے انکار کر دیا۔
 دس دن بھوکا پیاسا بھوکہ مالی براؤن پہر بھاگ کر سے ملا اور سختی سے پوچھا۔
 "اگر جی! تم نے جو کچھ کیا۔ مہنت بڑا کیا۔ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک
 ملے؟"

پہر بھاگ کر نے جواب دیا۔ "وہی جو تمہارا دل کہتا ہے۔"
 مالی براؤن، پہر بھاگ کر کی اس جسامت پر اور زیادہ کھول گیا۔ "رسی جل گئی پر
 با بھی باقی ہیں، خوب۔"
 پہر بھاگ کر نے جواب دیا۔ "بل اس لئے باقی ہیں کہ یہ اکیلے ہیں۔ اب میں بھگوان
 اکیس سے بھی نہیں ڈرتا۔"

مالی براؤن نے اس کے داہنے جھڑے پر ایک ٹکڑا سید کر دیا اور ہنس کر پوچھا۔ "کو
 ہا یہ ٹکڑا؟ مرزہ کو ضرور آبا ہو گا۔"

پہر بھاگ کر نے دوتے ہوتے جواب دیا۔ "مالی براؤن! بلکہ مجھے جان سے مار
 میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میرا تعلق مار دیکھا جاتی ہے۔ میں مر جاؤں گا
 پیری آتما جو مہاشکتی رکھتی ہے۔ تجھے نہیں معاف کرے گی۔"

مالی براؤن نے ٹکڑوں اور ٹکڑوں کی پوچھا کر دیا۔ "میں تجھے جان سے مار
 گا۔ تو اگر مار دیکھا جاتی کہ ہے تو میں بھی اس زمانے میں شیوجی کاوتا رہوں۔"
 دوتے دوتے مالی براؤن پہر بھاگ کر کو اپنے دیوان کی طرف گھسیٹ لے گیا۔ وہاں
 کے خوشامدی درباری بھی موجود تھے، وہ مالی براؤن کو دیکھتے ہی استراٹا کھڑے
 ہوئے۔ مالی براؤن نے پہر بھاگ کر کو بے جان بودھی کی طرح فرش پر دے مارا اور اپنے
 ہی خوشامدیوں سے پوچھا۔ "لوگو! تم ہی کچھ انصاف کرو، یہ پہر بھاگ کر شیوجی کی
 راجی کانت کو بھگاٹنے لئے جا رہا تھا۔ میں نے اسے راجی کانت سمیت مر دیا
 ایک کشتی سے برا کر کیا ہے۔ اگر میں بروقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو یہ راجی
 کو پار لے جانے میں کامیاب ہو جاتا۔ تم لوگ بتاؤ اب میں اس کے ساتھ کیا
 کر دوں؟ کیا سزا دوں؟"

ایک درباری بولا۔ "رام رام رام پہر بھاگ کر جی اور ایسی پنج حرکت، پڑے۔"

بڑے گیانی باتونی جب ایسی گھٹیا حرکت کرنے لگیں گے تو ہم جیسے اگیانی تو معافی کے مستحق قرار پائیں گے۔

دوسرے درباری نے عرض کیا : ”مہاراج ! ہم ان ددھوان شرمہان کے بارے میں کیا رائے دیں؟ انہی سے معلوم کر لو کہ ان کے سانچہ کیا سلوک کیا جائیگا۔ پر بھاکر نے سوچی ہوئی آنکھوں سے مانی راڈ اور درباریوں کو دیکھ کر پھر جوش لپے میں کہا۔ ”مانی راڈ ! میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں اپنی موت کا اس دن سے انتظار کر رہا ہوں جب میں راج بھون میں داخل ہوا تھا اور مجھے تیرے دیوانے پن کا حال معلوم ہوا تھا۔“

چند امین بھاگی بھاگی آتے اور مانی راڈ کو مطلع کیا : ”مہاراج ! دیوی پیر بالی نقشہ ریف لارہی ہیں۔ وہ پر بھاکر کی سفارشی کر رہی گی۔“

مانی راڈ جھجھک کر بولا : ”کیا مصیبت ہے۔ اس عزت کو کس طرح منع کر دوں کہ حکومت کے معاملات میں ممت دھن درے۔“ راج میں اس کو صاف صاف منع کر دیا کہ وہ خاموش رہے۔ راج بھون کو اپنے لئے نشان سمجھے۔

ایک درباری نے مشورہ دیا : ”مہاراج ! ایسا نہ کریں۔ امن کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ دیوی پیر کے آگے سے پہلے ہی اپنا کام کر گزریں اور بائس ہی کو کاٹ کر پھینک دیں، تاکہ نہ رہے بائس اور نہ بچے بائسی۔“

مانی راڈ کی آنکھوں میں وحشت چمکنے لگی۔ اس نے دیوار سے ہٹکی ہوئی تلوار کو کھینچ لیا اور درباریوں سے کہا : ”اندر آنے کے واسطے دریں کر دیئے جائیں تاکہ میری ماں اندر داخل نہ ہو سکے۔“

پر بھاکر نے تلوار کی جگہ سجدہ دیکھی تو خوف سے چہرہ ست گیا اور خون کی سرخی کی جگہ سفیدی نے لے لی، خوشامبر سے گھٹکھیلہ : ”مہاراج ! مجھے قتل نہ کرو، کیونکہ میرا قتل تم کو اس نہیں آئے گا۔“

لیکن مہاراج نے ایک ہی دایہ میں پر بھاکر کا سر الٹ کر دیا۔ تازہ تازہ خون نوارے کی طرح ابلّا اور اچھل اچھل کر فرش کو نہ کرنے لگا۔ سر کا لاشہ بھی کچھ دیر بھر نظر آیا اور مراکت ہو گیا۔ خوشامبریوں کے چہروں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ ایک دروازے پر اہلیا بائی بے چینی سے سانچہ مار مار کر مڑ مڑ رہی تھی۔ مانی راڈ دروازہ کھولا، پر بھاکر کی کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ بھگوان کے لئے کوئی ایسا

قرم نہ اٹھا بیٹھن درندہ خاندان برباد ہو جائے گا، یہ کتبہ تباہ ہو جائے گا۔ اس گھر سے راج پٹ چلا جائے گا۔ کیونکہ اردو بھاٹ جاتی کو ستا نا کسی کو سمجھی بھی اس نہیں آیا۔

جب پرکھا کرکا لاشہ سرد پڑ گیا تو مالی راؤ دم سجدہ ششدر ہو کر پرکھا کے سر سے پس کھڑ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ اس نے کیا اور کیوں کر دیا۔

ایلیا بائی نے براہِ پنجہ میں نغی۔ مالی راؤ نے اشارے سے حکم دیا۔ دراندہ کھول دیا جائے گا۔

دروازہ کھلا اور ایلیا بائی چھٹی چلائی اندر داخل ہو گئی۔ اس کے سامنے ہی پرکھا کرکا بے سر کا لاشہ پڑا کھٹا اندر مالی راؤ کے قدموں میں اس کا سر تھا۔

ایلیا بائی کو سکنہ ہو گیا، دم سجدہ لاشہ اور سر کو دیکھتی رہی۔ اس کے بعد مالی راؤ کو گھوڑا لے کر اپنے اختیار درندوں یا قتلین سے مالی راؤ کو بیٹھے لنگی، وہ دو ہتھکڑ چلا کر نغی اور چلا کر ہی تھیں تار و تار میں تھیں، یہ تو نے کیا کر دیا، تو نے اس لاشہ بھاٹ جانی پرکھا کرکا کو نہیں قتل کیا بلکہ تو نے ان کو قتل کر دیا۔ اب تو برباد ہو جائے گا اب تیرا بس بائی نہ ہے کہ تو نے خود کشی کر لی ہے گمبیا۔ ہائے اب کیا ہو گا؟

ایلیا بائی کسی نغی بھی کی طرح بلک بلک کر مدہ رہی تھی۔ مالی راؤ پتھر کی مدہ کی طرح بے حس کھڑا وہاں موجود ہر شخص اور ہر چیز کو نہ دیکھتا رہا۔ پھر یہ اختیار اپنی ماں سے چہ نہ گیا اور مدہ سے لگا۔ ماں جی! یہ میں نے کیا کر دیا، یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔ میں نے ایسا کیوں کیا؟

وہ ایلیا بائی کی پشت، باند اور خانوں کو سہلا سہلا کر اور مسل مسل کر رو رہا تھا۔ پھر وہ لپٹی ہاں کو چھوڑ کر اپنے صا جین پر ہر میں پڑا۔ ”یہ سب کچھ تم نے کیا ہے۔ یہ جو کچھ ہے اس کے ذمہ ذمہ نہ ہو۔“

مالی راؤ تلوار کے کمران پر چڑھا، لیکن ہوش مندوں نے راؤ فر اختیار کی۔ مالی راؤ نے درندہ ان کا پیچھا کیا اور باہر نکل کر راج بھون کی آخری چوکھٹ پر ہر چھوڑ کر کھا کر گمبیا۔ ایلیا بائی اس کا پیچھا کرتی ہوئی اس جگہ پہنچی جہاں مالی راؤ گمرا

تھا، تو بے ہوش بیٹے پر گھر کر مار دیا۔

پھر بھاکر کے قتل اور مالی راڈ کے پاگل ہو جانے کی خبر سے راج بھون میں بھونچال مچ گیا۔ شہر میں اس منظر کو دیکھنے کے لئے اور ہر ادھر بھاگنے لگا، ان میں راجی کانت بھی شامل تھی۔ پہلے وہ پھر بھاکر کی لاش پر گئی اور سسکیاں بھر کر روئے لگی، بولی، "پھر بھاکر جی! جس نے بے وفائی کی؟ تم نے یا میں نے، بولو، چپ بھون ہو؟"

لیکن راج بھون کی عورتیں راجی کانت ہی کو اس سانحے کا ذمہ دار قرار دے رہی تھیں۔ انہوں نے غم و غصے سے اپنے منہ پھیر لئے۔ اہلیا بانی نے راجی کانت کو حکم دیا، "راجی کانت! یہ سب کچھ تیری وجہ سے ہوا ہے۔ اس لئے تو اسی وقت راج بھون مانی کر دے اور مندر کے آئینہ میں چلی جا۔"

راجی کانت جواب میں کچھ کہے بغیر راج بھون خالی کر گئی۔

✱

✱

✱

مالی راڈ پر درجوا لگی کسے دور سے پڑنے لگے وہ یا مریا بے ہوش ہو جاتا اور جب ہوش میں آتا تو چیخنے لگتا، "پھر بھاکر جی! مجھے معاف کر دو، میں شرمندہ ہوں۔"

کچھ دن تو وہ پھر بھاکر سے معافی مانگتا رہا۔ اس کے بعد خود پھر بھاکر بن گیا۔ اور چیخ کر کہنے لگا، "میں تجھے نہیں معاف کر دوں گا۔ میں تجھے ہلاک کر دوں گا۔ کیا میں نے تجھ کو یہ نہیں بتا دیا تھا کہ میں کمزور سی لیکن میری آتما میں مہان شکتی ہے۔ اسے میری آتما کی شکتی کا تماشا دیکھ۔"

اہلیا بانی نے جو یہ باتیں سنیں تو سادہ لوحی اور معصومیت سے یہ سمجھ بیٹھی کہ پھر بھاکر کی روح نے مالی راڈ کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور اب شاید جان لے کر ہی چلے گی۔ اس نے کہا، "پھر بھاکر جی! رحم کر دو، میرے بیٹے کو معاف کر دو۔ میں تمہاری یادگار میں ایک شاندار مندر بنوا رہی ہوں، راجی کانت کو اس مندر میں پہنچا دوں گی؟"

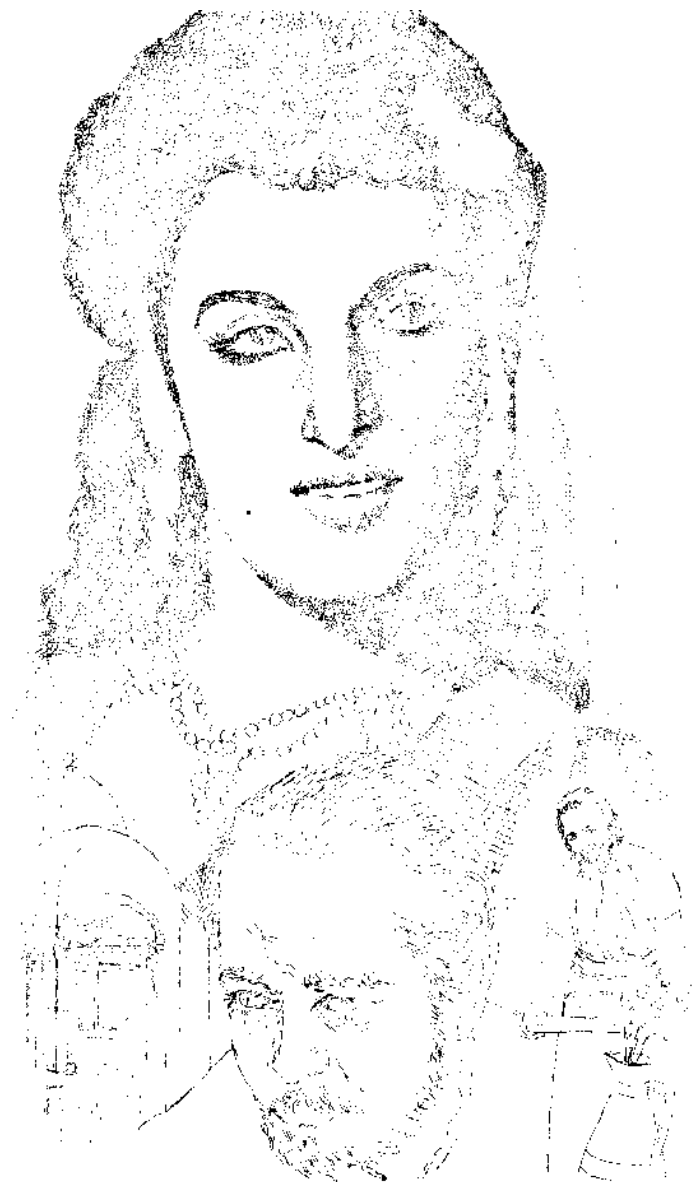
لیکن مالی راڈ لال لال آنکھیں دکھا کر بولا، "واجب الاحرام مغفرتیں خاتون! تو خاموش رہ، تو میری یاد میں مندر بنوایا نہ بنوایا، اس کو نہیں معاف

اس ذہنی کائنات کی بات کیوں نہ کر کہ مجھے عورت پر کبھی بھی اعتبار نہیں رہا۔ کیونکہ اسے دلچسپی سے دیکھتی کسی دوسرے کی طرف ہے اور دل میں بسا کوئی تسخیر شعلہ

۹۔ اہلیا بائی ہلک ہلک کر رونے لگی۔

ذہنی کائنات، مالی رافقہ کے آخری لمحوں میں اس کے راسخے کھڑی ہوئی تھی مگر
 پر بھیا کر بن کر ذہنی کائنات کو ڈانٹ دیا جب ذہنی کائنات مدد نہ دے گی تو مالی رافقہ
 نہ ہو کر اٹھا اور ذہنی کائنات کو گلے لگا کر خود مدد نہ لگا۔ اہلیا بائی نے
 ہر لمحے ہم آغوش رہنے دیا۔ اس کے بعد دونوں کو الگ کر کے خود رونے لگی۔
 سخت آزار اور دکھ میں مبتلا رہ کر یوں مہینے مالی رافقہ بھی چل بسا عجیب و
 لوگوں نے عجیب و غریب باتیں کرنا شروع کر دیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ غیرت مند
 نداد مال نے اپنے بیٹے کا خود ہی کام تمام کر دیا۔ جبکہ کچھ یہ کہتے تھے کہ مالی رافقہ
 ہمت اور پر بھیا کر کی روحوں نے ہلاک کر ڈالا، جبکہ اہلیا بائی کا اپنا خیال یہ تھا
 کہ کوہ پر بھیا کر کی طاقت ور روح نے ہلاک کر دیا۔





رُسولائے محبت

اورنگ زیب اور اس کے بھائی شاہ شجاع ہیں ایک خوفناک مقابلہ ہوا
برشاہ شجاع شکست اٹھا کمر جہانگیر نگر (ڈھاکہ) فرار ہو گیا۔ اورنگ زیب کو بھی
نے دوسرے طاقتور بھائی داراشکوہ سے پہٹا تھا اس نے اس نے شاہ شجاع کو نقاب
میں کیا اور اپنے ایک امیر معظم خان کو ہنگالے کی مہم کے کئی اختیارات دے دیئے اور حکم
ہا کہ وہ شاہ شجاع کا زہین کے آخری سرے تک پیچھا کرے۔ معظم خان شاہ شجاع کا
چا کرنا ہوا جہانگیر نگر پہنچا، اور دلدلیں ہیں خود نکاح معرکہ لڑی شروع ہو گئی۔ معظم
ان نے اپنے حریف مظہر الدے کو ہرقابلے میں شکست دی، شاہ شجاع کی مسلسل لاپرواہی
، اس کی ہمت ساکھ اور ارادوں میں ضعف پیدا کر دیا اور سناٹھیوں میں بے دلی پڑی
سبے دفاعی گھر کرنے لگی۔

شاہ شجاع نے ہر طرف سے مایوس ہو کر چٹا گانگ کا رخ کیا اور وہاں سے کوہستان
کان میں پناہ لی اور پھر ہمیشہ کے لئے بے نام و نشان ہو گیا۔ معظم خان واپسی کی سوچ
ہا تھا کہ اورنگ زیب کی طرف سے حکم ملا کہ معظم خان واپس آنے کے بجائے کدوچ بہار اور
رام کا رخ کرے کیونکہ وہاں لے حکمران سلطنت مغلیہ کو بیس سال سے تنگ کر رہے
ہے۔ یہ حکمران جب نواب مغل سلطنت کی حدود میں داخل ہو کر قتل و غارتگری اور
بٹ مار کر کے اپنے کو ہستانی مسکوں میں رد و پیش ہو جاتے۔ شاہ جہاں نے ان کی جو شمالی
رنا چاہی مگر ناکام رہا، لیکن اورنگ زیب اپنے باپ سے مختلف تھا، اس نے معظم خان
دیکھ دیا کہ ان میں کدوچ بہار اور آسام کی سرکشی کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دینا چاہتا ہوں
ن لئے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ جب تک ان مہانت کو سر نہ کر لو، واپسی کا خیال
سول میں نہ لانا

معظم خان، جو بعد میں میر جملہ خاں خاٹاں بن گیا، مذہب دست تیار کر کے

کوچ بہار کی طرف روانہ ہو گیا، کوچ بہار کا دوسرا نام کامروپ ہے اور یہ وہی سر زمین ہے جہاں کا سحر مشہور ہے۔ میر جملہ معظّم خان کو اس کے آدمیوں نے یہ کہہ کر ڈرمانے کی کوشش کی کہ وہ کامروپ کی تسخیر کے ارادے سے باز آجائے کیونکہ وہاں کے لوگ جادو کے ذبیحے اپنے دشمن کا کلیجہ غائب کر دیتے ہیں لیکن میر جملہ خدادادی اعصاب کا فوجی تھا اور خوف نام کی کسی بھی شے کے لئے اس کے دل میں ذرا سی بھی گنجائش نہ تھی۔ میر جملہ نے اپنے لشکر کا رخ کامروپ کی طرف کر دیا۔ کامروپ کا راجہ بھیجیم سمراتن گویا بیڑ میں رہتا تھا اور گویا بیڑ کے ارد گرد گھٹنے جنگلات میں کی پاسبانی کا فرض ادا کر رہے تھے۔ قدم قدم پر ویرانیاں، چشمتے اور پہاڑیاں باہر سے آنے والوں کا راستہ روکے کھڑی تھیں۔ راجا نے جو بیس کچھڑوں کے دھڑ میں بیٹھوں کے بند کھڑے کر رکھے تھے۔ ان ٹیلوں کو وہاں کی زبان میں آل کہا جاتا تھا۔ اور آل سے ملحقہ سمرتین کا نام بینگ تھا، ان دونوں بینگ کا مستقر جہانگیر (دھاکہ) تھا، پھر حرب، بعد میں انتظامی سپہ سالار کے پیش نظر سمرتین بینگ اور آل کا الحاق عمل میں آیا تو اس کا نام بنگال رکھ دیا گیا۔

کامروپ کے چاروں طرف گجیان جنگلات کے بیرونی حصوں میں چند دروازے تھے، ان دروازوں کی حفاظت کے لئے راجا کی فوج آلات حرب و ضرب سے آراستہ مستعد اور جس قدر ضرورت پڑتی تھی، یہ فوج بڑی بڑی توپوں، بندوقوں اور دوسرے سامان جنگ کا بہت اچھا ذخیرہ رکھتی تھی، ان دروازوں میں سب سے بڑے دروازے کو ٹھیکہ دار کہتے تھے۔ ان دروازوں کے آگے خندقیں تھیں، جن میں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا۔ دروازوں کی پشت پر بانس، پیر اور دوسری چیزوں کے لئے گھنے جنگلات کھڑے تھے کہ آدمی تو آدمی جانور تک بمشکل گزر سکتے تھے۔

میر جملہ کامروپ کی سرحد پر پہنچا اور اس کے آس پاس گھوم پھر کر نسبتاً کم بلند آل حصوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کر کے آگے بڑھو اور جو بھی سارے آئے تمام ویز، مکشس، سوجوں کی طرح بہا لے جاؤ!

میر جملہ کے حکم پر ہزاروں تبرہ دار اور کھانڈے والے آگے بڑھے اور درختوں کا صفا یا گونا گونا شروع کر دیا۔ ان جفا کشوں اور مصائب سے نہ باز آ سکتے والوں میں میر جملہ خود بھی شامل تھا۔ میر جملہ کے آس پاس مرتضیٰ خان، دلیر خان اور آغا خان نامی

جیسے موجود تھے اور ان کا جنوبی انداز جنگ اس بات کی گواہی دیتا رہا کہ انہیں تغیر
 کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہیے یہاں تک کہ اپنی زندگیوں تک انہیں حقیر محسوس
 ہوتی تھیں۔

مٹا ہی فوج میں کامروپ اور آسام کے سپاہی بھی شامل تھے اور انہوں
 نے مسلمانوں کی صحبت میں اپنا مذہب بھی چھوڑ دیا تھا اور مسلمان ہو چکے تھے انہیں
 فل فوج میں لائسنس کرتے کرتے پندرہ پندرہ بیس بیس سال گزر چکے تھے۔ رہنمائی
 کے لیے میر جملہ کی نظر میں انہی سپاہیوں پر لگی ہوئی تھیں۔ میر جملہ نے اپنے ماتحت فوجی
 اندازوں کو خفیہ حکم دیا تھا وہ سب اپنے ماتحت کامروپ اور آسام کے مسلم سپاہیوں
 انہرست پیش کرتے تاکہ ان میں سے چند معتد سپاہیوں کا رہنما کی حیثیت سے انتخاب
 کر لیا جائے۔

دو دن کے اندر مرتضیٰ خان، دلیر خان اور آغہ خان نے اپنی اپنی فہرستیں پیش
 کر دیں۔ یہ کل ستائیس نو مسلم تھے۔ میر جملہ نے ان سب کو اپنے دور پر وطلب کیا اور
 اسے بڑی اچھی طرح پیش کیا۔ دہلی کے کنارے دورنگ بانسوں کا جنگل کاٹا جا
 چکا تھا اور صاف کیے ہوئے قطعہ زمین پر مٹا ہی فوج نے اپنے خیمے نصب کر دیے تھے
 اس کے ایک طرف دہلیا بہرہ سپاہی تھا اور دوسری طرف بانسوں اور میدوں کا جنگل
 جھلا ہوا تھا۔ دہلیا میں بے شمار کشتیاں کھڑی تھیں اور ان پر موجود علم میر جملہ کے
 ناز سے کامل نظر، مستعد کھڑا تھا کشتیوں کو ساحلی درختوں سے بانڈھ دیا گیا تھا اور
 نشتیاں کھلنے پینے کے سامان اور آلات حرب سے لبری ہوئی تھیں۔ میر جملہ کا وسیع د
 ر یعنی خیمہ دہلیا کے قریب ہی نصب تھا اور وہ کچھ اس وضع کا تھا کہ میر جملہ خیمے کے
 سر پہنچے ہی بیٹھے چاروں طرف کا جائزہ لے سکتا تھا۔

میر جملہ ستائیس نو مسلموں کے ساتھ اپنے خیمے میں بیٹھا احکامات جاری کر
 ا تھا، اس نے پچیس سپاہیوں کو حکم دیا کہ جنگل کے کنارے کنارے آگ لگا دی
 جائے تاکہ خود بخود آگ سے ان سے دور دور رہیں اور چند کارندوں کو حکم ملا کہ وہ
 رشتہ داروں کا انتظام کریں۔ طاہر کو حکم دیا گیا کہ وہ چوکس اور نیا رہیں کہ کچھ
 تر نہیں کہ کب کوچ اور یلغار کا حکم دے دیا جائے۔

میر جملہ کے انداز اور اطوار سے ایک بات اچھی طرح سمجھ میں آ رہی تھی وہ
 کہ میر جملہ کامروپ اور آسام کا قضیہ چکا کر رہے گا اور ان کو رہنمائی

کو تباہ و برباد کیے بغیر یہ شخص داپس نہیں آتے گا۔ ستائیس نو مسلم حیرت و استعجاب سے میر جملہ کے احکامات اور ان میں موجود دہریہ اور تہذیب کو دل کی گہرائیوں سے دیکھ کر حیرت و حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

میر جملہ نے اپنے خدمت گار کو حکم دیا کہ منظی خان، دلیر خان اور آغ خان کو میر کے خیمے میں لے آیا جائے گا۔

فقیر میر دیر میں یہ تینوں میر جملہ کے خیمے میں داخل ہوئے۔ ان کے دہریہ گار نو مسلم انہیں دیکھتے ہی ہتھکڑے پہن گئے۔ میر جملہ نے تینوں کمانداروں کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور خود دونوں ہاتھوں کو کمر کی پشت پر رکھ کر بیٹھنے لگا۔

پھر اچانک دکان اور خیمے میں موجود وہ خدمت گاروں کو حکم دیا کہ خیمے کے اس درخ کا پردہ اٹھا دیا جائے جس سے اندھا صاف نظر آتا ہے۔

پردہ اٹھا دیا گیا اور یہاں سے شبیبوں کے راستے، رستیاں اور بادبان اور ان پر موجود سراج صاف نظر آنے لگے۔ خیمے میں موجود ہر شخص نے دریا اور کشتی کا پرستارہ منظر دیکھ کر حیرت سے حیرت سے دیکھا۔

میر جملہ نے بیٹھ کر دیکھا اور خیمے میں موجود حضرات کو حق طلب کیا کہ میر کے دوستوں اس وقت میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ لیکن چند راتیں نہروں کا اندھ چند مشیر سے طلب نہروں کا۔

میر جملہ نے سمجھ کر وقف کے بعد انہیں مخاطب کیا کہ میر کے دوستوں میر کے خیمے اور دیانت دار بلکہ ایمان دار مافیہ البظاہر میں تم سب کا سرفراز ہونا لیکن اگر ایماندار سے پوچھا جائے تو میں تم سب کا خادم ہوں گا۔

آغ خان، دلیر خان اور منظی خان نے ایک آواز میں کہا کہ جتنا دالا اگر آپ نے خود کو آئندہ بھی خادم کہا تو ہم لوگ اس کی مخالفت نہ کریں گے، انہیں ان کے ساتھ عجز و انکسار سے پیش آنے کا صریح مطلب یہ ہو گا کہ آپ خود کو کمزور مظاہر کر رہے ہیں اور سب سے لاری آپ کو تہذیب نہیں دیتی۔

میر جملہ نے اچانک ستائیس نو مسلموں کو مخاطب کیا کہ دوستوں! ذرا یہ منظر تو دیکھنا،

اور ساتھ ہی میر جملہ نے اس آگ کی طرف اشارہ کیا جو جنگلوں کے کنارے کنارے لگا دی گئی تھی۔

میر جملہ نے سمجھی کہ خواطرب کیا؟ کئی صدیاں گزریں، غزنی کا بادشاہ محمود غزنوی
 منات پر حملہ آور ہوا تھا، محمود کے سپاہی اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور اجنبی
 لوگوں میں مایوس کھڑے تھے، شاید انہیں اپنی فتح کا یقین نہیں تھا، محمود نے
 فایا لوسی اور احصا سات کو پٹھنیا اور جب وہ اپنے حریف سے مقابلے کے لئے کھڑے
 بنے تو محمود نے ان میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لئے سہابت مختصر مگر دلولہ انگیز
 پر کی تھی۔ اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا: "تھلا بہادرو! اگر تم یہاں سے اپنے وطن جانا
 ہو گے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ بہت دور ہے۔ سینکڑوں میل دور ریگستانی اور
 مٹی شنافوں کے اٹھ پام کو ہستانوں سے درے ہیں، لیکن یہاں سے جنت کا فاصلہ
 اتنا قریب ہے، چند قدم دور، جام شہادت نوش کرو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔"
 میر جملہ قمران کا پھر بولا: "اس مختصر یا معنی اور دلولہ انگیز تقریر نے حوصلہ ہارے
 دئے، یوں سپاہیوں میں نیا جوش اور شوق شہادت پیدا کر دیا اور سو منات فتح کر لیا
 یہ اس کے بعد ذرا کا اور سمجھی کو غیرت دلائی، دوستو! آج پھر وہی معرکہ درپیش
 ہے، یہیں سمجھی ہمارے اور دشمن کے درمیان دلہل اور جنگلات، دریا در بہاؤ حاصل
 ہیں، یہیں ایک ایسی زمین پر یلغار کرنا ہے جو دلدلوں، جنگلوں، دیباؤں اور پہاڑی
 نسلوں کی سر زمین کہلاتی ہے، ان جنگلوں میں ہاتھ کیوں اور دوسرے دھندوں کی کثرت
 ہے، یہیں اپنے دشمنوں کے ساتھ ہی جنگلی جانوروں سے بھی لڑنا ہے، قدم قدم پر گھنے
 لگات، ہمارا راستہ روکیں گے لیکن ہمیں ان کا بھی مقابلہ کرنا ہے، ہمیں اپنے دشمن کے
 مل خانے کے لئے کہاں کہاں جانا پڑے گا اور کین کین قلعوں کو سر کرنا پڑے گا۔ ہمیں
 ہوں معلوم، ہمیں اپنے دشمنوں کی زبان بھی نہیں آتی تو کیا اس ایک مہم میں ہمیں سستی
 بازوں پر جنگ کرنا ہوگی؟ پھر اچانک سنا تیس نو مسلموں کو خواطرب کیا؟ "ہیں اس وقت
 بطور خاص اپنے نو مسلم بھائیوں سے مخاطب ہوں۔"
 کئی نو مسلموں نے یکے بعد دیگرے پوچھا: "ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کو
 تیار ہیں۔ ہمیں آمادی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے؟"
 میر جملہ نے کہا: "تم میں جو بھی کامروپ اور آسام ہیں ہماری مدد نہائی کر سکتے۔
 ہیں اس کا پیشگی شکریہ ادا کر دوں گا۔"
 ایک نو مسلم نے پوچھا: "اگر میرے سوال کو گستاخی نہ سمجھا جائے تو جس پھر
 پھر چھوڑا گا کہ اگر کامروپ اور آسام پر شکریہ نہ کی جائے تو کیا ہرج ہوگا؟"

میر جملہ نے بدک کہ سوال کیا: "اے شخص تیرا نام؟" خراجتھے دین اسلام
تک قائم رکھے، تو نے یہ کیسا سوال کر دیا؟"

نور مسلم نے جواب دیا: "میرا اسلامی نام غوث الاسلام ہے اور میں نے
سوال: میں نے کیا کہ میرے خیال میں کامروپ اور آسام مغل سلطنت کے ایک کنبہ
واقع ہیں اور اگر ان پر مغل سلطنت کا ہرجوم لہرا دیا گیا تو یہ محض فاضلی اور انسانی
حادثہ ہوگا اور مغل فوجوں کے سٹپے ہی یا مرکز کے کمزور ہونے ہی یہاں دوبارہ غور
حکومت قائم ہو جائے گی۔"

میر جملہ نے ٹھکانہ کہا: "یہ ہم اورنگ زیب کے حکم پر مشروع کی گئی ہے
ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ شاہی حکم کے نتائج اور نفع نقصان کی بحث شروع
کر دیں اور مجھے حیرت ہے کہ تیرا نام نور غوث الاسلام رکھ دیا گیا لیکن تیرے دل پر
اسلام کی ذرا سی بھی محبت نہیں۔"

ایک دوسرے نور مسلم نے سوال کیا: "میر کی ناقص رائے میں غوث الاسلام
جو سوال کیا ہے اس کا ایک ہی مطلب ہوگا یعنی ہم سب یہ جانتا چاہتے ہیں کہ کامروپ
اور آسام کی تسخیر سے اسلام کو کیا فائدہ پہنچے گا؟"

میر جملہ نے جواب دیا: "تسخیر کے بعد یہاں اسلام پھیلایا جائے گا، مسیروں پر
ہوں گی اور ان مسجدوں سے پانچوں وقت اذانیں دی جاتیں گی جس سے کفرستان کا
اللہ اور اللہ کے رسول کے ناموں سے گونجنے لگے گی۔"

آغرخان اسی گفتگو کو بڑی ناگواری سے برداشت کر رہا تھا، اپنی جگہ پر کھڑے
ہو گیا اور میر جملہ سے کہا: "خانخاں! آپ ان سے فضول باتیں نہ کیجئے اور انہیں صاف
صاف بتا دیجئے کہ اس مہم میں ان سے کیا کام لیا جائے گا۔"

میر جملہ نے جواب دیا: "میں رہنمائی چاہتا ہوں، صرف رہبری۔ تم میں سے
جو یہ فرض انجام دینے کا اہل ہے میرے پاس آجائے تاکہ میں انہیں لڑائی کی خدمات
سے باز رکھوں اور رہنمائی کا کام لیتا رہوں۔"

آغرخان نے غوث الاسلام سے کہا: "غوث الاسلام! میری نظر میں ان زورداروں
کو تجھ سے بہتر کوئی اور نہیں پوری کر سکتا۔"

غوث الاسلام نے جواب دیا: "میں حاضر ہوں، مجھ کو چند سالہ قیدیوں کی ضرورت
پیش آئے گی، جنہیں میں اپنی مرضی سے الگ کر دوں گا۔"

میر جملہ نے بقیہ چھبیس کی طرف اشارہ کیا۔ "عوث الاسلام بڑے ستورق سے۔
اپنی مرضی سے جس کو اپنے ساتھ رکھنا چاہے، الگ کر لے اور ہماری مہربانی
مرتا ہے۔"

عوث الاسلام نے اس وقت چار نو مسلموں کو الگ کر لیا اور وعدہ کیا کہ اللہ
چاہا تو وہ اس مہم کو اختتام تک پہنچائے گا۔

میر جملہ نے آغرخان سے کہا۔ "اگر تو ان سب کا حاکم ہے تو میرے مراۓ جواب دہ
اور یہ تیرے سامنے۔" اس کے بعد بقیہ بائیس نو مسلموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہہ دیا کہ ان بائیس نو مسلموں کو بھی فوج سے الگ ہی رکھا جائے
بغیر ضرورت ان سے بھی اسی نوع کے کام لیے جائیں گے۔

دلیر خان نے کہا۔ "خانخانان! جب پانچ نو مسلم رہنمائی اور مہربانی کرنے
مادامہ آیا ہو گئے ہیں تو پھر ان بائیس نو مسلموں کو فوج سے الگ ٹھگ کیوں
ہا جائے؟"

میر جملہ نے سختی سے کہا۔ "میں جو کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کیا جائے، میں سخت
چشمہ بند نہیں کرتا۔"

میر مرتضیٰ نے عرض کیا۔ "خانخانان کا حکم میرا نکھوں پر کیونکہ اس وقت خانخانان
محکم اور نگ نہیب کا حکم ہے اور بادشاہ ہمیشہ اپنے احکام کے بارے میں، تعمیل
دیتا، کا طلب گار ہے۔"

میر جملہ نے بھاری آواز میں کہا۔ "آغرخان! پیش قدمی کی شاندار منصوبہ بندی
عوث الاسلام اور اس کے ساتھیوں سے زیادہ ہے زیادہ فائدے اٹھانے کی تدبیریں
بلادہ دلیر خان اور میر مرتضیٰ تم دونوں بیلخارا اور یوڈش کی منصوبہ بندی کرو۔ میں
باقی اور خشکی محاذ آرائی کا نقشہ بناتا ہوں۔"

آغرخان، دلیر خان اور میر مرتضیٰ خیمے سے نکل گئے۔ لیکن عوث الاسلام اور
کے حلقے اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ میر جملہ نے عوث الاسلام کو حکم دیا۔ "عوث! اتنے
تین سال سے بادشاہ کا تنگ کھار رہا ہے اس کے علاوہ تیرے مسلمان بھی ہو چکا ہے اس
بغیر ہم ہمارے دو حق واجب الادا ہیں حق نہیب اور حق تنگ۔ اس لئے تو اور
خیمہ مرتضیٰ ان دونوں حقوق کی ادائیگی میں اگر ہر دھڑکی باز ہی لگا دیں گے تو یہ
آخری بات نہیں ہوگی۔"

عنوث الاسلام نے جواب دیا "جناب والا! اگر آپ مجھے یہ حکم نہ دیتے، تب بھی ہم لوگ ان دونوں حقوق کی ادائیگی کی پیش کش کر دیتے۔"
 میر جملہ نے عنوث کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "کیا واقعی؟"
 عنوث نے سرشاری سے کہا "خانہاناں! میں تو ایک بات جانتا ہوں، ہم سب جس جگہ کھڑے ہیں یہاں سے جنت بہت قریب ہے میں اپنے لشکر اور اسلام کے لئے جو کچھ کر دوں گا گویا اس کے عوض میں جنت حاصل کر لوں گا۔"
 میر جملہ کا چہرہ خوشی سے تسلمانے لگا "خدا تجھے جزائے خیر دے اور ہم سب کا خاتمہ اسلام اور ایمان پر کرے۔"
 عنوث الاسلام نے آئین کہی اور اس میں اس کے دوسرے نو مسلم بھائیوں

نے بھی ساتھ دیا۔
 اس کے بعد عنوث الاسلام میر جملہ کے ساتھ جیسے سے باہر نکلا یہاں آخر خان
 اس کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر خان نے عنوث الاسلام سے کہا "تو اپنے ساتھیوں کو بھی
 بلانے تاکہ جلد از جلد کام شروع کر دیا جاتے۔"
 عنوث الاسلام نے مانتے دے "میں اپنے نو مسلم بھائیوں کے سلسلے میں یہ
 رشتے ضرور دوں گا کہ ان سب سے کام دلایا جائے، چار پانچ کے علاوہ سب کو
 نگہبانی میں رکھا جائے اور ان چار پانچ سے بھی نہایت ہوشیاری سے کام لیا جائے۔"
 آخر خان نے جواب دیا "ان سے کام لینا میری ذمہ داری اور میرا کام ہے۔"
 اپنے کام کا کس طرح آغاز کرے گا؟
 عنوث نے کہا "میں اپنے وطن آسام سیلا جاؤں گا اور وہاں کے حالات کا
 لئے کر جلد از جلد واپس آ جاؤں گا اور بوقت لشکر کشی میں اپنے بہادروں کی رہبری
 کر دوں گا۔"
 میر جملہ نے ایک بابہ کچھ "جنراک اللہ" کا نعرہ لگایا اور آخر خان بھی بہت

خوش ہوا۔
 عنوث الاسلام نے خام کو قرآن پاک کی تلاوت کی اور آنکھیں بند کر کے شروع
 خضر سے اپنے مقصد کی کامیابی کی دعا مانگی۔
 میر جملہ نے دوسرے ہی دن سے کوچ بہادر پر لشکر کشی شروع کر دی اور
 آسامی ان کی رہنمائی کر رہے تھے اور مغل فوج آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔

خشکی اور تری کا سفر ایک ساتھ جاری رکھا۔ انہوں نے دیا کے ساحل سے دور ہی کسی حال میں بھی پسند نہ کی۔

غوث الاسلام آغزخان سے اجازت لے کر آسام چلا گیا۔ آسام کا شہر بھیم گڑھ غوث کا وطن تھا، چند نو مسلم کو پرچ بھارا چلے گئے۔

غوث الاسلام اپنے نیچے راستوں، گھنے جنگلوں، ندی نالوں اور دیادوں کو عبور کرتا گیا۔ بھیم گڑھ کے گھر کا نقشہ دھندلا دھندلا یاد آ رہا تھا، اس کے مکان کے پچھوڑے پیموں کے درختوں کی جھاڑیاں تھیں اور دروازے کے بالکل سامنے آم، کیلے، انناس، اور آلو کے درختوں کی بہتات تھی، داییں بائیں نادیل اور جھالہ کے درختوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ غوث الاسلام کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس کا مکان پتھر، لکڑی اور بانس کا تھا۔ اب جبکہ وہ اپنے وطن جا رہا تھا تو اس کو پندرہ سال پہلے کی ساری باتیں یاد آ رہی تھیں، پندرہ سال پہلے جب وہ جمہور تھا اور بھیم گڑھ کی بیرونی دنیا کا اسے کوئی علم نہ تھا تو اس کو اپنے وطن سے بڑی محبت تھی، وہ اپنے راجا کو دسب کا طاقتور ترین حکمران سمجھتا تھا اور اپنی قوم کو دنیا کی سب سے بہادر قوم سمجھتا تھا۔ اس نے راجا کی فوج میں ملازمت کر لی تھی اور جب اس کا گزرا راجا کے اس کارخانے میں ہوا، جہاں کشتیاں، اوزارے اور پہلے بناتے چلتے تھے، تو اس کے دل میں دلچسپی اور اپنی قوم کی برتری کا پیچہ زیادہ ہی احساس ہو گیا۔ یہیں اس نے راجا کے سامان جنگ اور آلات حرب کا مشاہدہ کیا۔ توپیں، بندوقیں، تلواریں، نیزے اور خنجران بھیدوں کی موجودگی میں کسی دوسری قوم کا اس کی قوم کو شکست دینا، اس کے لیے خیال میں ناممکن سی بات تھی۔ اس نے اپنی قوم میں گہرے بہت کم دیکھے تھے، اور اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ بھیم گڑھ کے جس شخص کو بھی گدھا میسر آ جاتا تھا وہ خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگتا تھا اور دوسرے گدھے سے محروم لوگ خود کو کمتر سمجھنے لگتے تھے۔

اس دوران بھیم گڑھ پر مغل فوج حملہ آور ہوئی تو وہ گھوڑوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گدھے سے کہیں زیادہ شاندار اور کارآمد جانور۔ اپنی قوم کے ساتھ وہ خود بھی گھوڑوں سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مغلوں نے اپنے خاندان پر ہتھیاروں سے اس کی قوم کو بے شمار ناک شکستیں دیں تھیں، مغلوں کی بندوقیں، توپیں، تلواریں، نیزے، بھالے، خنجر اور معلوم ہتھیار کون کون سے شاندار ہتھیار دیکھ کر وہ حیرت زدہ

وہ گیا تھا۔ پھر اس نے مغلوں کے جنم پر شاندار لباس بھی ڈیکھے تھے اور زندگی میں پہلی بار اس کو اپنی قوم کی کم مائیگی کا احساس ہوا تھا۔ مغلوں کی کشتیاں اور لڑائے بھی بہت شاندار اور زیادہ کارآمد تھے۔ اس معرکے میں مغلوں نے اس کے راجا کو شکست دے دی تھی اور اس کی قوم کے کئی ہزار افراد کو جنگی قیدی بنا کر جہانگیر (ڈھاکہ) روانہ کر دیا تھا۔ ان قیدیوں میں وہ خود بھی شامل تھا، پھر طاقت ور بہمن نے کمزور بہمن کو مغلوب سمجھ لیا، کمزور مذہب کو مضبوط مذہب نے شکست دے دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہوجانے کے بعد اس کو بڑی عزت ملی اور وہ مستقل جہانگیر نگر ہی میں رہنے لگا۔ پانچ چھ سال قبل اس نے شادی بھی کر لی تھی اور اس کا ایک تین سالہ لڑکا متصور تھا۔

دوران سفر اس کو باضی کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی، اس کی ایک با، ایک بہن اور چچاؤں کی اولاد بھی تھی۔ باپ کا بچپن ہی میں انتقال ہو چکا تھا، اب اس کو اپنی با بھی یاد آ رہی تھی اور اپنی بہن سنبہ وں بھی۔ وہ سوچ رہا تھا، ان پندرہ سالوں میں ان کا معلوم نہیں کیا جسٹہ ہوا ہو۔ اس نے اپنی رائوں تلے دے ہوتے گھر سے سیاہی مائل بھوسے گھوڑے کو بڑی خوشی اور فخر سے سوار کیا اور چھوڑ گیا، اس کو یقین تھا کہ یوں تو اس کے ہم وطن اس کو بھول چکے ہوں گے لیکن جب وہ ان سے اپنا تعارف کرائے گا اور وہ اپنے جمدھر کو ایک شاندار گھوڑے پر سوار اپنے درمیان دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔

ایک جگہ اس کو اپنے گھوڑے سمیت دریائے برہمپتر عبور کرنا پڑا۔ اس نے ایک بات ہر جگہ حسوس کی وہ یہ کہ ہندو سے آسمان میں مغلوں کے حملے کا بڑا اثر چھڑا تھا اور ان کے دیوں میں مغلوں کا رعب بھی چھڑ چکا تھا۔ اگر اس کا ناک نقشہ بھڑائیوں یا گور کھوں جیسا نہ ہوتا تو اس کو کوئی پہچان بھی نہ سکتا۔ وہ اپنی زبان ابھی تک نہیں بھولا تھا، سفر کے دوران ہی اس کو اپنی بیوی اور بچہ بھی بہت یاد آئے۔

ایک ساٹھ بہت سی باتیں یاد آئی اور ستانی لڑہیں۔ یہاں تک کہ وہ یہ سوچ کر ذرا گھبرا گیا کہ راجا اس پر کہیں شک دستہ نہ کرنے لگے وہ راجا اور اپنی قوم کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

غوث نے اپنے ہم وطنوں کا لباس پہن لیا اور گھوڑے کو اوسنی نیچی لہا ہوں پر بٹگانے لگا۔ وہ جدھر سے بھی گزرا مقامی لوگ اس کو حیرت اور عزت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو گھوڑ سواری کرتے نہیں دیکھا تھا، بلکہ یہ لوگ گھوڑوں سے ڈرتے تھے۔ غوث ان راستوں پر پندرہ سال پہلے چلنا پھرتا تھا۔ اس وقت وہ چودہ سال کا تھی، اس نے محسوس کیا کہ ان پندرہ سالوں میں وہاں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وہی ہلستے، وہی مرکانات، وہی ندی نالے وہی لوگوں کا رہن سہن، وہی چہرے مہرے اور وہی لباس۔

غوث ایک سطح جگہ پر کھڑے ہو کر غور کرنے لگا کہ سامنے موجود تین راستوں میں سے کس پر اٹھنے چلنا چاہیے۔ در راستوں کے درمیان یکسر ایک راستہ قرار نشیب میں اترا چلا گیا تھا اور راستے کے دونوں طرف بے ترتیب مکانات بنے ہوئے تھے۔ راستے کا ابتدا ایک پتھر پلے مکان سے ہوئی تھی، اس پتھر پلے مکان کی دیواروں پر تینیں دوڑی ہوئی تھیں اور اس کا دروازہ نا انشیدہ لکڑیوں کا تھا، اس کو یاد آیا کہ کھڑے مکان میں اس کا ماموں بہن اچھا اور اگے نشیب میں کوئی پانچیس تیس مکانوں کے بعد اس کا اپنا مکان تھا۔ وہ اپنے ماموں کے مکان کے سامنے کھڑے سے اتر پڑا ہستی کے لوگ اور کوزہ دودھ سے دیکھ رہے تھے، اس نے گھوڑے کی لگا پتھر ہی اور ہنسنے آہستہ چلنا ہوا پتھر پلے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے جھپٹکے ہوئے دروازے پر دستک دی۔ بستی کے تماشائی سینوں سے مردانے پر دستک دیتے ہوئے دیکھا تو چند اس کے پاس پہنچ گئے اور اپنی زبان میں پوچھا "یہاں کس سے ملنا ہے؟"

غوث نے انہی کی زبان میں جواب دیا۔ "مامہ اکھن بال جی سے۔" وہ اپنی ہی زبان میں جواب پاکر حیران رہ گئے۔ اگلے ہی دروازہ کھلا اور اندر سے ایک بوڑھا نمودار ہوا۔ سر کے بال صاف، رنگ گندری، قدر درمیان گھٹا ہوا عمر، نظر میں بیکین، اٹھارہ سال۔ اس نے باہر نکلتے ہی گھوڑے کو پہلے دیکھا اور کچھ ڈر گیا پیچھے ہٹ کر پوچھا "تو کون ہے اور کس کے پاس آیا ہے؟"

غوث نے اپنا خاندانی نام بتایا۔ "ماما میں جدھر ہوں، تیرا بھانجا، جس کو پندرہ سال پہلے لٹاش بچوں گئے تھے۔"

مامہ اکھن بال نے چند ہی منٹوں میں اس کے سامنے سجدہ کو مہیا کرنے کی کوشش کی اور دماغ پر ذرا زور ڈالتے ہوئے کہا کہ بھائی بھائی اے اختیار کئے سے لگا کر فرط حیرت

سے کہا: ”جہدھر یہ تو! یہ تو کہاں سے آگیا؟ تو ابھی زندہ ہے!! ہم لوگ تو تجھ کو
دودھو کر چلا بھی چکے تھے۔“

جہدھر کی آنکھوں میں آنسو آگئے: ”لیکن ماما رکھن پال جی میں زندہ ہوں
تم لوگوں سے ملنا قسمت میں لکھا تھا اس لئے زندہ سلامت واپس آگیا۔“

بستی کے تماشائی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے اور حبس نہیں یہ معلوم ہوا
کہ یہ اجنبی جہدھر اس بستی کا آدمی ہے، جس کو چودہ سال پہلے ملکش اغوا کر لے گئے
تھے تو بہت خوش ہوتے، ان کی نظر میں جہدھر میں کوئی خاص بات نہیں تھی، بلکہ خاص
چیز جہدھر کا گھوڑا تھا۔ انہوں نے بڑے حوصلے سے کام لیا اور آہستہ آہستہ گھوڑے کے
پاس پہنچے، ان میں سے کئی تماشائی اپنے دل سے گھوڑے کا خوف نکال باہر کرنا چاہتے تھے
انہوں نے پہلے تو آہستہ آہستہ گھوڑے کا پیٹ مہلایا اور جب اس حرکت کا گھوڑے پر کوئی
اثر نہ ہوا تو انہوں نے اس سے زیادہ جسارت دکھائی۔ ان میں سے ایک شخص نے گھوڑے
کی دم پکڑ لی اور آہستہ سے جھٹکا دیا۔ گھوڑے نے ایک لات رسی کی جس سے دم پکڑ کر
گھیسنے والا مقامی ہندو قلا بازی کھاتا ہوا اور درجا کر۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی
جہدھر اس کے ماموں اور دوسرے چند آدمی اس زخمی کی طرف بڑھے اور اس کو اٹھا
کر گھر آکر دیا۔

جہدھر نے پوچھا: ”تو اس گھوڑے کے پاس کیا کر رہا تھا؟“
اس نے جواب دیا: ”میں اس عجیب و غریب جانور کو دیکھ رہا تھا کہ اس نے
دو قی جھاڑ دی، پتہ پڑا یہ سخت ناقابل اعتبار جانور ہے۔“

جہدھر نے کہا: ”ہاں اس کی بچھاڑی سے ہمیشہ بچا جاتا ہے۔“
ماما رکھن پال جی نے جہدھر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ”یہ کن باتوں میں پڑ گیا تو اندر
چل اکھوڑ بیٹھ، اس کے بعد تیری آمد کی خبر عمر نہرہ شہر والوں کو پہنچاتا ہوں یہ تو بڑی
خوشی کا دن ہے۔“
جہدھر نے گھوڑے کو درخت سے باندھ دیا اور اپنے ماما کے ساتھ اندر

چلا گیا۔
ماما رکھن پال جی نے اپنی بیٹی کو داز دی: ”بھائی بیٹی! فدا جلدی تو آ، بھاگ کر
دیکھ یہ کون آگیا تیرے گھر میں۔“

درا دیر بعد ایک سانپ لے ننگ کی ٹھانڈا اس سالہ لڑکی دونوں کے پاس

گئی۔ لڑکی تھمہر باندھے ہوئے تھی اور جسم کے بالائی حصے کو ایک دوسرے مختصر کپڑے سے اس طرح چھپا رکھا تھا کہ وہ چوڑھی پٹی کی شکل میں بائیں شلے سے گزرتے ہوئے پشت سے لپٹا ہوا تھا، دونوں کانوں میں پینیل کے بالے پڑے تھے اور میلانے پڑے تھے کہ دونوں طرف رخساروں پہرے ہوئے تھے۔

اما راکھن پال جی نے لڑکی کا تعارف کر لیا "جہر ہریٹے، یہ میری بیٹی بھاگیرتی ہے جب ان مغلوں کی قید میں گیا تھا، اس وقت یہ ڈھائی تین سال کی تھی، اس کے بعد بھاگیرتی سے کہا "بھاگیرتی، یہ میری پھوپھی کا بیٹا جہر ہریٹے جسے پندرہ سال پہلے مغل پدم سے لے گئے تھے"

دونوں نے ایک دوسرے کو جاپننے لگنے کی نظروں سے دیکھا اور دونوں کے ہر دوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

اما راکھن پال جی اور جہر ہریٹے مرید مغلوں کی باتیں کرتے رہے، جہر ہریٹے مغلوں نا بڑی ہدایاں کیں اور ان کی بہادر سی، چالاکی اور مستغل مزاجی کی ایسی تاثیر خیر نصیر شہی کی کہ اما راکھن پال جی خوفزدہ ہو گیا۔ ماما نے مغلوں کے مذہب اور تہذیب کے بارے میں کئی سوال کیے، جہر ہریٹے جو انہوں نے اس کو حیرت میں ڈال دیا۔ شاندار محلوں میں رہنے والے مغل، اعلیٰ لباسوں میں گھوڑوں پر اٹھے پھرتے ہیں اور اپنے بادشاہ کے لئے اپنی بایں نشانہ کرتے رہتے ہیں۔ اس ہانسنے اما راکھن پال کو اور زیادہ حیرتزدہ کر دیا کہ مغل بادشاہ کی فوج میں راجپوت بھی شامل ہیں اور بعض دوسرے عجمی بھی، مثلاً پٹھان جو کابل سے آتے ہیں اور ایرانی اور تہذیبی بھی اور یہ جب ایک بادشاہ کے حکم پر اپنی پائیں لٹا دیتے ہیں اور ان میں ملکی اور قبائلی عصبیت جھگڑے کا سبب نہیں بنتی۔

بھاگیرتی ان دونوں کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ یہ جنہی جو خود کو اس کی پھوپھی کا بیٹا کہتا ہے اس کی اپنی زبان میں کتنی روانی سے باتیں کر رہا ہے۔

پوری بستی میں جہر ہریٹے کی ایسی کا شہرہ ہو چکا تھا، جہر ہریٹے ان بہن اور دوسرے رشتے دار اما راکھن پال جی کے گھر پہنچ گئے۔ بستی کے دوسرے لوگ بھی اما راکھن کے دروازے پر جمع ہو چکے تھے۔ جہر ہریٹے باہر نکلا اور بستی کے لوگوں سے باری باری ملاقاتیں کیں اور ان کے گلے لگ لگ کر انہیں خوش کرتا رہا۔ ان لوگوں کو جہر ہریٹے زیادہ اس کے گھوڑے سے دلچسپی تھی اور انہوں نے چاروں طرف سے گھوڑے کو گھیر رکھا

کھا اور اس کو حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

ماں کا لباس بھی بھگیرتی جیسا کھانسی کاٹوں میں بالوں کی تعداد زیادہ تھی دو توں کاٹوں میں چار چار بالے لٹک رہے تھے جن کے بوجھ سے کاٹوں کا پچھلا حصہ لٹک گیا تھا۔ مہن کے کاٹوں میں بھی چار چار بالے بڑے ہوتے تھے کچھ دیر بعد ماں نے حمد صبر سے کہا: "تو اکھی پال کے پاس کیوں لگ گیا، سیدھا میرے پاس کیوں نہیں آیا؟"

حمد صبر نے جواب دیا: "اب میں تیرے اسی پاس آتا ہوں، میں جہان ہوں کہ ان پندرہ سالوں میں بھی اس سسٹی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، یہاں کی ہر چیز پہلی جیسی ہے۔ میں نے ماں کو اکھی پال جی کے مکان کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

ماں نے جواب دیا: "جو لوگ اپنے باپ دادا اور قوم کے رسم و رواج چھوڑ کر دوسروں کی ریت اختیار کر لیتے ہیں وہ اچھے نہیں ہوتے۔ تبدیلی کوئی اچھی چیز تو نہیں ہوتی۔"

حمد صبر نے مسکرا کر کہا: "تبدیلی بڑی اچھی چیز ہے، دنیا نے اسی سے ترقی کی ہے۔"

ماں نے غصے میں کہا: "تو بیکار باتیں مت کر۔ سورتج، چاند، شمس کے آسمان پر سب پرانے ہیں، ان میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں آتی تب زمین، یہ پہاڑ، یہ دریا، اس زمین سے جو مذخات پہلے نکلتے تھے وہی آج بھی نکل رہے ہیں۔ اگر تبدیلی کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان سب میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتیں۔"

حمد صبر نے عاجزی سے جواب دیا: "ماں میں تجھ سے بحث نہیں کروں گا، لیکن جب یہاں کاراجا بارسیبوں کے ہتھیار بندہ دوق اور قہ میں استعمال کرنے لگے تو اس پر یہ مطلب ضرور ہے کہ وہ تبدیلی اختیار کر چکے مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کی اچھی باتیں اختیار کرنے ہیں کوئی حرج نہیں ہے۔"

ماں نے پھر اختلاف کیا: "حمد صبر، شاید تو وہ حمد صبر نہیں ہے جو پندرہ سال پہلے گم ہو گیا تھا، تو تو کوئی مسغل معلوم ہوتا ہے۔" پھر بوجھا: "یہاں کیوں آیا ہے؟" حمد صبر نے جواب دیا: "میں مغلوں کے جنگل سے نکل بھاگا ہوں، مغل میرے پیچھے آ رہے ہیں، وہ ہمارے ملک کو فتح کر لینا چاہتے ہیں، میں اپنی قوم کی طرف سے مغلوں کا مقابلہ کروں گا اور اپنے راجا کی مدد کروں گا۔"

ابھو تک راکھیں پال ڈالوئی تھی، دونوں کی باتیں سن کر پڑا فیصلہ سنا دیا۔
 چھرہ پتیری مال کے خیالات درست ہیں، تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ مغل بن
 آئیں کہ مغل آسامی یا کلتانی و آسام کی دوقو میں بننا گوارا کریں گے؟ ہرگز نہیں،
 ہم مغل کیوں نہیں۔ ہم آزاد جاتی پتیری مرد کے بغیر بھی لڑ سکتا ہے۔“
 چھرہ نے حالات کو اپنے خلاف ہونے دیکھا تو گھبرا گیا، بولا: ”اگر تم لوگ
 پتیری باتیں پسند نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں، مجھے اپنوں میں رہنا ہے تو اپنوں کی مرضی
 پر رسم و ریت کے مطابق رہوں گا۔“

بھاگپتی زور زور سے مہینے لگی، بولی: ”باب جی! مہمان کو تنگ نہ کر۔“ چھرہ چھر
 مال سے کہا: ”اگر باب جی کی بہن تو بھی کیسی نادانی کی باتیں کرتی ہے۔ نیز اٹھو دیا
 پو ابھی پندرہ سال بعد واپس آیا ہے اب اس سے ایسی باتیں تو نہ کر کہ یہ بڑا ناگوار
 آپس چلا جائے۔ اس کو میرے پاس نہ بھیج دے، میں اس کو مدد بھی کر یوں گی، یہ اپنا
 ہے اپنوں کی طرح رہے گا۔“

چھرہ بھگپتی نے چھرہ کا ہاتھ پکڑ لیا: ”بھائی میرا ہے اس لئے میرے ساتھ
 جاتے گا تو اپنے پاس کیوں رکھے گی؟“

بھاگپتی چھرہ ہنسی اس کے دونوں ہلے بھی ہلنے لگی، بولی: ”میں کب کہتی ہوں
 کہ یہ میرا بھائی ہے، تیرا بھائی ہے تو نے جا اپنے گھر، لیکن میں یہ بات ابھی سے بتاتے رہتی
 ہوں کہ چھرہ کو ایک نہ ایک دن اسی گھر میں ہے۔“

✽

✽

✽

راجا کو چھرہ کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اسے اپنے قلعے میں بلوایا۔ یہ قلعہ
 پہاڑی پر بہت اونچے کنارے واقع تھا، سرنگوں دیواروں کے اندر راجا کا شاندار محل
 تھا اور محل کی حفاظت کے لئے راجا کے سات ہزار سپاہی ہر وقت گشت میں رہتے تھے
 قلعے کی فصیلوں پر اس سے کوئی گنا زیادہ فوج تعینات تھی۔ راجا کے محل کے دو گنا شاندار
 پاسوں میں نظر آتے۔ راجا نے چھرہ کو بڑے اعتماد اور خوشی سے محل میں بلوایا تھا اور
 جب اس کو یہ یقین ہو گیا کہ چھرہ خراب الوطن میں راجا کی مدد کرنے آیا ہے تو وہ بہت
 خوش ہوا اور اس نے چھرہ کو پورے آزادی دی کہ وہ اس کے دیوان کو مشورے دے
 اور عملی مدد دے اور دیوان اور چھرہ محل کے مغللوں کا مقابلہ کریں اور انہیں ایسی

شکست دی کہ مغل دوبارہ ادھر کا رخ بھی نہ کریں۔

جمہدھر کو اپنی قوم پر انکسوس ہوا جو تہیلیاں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتی تھی اور راجا پر غصہ آیا جو خود کو بدل چکا تھا اور اپنے عمل میں بھی تہیلیاں رکھ چکا تھا لیکن اپنی قوم کو بدلنے پر تیار نہ تھا اس نے تہیتہ کر لیا کہ وہ اپنی قوم میں انقلاب لاتے گا اور اس انقلاب کے لئے اگر اس کو مغلوں کو لے آنا پڑے تو اس میں کوئی ہرج نہیں محسوس کئے گا۔

بھیم گروہ میں اس کو یہ خبر ملی کہ میر جلا اور آغرخان اس کے ساتھیوں کی مدد سے کورج بہار کو فتح کر کے آسام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ گویا اب میر جملہ کو جمہدھر کی مدد درکار تھی۔ میر جلا کورج بہار کی تسخیر کے بعد گھوڑا گھاٹ کی طرف بڑھا اور چند روزوں بعد مانگامانی نامی جگہ پر اپنے خیمے نصب کر دیے۔ اس جگہ دریائے برہمپتر اپہاروں سے نکل کر سامنے آجاتا ہے، سامنے دو دروازے اور پیچھے پہاڑ کھڑے تھے ان کی خطرناک بلندی کے پیشین نظر میر جلا اور آغرخان نے غوث الاسلام (جمہدھر) کی اطلاعات آنے تک اس جگہ قیام کا ارادہ کر لیا۔

راجا کو جب یہ اطلاع ملی کہ مغل فوجیں مانگامانی میں پڑاؤ ڈالے پڑی ہیں تو اس نے اپنے ایک بھوکن (وہ میرا سپہ سالار) اور جمہدھر کو جوگی گچھا کی طرف جانے کا حکم دیا، یہاں دوسرے دروازے قلعے تھے اور ان کی تسخیر کے بغیر مغل فوجیں آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں۔ جمہدھر اتنی جلدی داپسی پر شاید تیار نہ ہوتا کیونکہ وطن کی ہواؤں میں ایک نشہ سا تھا۔ جس نے اس کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ لیکن مذہب اور حق شنک کی کشش اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ مغلوں کے حق میں خدمات انجام دینے پر مجبور تھا، اس کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ پورا علاقہ مغلوں کے قبضے میں چلا جائے گا اور یہاں کا صوبے دار مغلوں ہی کی طرف سے حکومت کیا کرے گا، چنانچہ ان حالات میں اس بات کا توئی امر کان تھا کہ مغل اس کو یہاں کا صوبیدار نامزد کر دیں اور وہ اپنے بقیہ عمر اپنے وطن ہی میں گزارنے کے لائق ہو جائے۔

مذہب اس نے راجا کا جوگی گچھا جانے کا فیصلہ اپنی ماں، بہن، ماما، لکھن پال اور دیگر گھرانے کو سنایا تو ان اور بہن کو بہت انکسوس ہوا، ماں نے کہا: "اگر اتنی جلدی بچھڑ جانے کے لئے آیا تھا تو تجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔"

بہن نے کہا: "کس نے میرے بھائی پر جلاؤ کر دیا ہے درندہ یہ اپنے گھر میں

پہن سے ضرور رہتا۔“
بھاگیرتی نے کہا۔ ”جس نوجوہر کے ساتھ چلی جاؤں گی، کیونکہ یہ مجھے بہت
مٹا ہے۔“

لیکن راکھن پال جی نے مخالفت کی نہ بھاگیرتی؛ نوجوہر کے ساتھ نہیں
گی، تو میرے پاس ہی رہے گی کیونکہ تجھ سے شادی کرنے کا امیدوار جگ دیو بھی
نا پسند نہیں کرے گا۔“

بھاگیرتی نے جواب دیا۔ ”باپ جی! جگ دیو سے میری طرف سے کہہ دے کہ میں
بے شادی نہیں کروں گی۔“

راکھن پال جی نے کہا۔ ”یہ بات میں کس طرح کہہ سکتا ہوں بھاگیرتی؛ بلوہی
قوم میری دشمن ہو جائے گی۔“

بھاگیرتی نے جہرہ کی طرف دیکھا اور کہہ کر اس کے کانہ سے لگ
میں کا ایک بالہ جہرہ کے رخسار سے ٹکرائے لگا، بولی۔ ”جہرہ! تو نے میرا فیصلہ سنا
ہے دیو سے شادی نہیں کروں گی۔ میں تجھ سے شادی کروں گی، تو راضی
ہے۔“

جہرہ اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا، بولا۔ ”بھاگیرتی! میں تجھ سے شادی
نہیں کروں لیکن ابھی نہیں، اگر مغلوں سے جنگ کرنے اور انہیں شکست دینے
میں زخمی نہ ہو گیا تو تجھ سے ضرور شادی کروں گا، اس کے لئے تو میرا انتظار کرے گی۔“
بھاگیرتی نے ایک دم فیصلہ سنا دیا۔ ”میں شادی کے دن کا تو انتظار کر سکتی ہوں
میری والدہ کا انتظار نہیں کر سکتی۔ میں میرے ساتھ سارے کی طرح لگی رہوں گی اور ایک
جدا ہی گوارا نہیں کروں گی کیونکہ تو ایک بار گم ہوا تھا تو پندرہ سال بعد ملا، اب اگر
تو معلوم نہیں کب ملاقات ہو۔“

راکھن پال نے پھر مخالفت کی۔ ”ایمانہ کہ بھاگیرتی۔“ پھر جہرہ سے کہا۔ ”بھرا بھرا
نہیں ہے۔ جہرہ تو ہی سمجھا بھاگیرتی کو۔“

لیکن بھاگیرتی نے جو فیصلہ کر لیا تھا، اس پر قائم رہی، اس نے باپ سے کہا۔
”جی! مجھے اس پر مجبور نہ کر کہ میں اپنے فیصلے سے پوری قوم کو مطلع کروں اور
اب بتا دوں کہ تو مجھے جہرہ سے شادی نہیں کرنے دیتا تو بلوہی قوم تیری
مٹا کر دے۔“

کئی ہم قوم کلتانی جویش میں آگے بڑھے اور دراکھن پال کو بچھڑ لیا لا راعہ
پال جی ابہ کلتانی قوم کی ریست کے خلاف ہے کہ نو لڑکی کی پسند سے اختلاف کرے
سب خیر کو اپنی بیٹی کا محرم قرار دے کر خوب مار پیٹ سکتے ہیں کیونکہ ان کا ہر
حق ہے۔

جہدھر نے بھاگیری سے کہا: "ماراکھن پال جی کو بچھڑ لیا گیا۔ میں اپنے وطن
کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔"

بھاگیری نے اپنے باپ کو حیرت وادیا اور بولی: "جہدھر! ایک بار پھر میں
تیرے ساتھ غرضد چلوں گی کیونکہ اس کا مجھے حق پہنچا ہے اور یہاں کا ولی شخص
کوئی قانون مجھ کو تیرے ساتھ جانے سے نہیں روک سکتا۔"

جہدھر جھوٹا ہو گیا بولا: "اچھا تو بھی چل میرے ساتھ بھاگیری۔"
لیکن جہدھر اس بات سے ڈر رہا تھا کہ بھاگیری کے ساتھ رہنے سے وہ
کام صحت نہیں انجام دے سکے گا اور ہر وقت پتھر سے جانے کا دھوکا لگا رہے گا۔
کئی دن بعد بھوک اور توج کے ساتھ جو کچھ ان کی طرف روانہ ہو گیا بھاگیری
کے ساتھ تھی۔ اس نے راستوں کا نقشہ بنا لیا تھا اور بھوکوں نے جو بھی فوجی منصوبہ
تھے۔ انہیں نقشوں کے ساتھ ہی لکھ دیا تھا۔

راستے میں، جو کچھ کھانا سے پہلے ہی آسامیوں نے پڑا دیا اپنے ساتھ لے
توج میں سے کچھ کو الگ کیا اور حکم دیا کہ وہ مقامی قبائل سے مل کر مسلمانوں پر رش
اندھ چھاپے ماریں۔

جہدھر کو جو یہ خطرناک اطلاعات میں تو وہ انہیں آفرخان تک پہنچی
تھے بے چین ہو گیا۔ اس نے آفرخان کو راستے کا نقشہ ایک دوسرے آسامی کے ذریعہ
دیا اور اپنے مختصر خط میں میر جملہ کو نصیحت کی کہ وہ دریا کے ماہل سے ہرگز نہ
اس نے یہ بھی لکھا کہ دریا کے کنارے سفر جاری رکھا جائے اور اس کے
دوڑ تک پھیلے ہوئے درختوں کو کاٹ کر دلدلیں اور

چھوٹے نالیوں کو باٹ کر راستہ بنالیا جاتے، اس نے یہ بھی لکھا کہ اپنے دائیں ہاتھ
پر شیار کیڑے کو آسامی جھام مانوں کے دستے ان کے تعاقب میں ہیں۔
جب نقشہ اور خط آفرخان کو ملا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے یہ
چیزیں میر جملہ کو دے دیں۔ اس نے اس وقت ساموئی سے دریا کے کنارے

اکس دی اور بڑے درختوں کو کاٹ کاٹ کر دہلیزوں اور نالوں پر چھادیا اور اس پر
 لکڑی کو گزارنا شروع کر دیا۔ راستے میں کئی جگہ ان پر چھاپے مارے گئے لیکن ہر جگہ
 رخاں نے انہیں منہ توڑ جواب دے کر ہر جگہ پسپا کیا۔

برہمپترا کے کنارے کنارے چل کر یہ ایک قلعے کے سامنے پہنچ گئے قلعے کی غری
 پہاڑ کی چوٹی کی وجہ سے محفوظ تھی اس کی جنوبی سمت برہمپترا بہم رہا تھا مشرق
 سے دوسرا مناس نامی دریا پھل رہا تھا، جو آگے جا کر جنوب میں دریائے برہمپترا میں
 اچھا شامل میں قلعے کی دیوار کے سامنے ایک خندق کھدی تھی، خندق کے قریب ہی
 ماڑ اور گھنا جنگل تھا۔ خندق کے پاس جو دریا سا سطح حصہ تھا، اس میں بالسنوں کو
 اسی طرح تراش کر زمین میں گاڑ دیا گیا تھا اس کارروائی کو آسامی بھانجا کہتے ہیں،
 بڑے بڑے بھانجوں کو عبور کرنا بڑی جان جوکھوں کا کام تھا۔

★

★

★

جہدھر راجا کے بھوکن اور فوج کے ساتھ جب اس قلعے میں داخل ہوا اور اس
 کے نیچے دریا قلعے پر مغل فوجوں کو چڑھنے کی طرح حکمت کرنے دیکھا تو بہت
 ہوا۔ جہدھر نے قلعے میں ہر طرف گھوم پھر کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مغلوں
 طرف سے بلایا جاتے اور اگر وہ اپنا کوئی پیغام تیرے ذریعے مغلوں کو بھیجے تو قلعے کے
 پھٹے سے بھیجے۔

اس قلعے کے مقابل ایک دوسرا قلعہ بھی تھا، قلعے کی پشت پر دریائے برہمپترا
 انہوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور ان دونوں شاخوں کے درمیان ایک ٹاپو سا نمودار ہو گیا
 دریا کے دوسرے کنارے پر کون سا رخ رہا تھا، کھڑا تھا انداز میں پہاڑ پر دوسرا
 قلعہ تھا، اسے قلعے میں پندرہ ہزار فوج اور تین سو بیس کشتیاں موجود تھیں جہدھر
 قلعہ جو فوج آتی تھی، وہ اس کے علاوہ تھی۔

بھائی جہدھر کے ساتھ ساتے کی طرح لگی ہوئی تھی، اس نے جہدھر کے ساتھ
 کو چوڑیوں کی طرح رنگتے چر دیکھا تو دم بخود رہ گئی مغل فوج کا بیشتر حصہ سفید
 نہیں تھا، لیکن ان کی پگڑیوں کے رنگ مختلف تھے، اس نے جہدھر سے کہا "جہدھر!
 لوگ جو اس وقت چوڑی کی طرح نظر آ رہے ہیں یہاں تک آسمان کے ہیں!"

جہدھر نے جواب دیا "بھائی! یہ مغل بھی عجیب تو ہے، اس توہم میں سب

سے جیسی یہ خرابی ہے کہ یہ بلا کی مستقل مزاج ہوتی ہے یہ اس وقت تک ہمت نہیں
 جب تک کہ اپنا مقصد نہ حاصل کر لے۔ انہوں نے آسمان کی تسخیر کا ارادہ کر لیا ہے
 کسی طرح باز نہیں آئیں گے، یہ تو دیوتاؤں کے عذاب ہیں جو ہر حال میں تازہ رہ
 رہتا ہے۔

بھائی گہری ڈر گئی! ”اگر یہ لوگ جیت گئے اور ہمیں گرفتار کر لیا گیا تو یہ لوگ
 ساتھ کیا سلوک کریں گے؟“

جمہور نے جواب دیا: ”چونکہ تو بالکل جاہل اور بے مصرف ہے اس لئے
 کو اپنی بیگماری کی خدمت گزار دی پر رگادیں گے اور تجھے اس حق سے ہمیشہ محروم رکھیں
 جس کی تو مستحق ہے۔“

رات کو مغلوں نے ماہتابیاں روشن کر دیں۔ جمہور نے آغرخان کے نام

خط لکھا:

”میرے سجادہ آغرخانا! آسمان میں دو قومیں آباد ہیں۔ ایک آسمانی اور
 کلتافہ کلتانی ٹوٹے بھڑنے کے سوا سارے کام نہایت عقل مند دی اور ہوشیار دی سے
 دیتے ہیں۔ یہاں راجا کے منصب داروں اور مشیروں میں کلتا بیوں کی اکثریت ہے اور یہ
 دار بھڑکن کہلاتے ہیں۔ راجا ان کی عقل اور تدبیر پر ہمت اعتماد کرتا ہے۔ کلتا بیوں
 برعکس آسمانی جہادری اور شجاعت میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور راجا کی فوج میں کم
 کی اکثریت ہے۔ میں خود کلتانی ہوں۔“

مردار! آپ سانچا ناں میر جملہ کو مشورہ دیجئے کہ وہ اپنی فوج کے ایک
 کمرہ پر پہنچنے کے کنارے پرانا تارہ بن اور پھر یہ فوج ان جنگلوں کا صفایا کرنا شروع کر دے
 جو راجا کی قلعہ بند فوج کو بوقت فراہ پناہ گاہ کا کام دے سکتے ہیں۔ فوج کا کچھ حصہ
 مناس کی طرف بڑھ جائے اور یہ سارا کام اس طرح انجام دیا جائے کہ راجا کی فوج یہ سب
 لگے کہ مغل افواج ان کے فرار کی راہیں مسدود کر رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر دشمن
 بادر کر دیا گیا تو وہ لڑائی کی ہمت نہیں کرے گا اور جان بچانے کی تدبیریں سوچنے لگے
 یہ سب میں اس لئے نکھ رہا ہوں کہ میں نے آسمانیوں میں مغلوں کا خوف محسوس کر لیا ہے
 مجھے یقین ہے کہ آسمانی راہ فرار اختیار کریں گے، آپ کی فوج اس کے تعاقب اور
 غام کے لئے تیار رہے اور چوں کہ یہی کشتیوں اور لڑائیوں کی ہمت سمجھتے ہیں
 اس لئے کوشش کی جائے کہ بھاگتے ہوئے آسمانیوں سے کشتیاں اور فوڑاڑے زبرد

پہن لیے جاتیں۔

سرور آغا خان آپ پر اور اسلامی لشکر پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں، میں نے
ہم کے فضل سے بچیم گڑھ تک کے راستے اچھی طرح سمجھ لئے ہیں اور خود کو اس لائق
مسوس کر رہا ہوں کہ مغل افواج کی بہترین رہنمائی کر سکوں۔ اگر آپ لوگوں نے ان دونوں
لمعین کو فتح کر لیا تو میں کسی بھی جہانے آپ کے پاس چلا آؤں گا اور پھر اپنی رہنمائی میں
مغل افواج کو بچیم گڑھ کی طرف لے کر بڑھوں گا۔

سرور، میری بد قسمتی کہ میرے ماما لکھن پال جی کی بیٹی بھاگیرتی میرے ساتھ
راتے کی طرح لگی ہوئی ہے۔ ہم کھانا بیٹوں میں لڑکی کو اتنا حق اور اختیار حاصل ہوتا ہے
کہ وہ اپنی مرضی کے کسی بھی مرد سے شادی کر لے قوم لڑکی کی مخالفت نہیں کرے گی لیکن
شرط یہ ہے کہ جس مرد یا نوجوان سے کوئی لڑکی شادی کرنا چاہتی ہو وہ خود بھی اس پر
امادہ ہو کسی ایسی شادی کی اگر لڑکی کا باپ مخالفت کرے تو قوم کے لوگ اس کے باپ
کا پڑائی شروع کر دیں گے اور اتنی زیادہ پٹائی کر دیں گے کہ لڑکی کا باپ ادھ بھڑ
میر شادی کی اجازت دے دیتا ہے۔ چنانچہ میرے ماما لکھن پال جی کی بیٹی بھاگیرتی نے مجھ سے
شادی کرنے کا اعلان کیا تو میرے ماما نے اس کی مخالفت کی کیونکہ بھاگیرتی کی شادی کسی اور
نوجوان سے طے پا چکی تھی، بھاگیرتی نے اس نوجوان کو اپنی امید داری سے خارج کر دیا اور
مجھ سے شادی کرنے کا اعلان کر دیا حالات اور وقت کے پیش نظر میں نے بھی شادی کا
قرار کر دیا، چنانچہ ماما لکھن پال جی نے اس رشتے کی مخالفت کی تو میری قوم کے لوگوں
نے بھائی کی غرض سے ماما کو دھجھ بھجھایا۔ میں نے مشکل اس کو رہائی دلائی اور بھاگیرتی کو اپنے
ساتھ لے کر جہاں آگیا ہوں۔ سرور، آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک شادی شدہ شخص ہوں
بھاگیرتی کے کس طرح شادی کر سکتا ہوں۔ میں جب آپ کے پاس آؤں گا تو شاید بھاگیرتی
میرے ساتھ ہی ہوگی۔ یہ میرے ماما کی بیٹی ہے اس لئے میں اس کو لشکر میں عزت و آبرو
سے رکھنے کی خواہش کروں گا۔ اگر یہ کسی طرح کسی اور سے شادی کر لے بہرہ آدہ نہ ہوئی
تو میں مجبوراً اس سے شادی کر لوں گا اور یہ میری دم مری بیوی ہوگی اور شادی کے
بعد اس کو انسان بنانے کی کوشش کروں گا۔

آخر میں اپنے دستخط کر دیے اور اس خط کو تیری نوک میں باندھ کر تفصیل کا
دہ حصہ تلاش کرنے لگا، جہاں سے مغلوں کا لشکر اتنا قریب نظر آتا ہو کہ اگر چلے کویری
نوت سے کچھ نہ کر لیں تو وہ مغلوں کے لشکر میں جا کرے۔ یہاں بھی بھاگیرتی

اس کے ساتھ تھی اس نے جمدھر کو کچھ نکھتے دیکھا تھا، اس نے پلکیں جھپکا جھپکا کر اندھا دُعا پر زور دے دے کر ٹیڑھی میڑھی، الٹی سبڑھی، اڑھی ترچھی شکلوں کو سمجھنے کی بڑی کوشش کی تھی لیکن کچھ سمجھ نہیں سکی تھی۔ اب جو اس نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو کئی تہوں میں تیر کر نوک پر بندھا ہوا دیکھا تو جمدھر سے پوچھ بھاگ بیٹھی۔ "جمدھر! یہ کیا چیز ہے جس کو تو نے تیر کر نوک میں باندھ رکھا ہے؟"

جمدھر مسکرایا۔ "بھاگرتی! یہ ایک خط ہے مغلوں کے سردار کے نام۔" بھاگرتی نے فہم پر زور دیا۔ "خط مغلوں کے سردار کے نام، کیا مغل تیرے درست ہیں کہ انہیں خط لکھ دیا ہے؟"

جمدھر گرجا۔ "پگلی خط دوستوں ہی کو نہیں دشمنوں کو بھی لکھے جاتے ہیں، میں نے مغلوں کے سردار کو لکھ دیا ہے کہ تم لوگ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ درندہ بنو! ہو جاؤ تم سے۔"

بھاگرتی کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ "کیا یہ خط پڑھ کر مغل واپس چلے جائیں گے؟"

جمدھر نے جواب دیا۔ "ہاں کچھ کہہ سکتے ہیں لیکن میرے خیال میں ان کو چلا جانا چاہیے۔"

بھاگرتی نے پوچھا۔ "یہ کس زبان میں خط لکھا ہے؟"

جمدھر نے جواب دیا۔ "فارسی میں۔"

بھاگرتی نے اٹھ بیٹھ سے کہا۔ "تو مغلوں سے تو نے فارسی بھی سیکھ لی۔ تجھے خط اپنی زبان میں لکھنا چاہیے تھا۔"

جمدھر بھاگرتی کی سادہ لوحی ہر ایک بار پھر مسکرایا۔ "اگر میں آساں زبان میں یہ خط لکھتا تو وہاں اس کو پڑھتا کون؟"

بھاگرتی نے کہا۔ "جب تو نے مغلوں کی زبان سیکھ لی تو مغلوں کو تیری زبان سیکھ لینا چاہیے تھی۔"

جمدھر نے مغلوں کی ماہتابیاں کچھ قریب محسوس کیں اس نے فوراً چلے کر پوری قوت سے کہنے پر تیر چھوڑ دیا۔ "اندھیرے میں کچھ نظر تو نہیں آیا کہ تیر کہا گیا"

لیکن جمدھر کا اندازہ یہی تھا کہ تیر مغلوں کے لشکر میں پہنچ گیا ہے۔ بھاگرتی جمدھر کو لے کر فصیل کی ایک سول پر بیٹھ گئی۔ اس کے دونوں طرف

اسامی فوجی اندھیرے میں کالے کالے سا بون کی طرح منحرف تھے۔ بھاگیتی نے جلدھر
 کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن اندھیرے کی وجہ سے صاف دیکھ نہیں سکی۔ جلدھر
 خوش تھا کہ اندھیرے کا وجہ سے اس کے اماکی بیٹی اس کے حقیقی تائزات کو چہرے پر
 نہیں دیکھ سکے گی۔

بھاگیتی نے سادگی سے کہا: ”جلدھر! یہ مغل بھی کتنے بڑے لوگ ہیں اگر یہ ٹہنے
 نہ آتے تو ہم دونوں شادی کر چکے ہوتے اور اپنی بسنی میں منرے کمرے سے ہوتے۔ ان
 مغلوں نے سا اضرہ کر کے کرا کر دیا۔“

جلدھر نے جواب دیا: ”بھاگیتی! اگر مغل ادھر نہ آتے تو میں بھی بھاگ کر مجیم
 ٹھہر نہ پہنچ سکتا اور جب میں مجیم کو دھنہ پہنچتا تو تجھ سے ملاقات اور شادی کرنے
 کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا، اس لئے مغلوں کو دعا ہے کہ ان کی وجہ سے ہم دونوں
 کی ملاقات ہو گئی۔“

بھاگیتی چوڑی فصیل پر لیٹ گئی۔ اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا اور وہ
 ٹٹہلتے جھلملانے ستاروں کو بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ جلدھر اس کی باطنی کیفیات
 کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، بولا: ”بھاگیتی! کیا تجھے نیند آ رہی ہے؟“
 بھاگیتی نے جواب دیا: ”نہیں تو، مجھے یہ رات بہت اچھی لگ رہی ہے، حالانکہ
 مغلوں کا شکرمیں خود فرزدہ کمرہ ہے، مگر پھر بھی آج کی رات بہت اچھی لگ رہی ہے
 شاید اس لئے کہ تو جو میرے ساتھ اور میرے پاس ہے۔“

جلدھر سمجھ گیا کہ بھاگیتی کے رگ دپے ہیں۔ سرخادی کی لہریں دھڑ رہی
 ہیں اور وہ اس عالم میں کوئی بھی قدم اٹھا سکتی ہے، اس نے بھاگیتی کا ہاتھ پکڑ کر کھانے
 کی کوشش کی، بولا: ”بھاگیتی! یہ تو کہاں لیٹ گئی، یہاں فوجی جوانوں کی آمدورفت ہے
 اٹھ، اپنے ٹھکانے پر چل کر آرام کر۔ یہ سمنے کی جگہ نہیں ہے۔“
 بھاگیتی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹھیکٹ لیا،

بولی: ”جلدھر! میں نے کوئی جگہ نہیں ہوتی، تو بھی یہیں
 بیٹا رہ، مجھ کو بڑا آرام اور سکون مل رہا ہے، بس یاد رہوں یہ مغل زندگی کو
 بے مزہ کر دکھاتا ہے۔“

لیکن جلدھر آسامی معاشرے کا آدمی نہیں تھا، اس نے مغل معاشرے کی ریزم
 اور عادت کو اختیار کر کے کھا تھا،

دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں کو جھجکا

کرتے محسوس کیا بھاگرتی مہمت خوشی تھی، اس کا چہرہ مسکرا رہا تھا، اس کی آنکھوں پر شرمیلی بھی تھی اور شرمیلی بھی، سرشاری بھی تھی اور خلد بھی۔

جہدھر گھبرا ہوا تھا، بولا "بھاگرتی! صبر اور احتیاط سے کام لے۔ ذرا سوچو یہ تو کیا کر رہی ہے اگر آسمانی فوجی یا بھوکن ادھر آگیا تو وہ کیا کہے گا؟ کیا ہم دونوں کے مذاق نہیں اڑے گا؟"

بھاگرتی نے لاپرواہی سے جواب دیا "میں کسی بھی شخص یا کسی بات سے بے خبر نہیں ہوتی۔ تو میرا محبوب ہے اور ہم دونوں کو ایک دوسرے سے شادی بھی کرنا ہے، پھر تم دونوں کے درمیان بھی تو کس بات سے؟"

جہدھر شکل آزاد ہو کر، ایک طرف کھڑا ہو گیا "بھاگرتی! تو غضب کی لڑائی ہے، تیرا جوش و خروش دیکھ کر یہی جی چاہتا ہے کہ میں بھی کچھ کرگزروں لیکن پھر یہ سوچ کر رہ جاتا ہوں کہ ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا، میری قدم بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔"

بولا "مصیبتیں تو آتی بھاگرتی" جاننا رہتی ہیں، ان سے آنے جانے سے دنیا کے کام تو نہیں رک جاتے۔ ہمیں قوم کے لئے اپنی جان تک دے سکتی ہوں، مگر پھر قدم کو بھی ہم دونوں کے معاملوں میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ ہم دونوں یہاں فیصل پر لپٹیں یا کہیں اور جا کر لپٹیں قوم کو ہمارے ذاتی معاملوں میں بالکل دخل نہیں دینا چاہیے۔" لسنے میں ایک ساریہ ان دونوں کے پاس آ کر ٹک گیا اور ڈپٹ کر بڑھ چلا۔ کہا ہوتا ہے؟

جہدھر نے آواز سے پہچان لیا تھا، یہ بھوکن کی آواز تھی، بولا "بھوکن جی! یہاں کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ بھاگرتی کی طبیعت خراب ہو رہی تھی میں نے اس کو فیصل پر لپٹا دیا۔"

لیکن بھاگرتی جوشی میں آٹھ کر بیٹھ گئی، بولی "بھوکن جی! میں بالکل ٹھیک ہوں، میری طبیعت نہیں خراب ہو رہی۔ جہدھر کھوٹ بولتا ہے۔" جہدھر شرمندہ ہو گیا "اگر تیری طبیعت خراب نہیں تھی تو تو یہاں لیٹ

کیوں گنتی تھی؟

بھاگیرتی بھوکن کی موجودگی میں بھی اپنے ارادوں سے باز نہیں آتی،
 لہٰذا بھوکن جی! جہدھر میرا ہونے والا شہر ہے اور میں
 اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، اندھیری رات اور ستاروں کی چمک نے میرے اندر خوشی
 سی دھڑادی ہے، میں برداشت نہیں کر سکتی، بھوکن جی! جہدھر کو سمجھا دے، ورنہ
 میں اس کو فاصلے سے نیچے پھینک دوں گی۔

بھوکن جی نے جواب دیا: بھاگیرتی! ہوش میں رہ، مجھے جہدھر سے ضروری
 مشورہ کرنا ہے، مغل جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، اس لئے اب ہم کو کبھی نہ پائی کر لینا
 چاہیے۔ یہ تیرا ہونے والا شہر ہے، تو پھر جلدی کنس بات کی بھاگیرتی؟
 بھاگیرتی نے کہا: مجھے کوئی جلدی نہیں۔ میں تو بڑا لمبا انتظار کر سکتی ہوں
 لیکن بس قدم کی مصیبت کا خیال کر کے چپ ہو جاتی ہوں۔
 بھوکن نے بھاگیرتی سے کہا: لڑکی! تو اس جگہ کھڑی رہ تاکہ میں واپسی میں
 تجھ کو باتانی پا جاؤں۔

بھاگیرتی نے پوچھا: میں کیسی یا جہدھر بھی؟
 بھوکن نے جواب دیا: جہدھر میرے ساتھ جاتے گا۔
 بھاگیرتی نے اکثر کہا: یہ جہاں بھی جاتے گا میں اس کے ساتھ ساتھ کی طرح
 لگی رہوں گی۔

بھوکن نے جہدھر کی طرف دیکھا اور کہا: اب تجھ کو اس لڑکی سے ذرا دور دور
 رہنا ہوگا کیونکہ یہ بڑی خود غرض عروس ہوتی ہے اور خود غرضوں سے ہمیشہ بچ کرنا اور
 ہوشیار رہنا چاہیے۔

بھاگیرتی نے خوشی میں جہدھر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھڑی ہو گئی: بھوکن جی!
 کچھ سوچا بھی کہ تو نے کیا کہہ دیا، یہ میرا ہے اس پر میرا حکم چلے گا، اگر اس وقت
 پوری تو تم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں جہدھر کو لے کر اسی وقت چلی جاتی۔ پھر جہدھر سے
 کہا: جہدھر! چل میرے ساتھ چل بھوکن جی سے صبح مل لینا، مغل اتنی جلدی نہیں
 کرتے جاتے۔

بھوکن جی کو حلال آگیا: لڑکی! تو اپنی حد میں رہ، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ میں
 نہیں کہہ رہا، راجا کہہ رہا ہے۔ اور کیا تجھ میں یا کسی اور میں اتنی ہمت ہے کہ راجا کو

بات نہ مانے یا راجا کی بات پر اپنی بات کو ترجیح دے گا۔
 جہدھر نے بھاگیرتی کو سمجھایا۔ بھاگیرتی اوقت کو پہچان اپنے بھاگ سے
 ڈر۔ ذرا صبر اور متکون سے کام لے۔

بھاگیرتی نے جواب دیا: "تو کہتا ہے تو حکمرانوں کی، درندہ میں اپنے کسی معاملے
 میں بھوکے جی یاد راجا تک کی کوئی بات نہیں۔ انوں کی۔ جس طرح راجا کی خوشی خوشی ہوئی
 ہے اس طرح میری خوشی بھی خوشی ہے اور یہ تو میں نے آج تک جانا ہی نہیں کہ اپنے
 خوشی پر کسی اور کی خوشی کو ترجیح دے دوں۔"

جہدھر نے بھوکے کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن ضد سے بھاگیرتی نے جہدھر کا
 ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا اور کہا: "جہدھر! تو میرے ساتھ چل۔" اور بھوکے سے کہا: "اور
 بڑھے بھوکے انو اپنا راستہ لے، صبح ملاقات ہوگی۔"

بھوکے نے غصے میں تالی بجائی، تالی کی آواز پر کئی سپاہی بھاگ کر آگئے بھوکے
 نے حکم دیا: "اس لڑکی کو صبح تک کے لئے کہیں بند کر دو۔"

لیکن بھاگیرتی نے تعمیل حکم سے پہلے ہی بھوکے پر حملہ کر دیا اور اس کو دھکے
 دے کر فضیل کے نیچے گرا دینے کی کوشش کی، بھوکے بوڑھا ہونے لگے باوجود مضبوط
 اعصاب کا نشان تھا، وہ فضیل پر گھر گھر سنجل گیا، اس دوران سپاہیوں نے بھاگیرتی
 کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور دھاکتور سپاہیوں نے اس کو دونوں بازوؤں سے
 پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، مگر بھاگیرتی پھل گئی اور بھوکے کی طرح دونوں پاؤں فضیل
 سے رگڑنے لگی۔

بھوکے کا غصہ عروج کو پہنچ چکا تھا، چیختے ہوئے حکم دیا: "اس سرکش
 اور خود غرض لڑکی کو تاحکم ثانی بند رکھا جائے۔ اگر میں سنجل نہ جاتا تو اس نے مجھ
 کو فضیل سے گرا کر ہلاک کر دیا ہوتا۔"

بھاگیرتی نظروں سے اوجھل ہو گئی، جہدھر تماشائی بننا سب کچھ دیکھتا رہا۔
 بھوکے نے اس کو نصیحت کی: "جہدھر! خبردار جو تو نے اس سرکش لڑکی سے شادی کی
 اگر تو نے ایسی غلطی کی تو میری یہ بات یاد رکھنا کہ وہ کسی بھی وقت تجھ کو ہلاک
 کر دے گی۔"

جہدھر نے جواب دیا: "شاید ایسی بات نہیں ہے بھوکے جی، وہ حیرت
 ماما رکھن پال جی کی بیٹی ہے۔ اس نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے میرا خیال ہے

اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، آسامی اور کلانی حریت پسند ہوتے ہیں اور انہیں اپنی انا کا بڑا خیال ہوتا ہے، شاید یہ بھی اس حریت پسندی اور انا پرستی ہی کی ایک جھلک تھی۔

بھوکن اس کو قلعے کے ایک برج میں لے گیا اور دونوں دھڑھڑاتی چھوٹی چھوٹی چڑیوں پر آئے۔ منے بیٹھ گئے۔ برج کو مشعل سے روشن کر دیا گیا تھا۔ برج میں بندو قیں، تلواریں، تیرکمان اور خنجریں کا ایک بڑا ذخیرہ رکھا ہوا تھا۔ جمہور نے ان ہتھیاروں پر ایک اچھی نظر ڈالی اور بھوکن جی کو دیکھنے لگا۔ بھوکن نے سوال کیا: جمہور جی! تو نے تو مغلوں میں بڑا وقت گزارا ہے، یہ بتا کہ ان کا حوصلہ کب تک ان کا ساتھ دیتا رہے گا؟ یہ بھی تمہیں لگے یا نہیں؟

جمہور نے جواب دیا: بھوکن جی! میں مغلوں کو خوب جانتا ہوں یہ بڑی دیوانی قوم ہے، جس کے پیچھے بڑے باقی ہے آخری دم تک چھاپا نہیں چھوڑتی ویسے ان کو پسپا کرنے کی ایک ہی ترکیب رہ گئی ہے میرے پاس۔

بھوکن اپنی جگہ سے اٹھا اور جمہور کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کون سی ترکیب؟

جمہور نے جواب دیا: دو ایک دن بعد مجھ کو مغلوں کے لشکر میں جانا پڑے گا، میں مغلوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کروں گا اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو میں آسامی انہیں غلط راہوں پر ڈال سکوں گا۔ میں درغلز آسامیوں میں ایسی جگہ پہنچا دوں گا، جہاں تو اپنے سپاہیوں کے ساتھ چھپا ہوا ہو گا اور انہیں دھوکے سے ہلاک کر سکے گا۔

بھوکن نے اس میں مت کہنا: تو کون مغل سمجھ پر اعتماد کر رہا ہے؟

جمہور نے جواب دیا: میں اعتماد کی بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اگر کام میں

آئے تو میں گیا اور وہ بھی اپنی قوم پر قربان ہو جائیں گا۔

بھوکن نے ہلے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سمجھ پر اعتماد کرنا بڑے خطرے کا ہے، اس پر وہ متاثر ہو کر روشنی میں مغلوں کے لشکر میں حرکت اور بے چینی محسوس کی، اس نے دوسری سے جمہور کو قتل کر دیا۔ جمہور اور اس کے بھائی نے یہ خلیا آخر کیا کر رہے ہیں۔ مجھے تو وہ دریا کے دوسرے کنارے کی طرف جانے پڑے نظر آ رہے ہیں! جمہور بھوکن کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا: اور تو افسوس کو دوسرے کنارے

کی طرف جلتے ہوئے دیکھتا رہا کشتیوں اور ناولوں پر بھی مہتابیاں روشن تھیں۔
 اس نے بھونکنے کہا: ”بھونکن جی! مجھ کو تو یہ خبر ملی ہے کہ مغل دربار کو عبور کر کے دوسرے
 کنارے پر قبضہ کر لینا چاہتے ہیں اور امن میں اپنی طاقت پر اتنا بھروسہ ہے کہ وہ دوسرے
 کنارے پر پہنچ کر ہماری فوجوں کی راہ فرما کر دینا چاہتے ہیں۔“
 بھونکن کا چہرہ خوف سے مدھم پڑ گیا، پوچھا: ”کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟“
 جہدھر نے جواب دیا: ”ایسا ہو سکتا کیا معنی، اس سے بڑا بھی ہو
 سکتا ہے!“

بھونکن نے جلدی جلدی کہا: ”تب پھر جہدھر جی یہ کام فوراً ہونا چاہیے، ورنہ
 اگر مغلوں نے ہماری راہ فرما بھی نہ کر دی، تو ہم کیا کریں گے؟“
 جہدھر نے کہا: ”اگر تو مجھے جانے پر مجبور ہی کر رہا ہے تو میں چلا جاؤں گا
 ورنہ اتنی جلدی جانے کو جی تو نہیں چاہ رہا ہے۔“
 بھونکن نے پوچھا: ”پھر تو مغل فوجوں میں کس دن جلتے گا؟“
 جہدھر نے جواب دیا: ”میں کل ہی جاسکتا ہوں۔“

بھونکن نے کہا: ”ہاں تو کل ہی چلا جانا۔ کیونکہ عیاروں اور چالاکوں کے بغیر
 اس طاقتور دشمن کو شکست نہیں دی جاسکتی۔“ اس کے بعد کہا: ”جہدھر جی! میں نے
 تیری مجاہد کے بیٹے یہ سوچا ہے کہ اسی کو روماعنوں بعد چھیڑ دیا جائے اور وہ ایک
 بار پھر تیرے پاس اٹھ بیٹھ کر اپنی احسانہ باتوں سے ہنسائے۔“

جہدھر کی نظر بہ نسبت دریلے بہ بہتر میں دوں دوں کشتیوں اور ناولوں
 پر پڑ رہی تھیں۔ اس نے سوچا اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کا تیری نوک سے بندھا
 ہوا حط مل چکے اور میر جملہ اور آغرفان نے اس بہترینی سے عمل کرنا شروع کر
 رہا ہے۔ جہدھر کی نظر میں یہ بڑی اچھی بات تھی اور کوئی وجہ نہیں تھی جو اس جنگ
 میں مغلوں کو فتح حاصل نہ ہوتی۔

صبح ہوتے ہوئے بھاگتے ہوئے دیکھا گیا اس وقت وہ بڑے غصے میں تھی،
 جہدھر بھونکن کے ساتھ تفصیل سے مغلوں کے دوسرے کنارے جا پہنچے کا دلچسپ نظر
 دیکھ رہا تھا جو اس وقت بھی نظر آ رہا تھا، بھاگتے ہوئے تیر تیر قدم اٹھاتی ہوئی ان دونوں
 کے پاس پہنچی اور بھونکن کا گلہ پڑا: ”تو نے مجھ کو رات کو ہر بند کیوں دکھا، بول، جواب
 دے، ورنہ میں تجھ کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دوں گی۔“

بھوکن کے گلے سے خرخر کی آواز نکلتی لگی، جمدھر نے پھرتی سے کھڑے ہو کر بھوکن کو چھڑانے کی کوشش کی۔ "بھاگرتی! بھوکن کو چھوڑ دے کیونکہ یہ بڑے معمولی درجہ کا درخت ہے، یہ تو کیا غضب کر رہی ہے!"

بھاگرتی نے گردن کو سختی جھٹکے دیے۔ بھوکن لڑکھڑا کر گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی بھاگرتی بھی گر گئی، جمدھر نے بھاگرتی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ "یہ کیا کر رہی ہے بھاگرتی؟"

یقین بھاگرتی کے غمے میں کوئی نہ آتی وہ سخت مشتعل تھی۔ "میں اس بڑے کاخون پی جاؤں گی اس نے میرے اماؤں کا خون کر دیا۔ کل رات میں تنہا میں کھڑا جانا چاہتی تھی، لیکن اس بڑے نے مجھے جڈا کر دیا، جمدھر! میں یہ بات کس طرح بتاؤں تجھے کہ مجھے کل تیری ضرورت تھی، لیکن اس ظالم نے مجھے رات بھر سسکیاں لینے اور جڈوں کو دبا تے رکھنے پر مجبور کر دیا!"

بھوکن نے بڑی کوشش کی کہ وہ اس خونخوار طاقتور لڑکی سے نجات حاصل کر لے، لیکن ناکام رہا۔

جمدھر نے خوشامدگی سے "بھاگرتی! میری خاطر اس کو چھوڑ دے، یہ تجھے ہو

کیا گیا ہے؟" بھوکن نے شور مچا۔ "ارے کوئی ہے جو اس جنگلی لڑکی سے میرا پیچھا

چھڑاتے؟"

لیکن تفصیل پر موجود سپاہ ان سے بہت دور تھی وہاں تک بھوکن کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ بھاگرتی نے بھوکن کو تفصیل کے کنارے دھکا دیا مگر بھوکن نے تفصیل کے ایک آگے ہوتے پتھر کو پکڑ لیا۔ جمدھر نے بھاگرتی کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی لیکن بھاگرتی نے ایک سخت دھکا دے کر اس کو بھی گرا دیا، جمدھر نے بھاگرتی کے چہرے پر مدحست اور جنوں کی علامات محسوس کیں۔ اتنی دیر میں بھوکن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بھاگرتی نے اس کو کھڑت ہوتے دیکھا تو دم سے کہ پوری گت سے بھوکن کو دھکا دے دیا۔ بوڑھے نے سنبھلنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ گر گیا اور لڑھکتا ہوا تفصیل کے نیچے ہواؤں کھڑوں میں کہیں گم ہو گیا۔ جمدھر خوف کی وجہ سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ وہ چیخا۔

"بھاگرتی! یہ نہ کر کیا کر دیا ہے؟"

بھاگرتی کوئی جواب دینے کے بجائے تفصیل کے کنارے کھڑی ہو کر نیچے کھڑوں

میں بھڑکن کو تلاش کرنے لگی۔ وہ بہت خوش تھی۔ گویا اپنے آپ سے بڑی "ہیں نے بد لے لیا۔" اس کے بعد جھڑ سے کہا: "جھڑ! تو میرے باپ کی بہن کا بیٹا ہے اور میں تجھ کو پسند کرتی ہوں، اس لئے میں نے تجھ کو معاف کر دیا۔" تو نے میرے مقابلے میں بھوک کی جگہ کا ساتھ کیوں دیا؟

جھڑ نے کہا: "لیکن یہ تو نے کیا کر دیا بھائی؟ یہ یہاں کی فوج تو تیرا چھانچہ چھوڑے گی!"

بھائی نے جواب دیا: "اب میں یہاں رہوں گی کیوں؟ تو میرے ساتھ چل۔ مغلوں سے بڑے جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں اور آگے ہیں تو انہیں آجانے دے، وہ بھی ہمارے ساتھ رہیں۔"

جھڑ اس کی بے سرو پا باتوں سے بہت عاجز تھا، لہذا: "بھائی! تو نے جو کچھ کہا اچھا نہیں کیا۔" میرے ساتھ میں بھی مارا جاتا تھا۔

بھائی نے یہ سب دیکھتے ہوئے پوچھا: "جھڑ! یہ بھوک کی واپس تو نہیں آجائے گا؟ کہیں نظر نہیں آ رہا؟ یہ نہیں چھپ تو نہیں گیا؟"

جھڑ نے عفت میں جواب دیا: "اس کی ہڈیاں تک سرمہ بن گئی ہیں مگر معلوم نہیں یہ تجھ کو ہو کیا آئی ہے جو وہی تھا ہی ہے جا رہی ہے مجھ کو تو تو پاگل لگ رہی ہے۔"

بھائی نے جھڑ کے سیدھے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کا چہرہ اپنے چہرے کے قریب کر لیا: "جھڑ! تو بھی کیسا ہے جس انسان ہے یہ بتا کیا تجھ کو بھوک نہیں لگتی؟ کیا تجھے یہاں نہیں لگتی؟"

جھڑ نے جواب دیا: "مجھے بھوک بھی لگتی ہے اور یہاں بھی۔ اور وہ کون سا انسان ہے جس کو بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو؟"

بھائی نے زور سے چلنے لگی: "لیکن میرا خیال ہے کہ تو ہی دو جاندار ہے جس کو نہ تو بھوک لگتی ہے اور نہ پیاس۔ لیکن مجھ کو تو بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی۔ کل رات میں بھوک تھی، میں سخت پیاسی تھی، میں نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھ کو کھانے پانی کے معاملے سے اٹھالے گیا۔ میں نے بھی اس کو معاف نہیں کیا اور فیصل سے پاناں میں پھینک دیا۔"

جھڑ کا سرمہ کھال ہی ہو رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کسی نے بھی بھوک کر

روں میں گرتے دیکھ لیا ہوگا تو مغربی کسی نہ کسی شکل میں قیامت نازل ہو کر رہے
اس نے موٹی موٹی آواز میں پلہ چھانے اب کیا کیا جاتے بھاگتی ہے؟
بھاگتی نے جواب دیا: ”یہاں سے میرے ساتھ بھیم گڑھ واپس چل رہا ہے
فجے شادی کر کے لطف اور مزے کے دن گزاروں گی، معجزہ کو مغلوں سے کوئی
سچی نہیں!“

جہدھر نے سر پکڑ لیا: ”یہ تو نے کیا کر دیا بھاگتی! اب میں کیا کروں؟ کہاں
نہ جاؤں؟“

بھاگتی نے غصے میں جہدھر کو بھی شانے سے پکڑ لیا اور کسی نہ در در جھٹکے
ہوئی بولی: ”میں کہتی ہوں مجھے سمجھنے کی کوشش کر جہدھر۔ میں کوئی معمولی لڑکی
نہ ہوں میں بھاگتی ہوں بھاگتی!“

جہدھر گھبرا گیا اور اس کو اپنا حشر بھی بھوکھن جیسا ہی نظر آنے لگا بولا: ”یہ کیا
ہی ہے بھاگتی؟ تو یہ بات کیوں نہیں سمجھتی کہ ہمارے وطن کے دروازے پر دشمن
کھڑے دھک دے رہے ہیں اور اگر ہم نے ان کو طاقت اور تہہ سیرے نہیں دے گا تو
وطن اور اس کی ساری چیزیں دشمنوں کے قبضے میں چلی جائیں گی اور ہم مغلوں کا غلام
بنا پڑے گا۔“

بھاگتی نے جواب دیا: ”تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ ہمارے دشمن
آج باتیں گے۔ وطن اور وطن کی ہر چیز پر قبضہ کر لیں گے ہمیں غلام بنائیں گے،
میں یہ کہتی ہوں کہ جب میں خود غلام بنا پس نہ کروں تو یہ مغل یا کوئی اور نہیں
لام بنائے گا تو زیادہ بائیں نہ بنا، میرے ساتھ بھیم گڑھ واپس چل اور میرے ساتھ
ہی زندگی گزار۔“

جہدھر کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ فی الحال بھاگتی کی ہاں میں
لا کر اس کے جنون کو دفع کرے اس نے کہا: ”اچھا بھاگتی! اگر تیری یہی مرضی ہے
اور تو بھیم گڑھ واپس چلیں تو بھی تیار ہوں۔“

بھاگتی کا چہرہ خوشی سے دھنکے لگا۔ بولی: ”مان لی نہ میری بات یہ میری عادت
میں اپنی بات ہر ایک سے سنا لیتی ہوں اور جہدھر میری بات نہ نہیں مانتا وہ بھوکھن کی طرح
مے بہرہ چلا جاتا ہے۔“

جہدھر بھاگتی کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر پہنچا اور بظاہر بھیم گڑھ جانے کی

تباہی کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد بھونک کی تلاش شروع ہو گئی۔ اس کو ہر طرف تلاش کیا جانے لگا۔
بھونک کی تلاش میں چند فوجی جمدھر کے پاس بھی پہنچے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ
بھونک کہاں مل سکتا ہے ؟

جمدھر اندر سے تو بہت خوفزدہ تھا۔ مگر چہرے سے کچھ بھی نہیں ظاہر ہونے
دیا۔ جواب دیا : "افسوس کہ آپ لوگ ایک ایسے شخص کو تلاش کرنے پھر رہے ہیں جو کڑ
تک مجھ سے یہ کہہ رہا تھا کہ مغلوں سے جنگ کے بجائے صلح کی بات کرنا چاہیے، وہ مغلوں
کے سردار سے ملاقات کی تدبیریں سوچ رہا تھا، چنانچہ، اگر اس نے ہم میں سے کسی کو
اپنے اعتماد میں لیے بغیر مغلوں کے سردار سے ملاقات کر لی ہے تو اب وہ ان کی قید
میں ہو گا۔"

قلعہ دار آحامی مغلوں سے بہت زیادہ ڈرا ہوا تھا۔ اس نے بڑے بڑے
نکال دیے اور جبریت سے پوچھا : "کیا سچ بھونک مغلوں کے سردار سے ملنا چاہتا تھا؟"
جمدھر نے جواب دیا : "میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

قلعہ دار نے کہا : "میں سچی بات سے اس لئے اتفاق کر دوں گا کہ اس وقت
میں نے مغل فوج میں بڑا حوصلہ دیکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے خیر خواہوں اور
منصوبوں میں ہمارے دروڑوں قلعوں کو سر کر لیا ہے ان کی فوج کا دو تہائی حصہ دریائے
برہمپتر کو عبور کر چکا ہے اور دوسرے کنارے کے ان جنگلات کا صفایا کر رہا ہے جن کو
میں ہمارے مفرد رد و پیش ہو سکتے تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مغلوں نے ہمارے
فرار کی ساری راہیں بند کر دی ہیں۔ اسی طرف مغلوں نے دریائے مناس پر بھی قبضہ
کر لیا ہے۔"

بھاگتی نے جمدھر کو پھر ڈانٹا : "جمدھر! میں نے ایک بار جمدھر دیا کہ اب میں
یہاں نہیں رہوں گی بھیم گڑھ واپس چل۔"

جمدھر نے جواب دیا : "بھاگتی! بچوں جیسی باتیں کرنا مغل بہت جلد
یہاں آجائیں گے۔ اگر ہم نے اس وقت فرار کی کوشش کی تو مغل فوج ہمیں ہلاک
کر دے گی۔"

بھونک کی گشت گردی اور مغلوں کی قید میں چلے جانے کی انواہ پورے قلعے میں
پھیل گئی، ایس انواہ نے آرمیوں کے حوصلے پست کر دیے۔

جہدھر نے اپنا مختصر سامان سمیٹا۔ بھاگیہ فی دالپسی کے لئے تلملانی تلملانی پھرتی تھی۔

”کچھ دیر بعد قلعہ دار چند رسا ہیروں کے ساتھ دوبارہ آیا اور جہدھر سے مشورہ کیا۔ جہدھر اب اس کی باتیں کرنا چاہتے تھے۔“

جہدھر نے جواب دیا: ”مغلوں کا مقابلہ کیونکہ ایک بہادر قوم ان حالات میں لڑ سکتی ہے۔“

قلعہ دار نے بالوسی سے کہا: ”اسیوں کہ مغلوں کے پاس گھوڑے ہیں اور ہمارے گھوڑوں سے بہت ڈرتے ہیں!“

جہدھر نے جواب دیا: ”لیکن اس ڈر کا ہمارے پاس کوئی علاج بھی تو نہیں ہے! اسی بھاگیہ مغلوں کے گھوڑوں سے ڈرتے ہیں تو پھر بغیر لڑے بھرے ہی دوڑنے کے حوالے کر دیں!“

بھاگیہ فی ان کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔ قلعہ دار نے درخواست کی: ”جہدھر تو مغلوں کے ساتھ آدھی عمر گزار آیا ہے، مزاح اور طریقہ جنگ سے اچھی طرح واقف ہو گا کیا تو اپنے والوں کا سپہ سالار بن کر رہے گا؟“

بھاگیہ فی ایک دم اکھڑ گئی، بولی: ”اب یہ میری مرضی کے خلاف کوئی کام بھی نہیں ہے۔ یہ تمہارا نوکر بھی نہیں ہے۔ تمہیں تنخواہ ملتی ہے، تمہیں لوگ مغلوں سے جنگ بھی کر رہے ہیں۔ جہدھر کو پنے ساتھ دالپس لیے جا رہی ہوں، میں اس سے شادی کر کے عیش کروں گا۔ شادی بعد میں جنگ!“

جہدھر نے قلعہ دار کو آنکھ مارا اور جواب دیا: ”اسیوں کہ میں سپہ سالار نہیں رہیں، تمہیں چند مفید مشورے البتہ دے سکتا ہوں!“

بھاگیہ فی نے بڑے وحشیانہ انداز میں جہدھر کو دھکا دیا: ”مہیں، مشورہ بھی اب گھر والیں چل، میں تمہیں نہیں جانتی!“

جہدھر گھر نے گھر نے منبجیل گیا، ذرا بگڑ کر بولا: ”بھاگیہ فی! اگر تو مجھ سے شادی اتنی ہے تو ذرا معقولیت اختیار کر اور اپنا جنگی پن دور کر۔ میری سمجھ میں یہ سہی بات نہیں آ رہی کہ مغل ہمیں یہاں سے نکلنے ہی کب دیں گے؟ انہیں نے نے کی جاری راہیں بند کر دی ہیں۔ اگر ہم نے انہیں دھوکہ دینا چاہا تو وہ

یا تو میری قتل کر دیں گے یا پھر گرفتار کر لیں گے ؟

قلعدار نے بڑے دھم سے کہا : ” یہ بڑی تیرہ کی خود غرض معلوم ہوتا ہے
جہدھر تو اس کو سمجھا دے ورنہ یہ راجا کے عذاب کی بھینٹ چڑھ جاتے گی ۔“
بھاگیرتی نے ہراساں نہ بنایا : ” میں بھینٹ آسانی سے نہیں چڑھوں گی ۔“
یاد رہے ۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ میں یہاں تک آ کیوں گئی اور جہدھر
شاہی سے پہلے آنے ہی کیوں دیا ؟

جہدھر نے بھاگیرتی کی خوشامد کی : ” بھاگیرتی ! تجھ کو اس کا واسطہ ہے نہ
بے زیادہ عجز پر کھتی ہے ، اپنی زبان بند رکھو ، مغلوں نے مراد سے راستے بند کر دیے
ہیں ، حد تو یہ ہے کہ دروں کے دھواڑوں پر بھی اپنی فوجیں بٹھا دی ہیں ، پھر تم اور
مجھ گڑھ کیونکر پہنچیں گے ؟“

بھاگیرتی کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی : بولی : ” اچھا چند دنوں کے لئے اور
رک جاؤں گی میں ۔ بس جلدی نکلنے کی کوشش کرو ۔“

قلعدار واپس گیا ، اس نے دیر ملتے ۔ برہمتر کے دو شاخہ ہر جانے دیا :
جیسی زمین پر تین چار ہزار فوج اتار دی اور اس کو حکم دیا کہ مغل جیسے ہی اندر سے
نزدیک کسی ساحل پر نمودار ہوں ، ان پر تیرہ گریزوں اور تیرہوں کے گروہوں کا پیچہ
کر دی جائے ۔ اس کے علاوہ ان کی کئی سو کشتیاں اندر نہاڑے دے پائے ، اس کی وہ
بڑھے تاک دھبہ کی سطح پر سے ساحلی جنگجو راکٹا صفایا کرنے والے مغلوں کو تباہ کر دے
کر دیا جائے ۔ جہدھر کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ آفرغان ہزاروں دستے ہیں اور
آگے ہونگا اس لئے چالو کی جنگ آفرغان کے دستے ہونگی کیونکہ مغل فوجیں تیرہ گروہ
طرح اپنے قابو میں لینے کے لئے بھیجیں ، نظر آئے ہی تھیں ۔

جہدھر بھاگیرتی کو ساندھنے کے لئے اس چال پر ہر پہنچ گیا ، آسامیوں نے ٹانگوں پر
دالے مغلوں پر حملہ کر دیا ، مغلوں نے جہدھر کا ہاتھ کاٹ دیا ، مشورہ کر دی ، آسامیوں
دیریری اور تیرہ سے تیرہوں کی بارش کر رہے تھے ان تیرہوں کے بھول نہ رہیں ، کچھ ہون
تھے اور جیسے کسی کے بھی لگنے لگے تھے ، جیسے کو متورم کر دیئے تھے ۔ ان کا ہر ہون
میں پھیل جاتا تھا اور نہ کسی چند گھنٹوں میں سر جاتا تھا ۔

جہدھر نے سورج کی روشنی میں دودھ ہی سے آفرغان کو پہچان لیا ، وہ کشتہ
پر ہوا ہر طرف بھاگا بھاگا پھر رہا تھا ، اس نے اپنے گھر و سواروں کو پہنچ کر حکم دیا

اور: آسامیوں کے نیروں کی پرواہ کئے بغیر اپنے گھوڑوں سے انہیں کچل کر رکھ دیا۔ یہ بندوق ہمارے گھوڑوں سے ڈرتے ہیں۔“

آسامیوں نے بڑی بہادری دکھائی اور کچھ دیر کے لیے یوں صدمہ برداشت کیا کہ وہ انہیں سے ڈرا بھی نہیں ڈرتے، مغلوں کے گھوڑے آسامیوں کی طرف سر پٹ دھڑے آسامیوں نے کسی خوف یا جھجک کا اظہار کیے بغیر ان پر نیروں کی بوچھاڑ کر دی ان پر خاں سب سے آگے نکلا۔ جہدھر بھاگتی کو ساتھ لے کر ایک چھوٹی سی چٹان کے چلا گیا اور وہاں سے جھانک جھانک کر دھاتی کا نظارہ کرنے لگا۔ بھاگتی مغلوں کے گھوڑوں سے سبھی ہوتی تھی۔ اس نے پوچھا: ”جہدھر کیا مغل آکر چاہیں تو اپنے نیروں سے ہماری فوج کو کچل سکتے ہیں؟“

جہدھر نے جواب دیا: ”ہاں بھاگتی وہ ہمیں کچل بھی سکتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی قتل بھی کر سکتے ہیں۔“

بھاگتی نے حیرت سے سوال دوسرا کیا: ”یہ مغل میدان جنگ میں اپنے گھوڑوں کے گتے کیوں نہیں؟“

جہدھر نے جواب دیا: ”بھاگتی یہ بڑے باکمال اور بہادر ہوتے ہیں اور انہیں ہر ہوشیاری کی عادت ڈال دی جاتی ہے۔“

اس وقت دریائی جنگ کا آغاز ہو گیا اور دونوں طرف سے تیرہیں سر ہونے لگی، بالوں کی پالش ہونے لگی، دھاتی سطح ان کے دھڑکتے ہوئے چھپکتے آوازیں بھی بنے نراؤں اور کشتیوں سے مغلوں پر بالوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور مغلوں نے بھی دھاتی کا دھاتی ہیں یہی آتشیں آلات استعمال کیے تھے۔

دریائی جنگ نے بھاگتی کو اور زیادہ سہا دیا وہ جہدھر کی آغوش میں سکنے لگی، بولی: ”جہدھر اب کیا ہو گا؟ کیا ہم دونوں شادی کے لئے زندہ رہ سکتے ہیں؟“

جہدھر نے ہنس کر جواب دیا: ”جیسا کہ تو خود بھی جانتی ہے کہ زندگی اور موت ملائی کے ہاتھ ہے، لیکن میں یہاں سے نکلنے کی کوشش ضرور کروں گا تاکہ تجھ سے ملائی کر سکیں۔“

بھاگتی خوش ہو گئی اس نے میں ایک گھڑ سوار، گھوڑے کو سر پٹ دھڑاتا ہوا ان دونوں کی طرف آگیا اور انہیں سرسری نظر سے دیکھتے ہی ان پر حملہ کر دینا چاہا

لیکن جمدھر نے آفرخان کو جہی ان لیا، بے اختیار بولا: "سردار آفرخان! یہ میں ہوں
 غوث الاسلام، کیا بات ہے، جنگ کا پلڑا کس کی طرف جھک رہا ہے؟"

آفرخان نے پہلے تو غوث الاسلام کو دیکھا، اس کے بعد بھاگرتی کی طرف نظر
 ڈالی، پوچھا: "غوث! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

غوث نے جواب دیا: "سردار آفرخان! اس سوال کا جواب بعد میں دیا جا
 سکتا ہے، یہ میرے اماں کی بیٹی بھاگرتی ہے۔"

آفرخان نے جلدی سے کہا: "غوث الاسلام! نیبری اطلاعات کا شکریہ۔ میرا
 ہرادل دستہ آسامیوں میں گھر گیا ہے۔ اس لئے میں کسی پناہ گاہ یا سہارے کی تلاش میں
 ہوں، یہ چٹان بڑی اچھی پناہ گاہ ثابت ہو سکتی ہے اس لئے میں اپنے دستے کو یہیں لے
 آتا ہوں۔ تم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

آفرخان جس نیبری سے آیا تھا، اسی نیبری سے واپس چلا گیا۔ ان دونوں کی بات
 چیت فالتسی میں ہوتی تھی، اس لئے بھاگرتی کچھ بھی نہ سمجھ سکی، وہ حیرت سے سمجھی
 جمدھر کا نہ تھکے لگتی، ابھی آفرخان کو دیکھ لگتی۔ جب آفرخان چلا گیا تو اس نے جمدھر
 سے پوچھا: "یہ کون تھا! جمدھر اور تجھ سے کیا کہہ رہا تھا؟"

جمدھر نے جواب دیا: "بھاگرتی! افسوس کہ میں جس بات سے ڈر رہا تھا، وہ ہو
 کر رہی، یہ غلوں کے اس دستے کا سردار تھا جو ہمیشہ سب سے آگے چلتا ہے اس سردار
 کا نام آفرخان ہے اور مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔"

بھاگرتی بہت بے چین تھی، پوچھا: "پھر یہ کہتا کیا تھا؟"
 جمدھر نے جواب دیا: "اس نے مجھ کو یہ پتے ہی حکم دیا کہ میں یہاں سے
 بھاگنے کی کوشش نہ کروں ورنہ قتل کر دیا جاؤں گا۔ وہ سردار اپنی فوج کو بلانے چلا
 گیا ہے۔"

بھاگرتی اور زیادہ سہم گئی، پوچھا: "پھر اب کیا ہو گا؟"
 جمدھر نے جواب دیا: "اب کیا ہو گا! ہم دونوں الگ الگ قیدی بن چکے ہیں اور یہ
 نہیں کہ اب کیا ہو گا؟"

بھاگرتی کی دھشت عود کھڑی، بولی: "جمدھر! تیرے بڑی غلطی کی۔ وہ یہاں
 اکیلا آیا تھا اور ہم دونے، اگر تو ہمت کر جانا اور اس پر حملہ کر دیتا تو میں بھی تیرا ساتھ
 دیتی اور مغل سردار بڑی آسانی سے قتل کر دیا جاتا۔"

جمدھر ہنس دیا۔ ”بھاگرتی! تو اس مردانہ کو کدو کی معمولی آدمی سمجھ رہی ہے؟“
 م آغرخان ہے اور یہ تنہا سڑپچاس پر بھاگ رہی ہے۔“

بھاگرتی نے منہ بنا کر کہا: ”اگر کدو سڑپچاس پر بھاگ رہی، لیکن میں اس کی فید
 بھانا پسند نہیں کروں گی۔“

جمدھر نے اس کو سمجھایا: ”بھاگرتی! ہر جگہ غصے اور جوش سے کام نہیں چلتا
 پریشان نہ ہو! میں کوشش کروں گا کہ یہ لوگ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں، آگے
 اپنی بہتر حالت ہے!“

تھوڑی دیر بعد آغرخان اپنے دوست کے ساتھ پہاڑی چٹان کے پیچھے آں
 ہکا۔ وہ آتے ہی اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور سائنٹ جوڈو گھاس پر لیٹ گیا، پھر
 دھڑک کر آواز دی: ”غوث الاسلام! ادھر میرے پاس آ اور میرے سیدھے پاؤں سے
 نکال۔“

غوث الاسلام دوڑ کر آغرخان کے پاس پہنچ گیا اور بیکھینچ کر نکال لیا، خون
 فوارہ چھوڑتا تو اس سے غوث کے کپڑے بھی رنگین ہو گئے۔

غوث الاسلام نے آغرخان سے کہا: ”سردار! یہ تیرا سر ہلا تھا، آپ کا دشمنی
 میں سب سے پہلے، اس کا فورا علاج ہوتا چاہیے ورنہ زندگی خطرے میں پڑ
 سکتی گی۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”اس کا علاج اس کا کیا علاج کیا جاتے؟ اور ظاہر ہے
 جب تک ہمیں فتح حاصل نہ ہو جاتے، میں اس کا علاج نہیں کر سکتا۔“
 بھاگرتی نے پوچھا: ”جمدھر! مغل سردار کیا کہہ رہا ہے؟“

اس نے جواب دیا: ”بھاگرتی! میں نے سردار کے پاؤں سے تیرا خون کا لہجہ یہ
 اس کا شکریہ ادا کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس احسان کے صلے میں تم دونوں کی جان
 بخشی کا وعدہ کرتا ہوں۔“

بھاگرتی کی جان میں جان آئی، بولی: ”اگر مغل سردار ہم دونوں پر مہربان ہے
 تو میں اس کے دشمنی پاؤں کا علاج کر سکتی ہوں۔“

جمدھر نے مضطربانہ جواب دیا: ”اگر اسی کا علاج ممکن ہے تو فورا بڑا اور جلد از
 جلد علاج کر دے، کیونکہ یہ شریف مغل سردار اس احسان کے عوض ہمیں گھر چلے جانے کی
 اجازت بھی دے سکتا ہے!“

بھاگ کر فی نے اپنا سامان ٹھوکرنا شروع کر دیا۔

آغرخان نے پوچھا: یہ دہی لڑکی ہے نا، جس کا تو نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا؟

عنوت الاسلام نے جواب دیا: "ہاں سرور! یہ رہی لڑکی ہے۔ کہتی ہے کہ میں سرور کے زخم کا علاج جانتی ہوں اور اس کو اچھا کر دوں گی اور اس علاج کے بموجب میں یہ سب کچھ کرے گا کہ شادی کرنا چاہتی ہے۔"

آغرخان سکڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس وقت وہ بھی مسکرا دیا۔ عنوت الاسلام سے نظر میں ملاتے بغیر پوچھا: "کیا تو خود بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟"

عنوت الاسلام کے جواب دیا: "سرور! آپ کو معلوم ہے کہ میری بہن جہانگیر میں سوچو وہ بے ادب اس سے ایک بچی بھی ہے۔ پھر میں اس سے کس طرح شادی کر سکتا ہوں؟"

آغرخان نے کہا: "کیوں؟ کیا اسلام دوسری شادی کی اجازت نہیں دیتا؟"

عنوت الاسلام نے جواب دیا: "اسلام دوسری شادی کی اجازت تو دیتا ہے لیکن کسی مشرک سے شادی کی اجازت نہیں دیتا۔"

آغرخان نے کہا: "مشرک یہ اسلام کر لینا؟"

عنوت نے مایوسی سے کہا: "مغل سرور!"

آغرخان نے فوراً بات کاٹ دی: "عنوت الاسلام! میں مغلوں کی فوج کا سرور ہوں لیکن میں خود مغل نہیں ہوں، میں پٹھان ہوں، میرا نام میر محمد ہے اور آغرخان میرا جہاں اعلیٰ کا نام تھا، میرا جہاں اعلیٰ آغرخان ثانی حضرت نوحؑ کے بیٹے یا فتی کا نسل سے تھا، اس لیے مجھ کو مغل سرور کہہ کر میری امانت نہ کر۔"

عنوت الاسلام نے معذرت کی: "آمین! میں آپ کو مغل سرور نہیں کہوں گا۔"

آغرخان نے کہا: "ہاں تو، تو اس لڑکی کے بارے میں کچھ کہہ دیا تھا؟"

عنوت الاسلام نے جواب دیا: "میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہ نہ کشت اور خدی لڑکی مسلمان ہونا پسند نہیں کرے گی اور اگر کسی طرح اس کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور ایک بیوی اور بچی بھی رکھتا ہوں تو یہ جنون اور دیوانگی میں مجھے قتل بھی کر سکتی ہے۔ میں تو اس کی وحشت اور عاجلانہ اقدام سے ڈرنے لگا ہوں۔"

لےنے میں بھاگتی مہم کی طرح کوئی تدوین کر آگئی اور جہدھر سے کہاں بھڑا
 اس سردار سے کہہ کہ یہ اس دنیا کو نہ ختم پورا چھی طرح لے یہاں تک کہ اس کا اثر نہ ختم
 و اندر میرا بت کر جاتے، دوزخ میں یہ نہ ختم بالکل بھر جائے گا۔“

عوث الاسلام نے اس دوا کی مالش شروع کر دی، اب جنگ میں بہت
 پارہ شدت پیدا ہو چکی تھی اور آسامی آغز خان اور اس کے دستے کو تلاش کرتے
 دے یہاں تک آگئے اور ان پر تیروں کی پیریش کر دی۔ آغز خان نے نہایت جوش
 با اعلان کیا: ”مہادیر ما تعیبو! تم سب اپنے اپنے گھوڑوں کو ان آسامیوں پر چھوڑ
 دے یہ اسی دقت بھاگ کھڑے ہوں گے۔“

بھاگتی نے پوچھا: ”جہدھر اب ہم دوزخوں کب تک واپس جائیں گے؟“
 جہدھر نے جواب دیا: ”بھاگتی! اندر صبر سے کام لے، دوزخ سارے بنا دیا کھیل
 نہ جاتے گا۔“

اب آغز خان دوزخ کا وہ رزم گاہ میں اتر چکا تھا اور اس کی مہادیری سے اپنے
 ہاتھ بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ چتہ گھنٹوں کے اندر ہی آسامیوں نے یہ محسوس
 لیا کہ مغل فضا کے مہم کی طرح ان کی قوم کے خلاف صف آراء ہیں، انہوں نے
 ٹنگ کر جاری رکھنے کے لئے کئی ترکیبیں کیں، لیکن ہر ترکیب ادھ گئی اور انہوں نے
 اپنی اپنی جان بچائے ہی میں عافیت محسوس کی آسامی فوج بڑی تعداد میں ہتھیار
 ال رہی تھی، یا قتل ہو رہی تھی۔

✽

✽

✽

خشکی اور دہائی سماؤں پر جنگ ہند کرنے میں کئی گھنٹے لگ گئے اس جنگ
 میں دوزخوں طرف کے آدمیوں کی خاصی بڑی تعداد قتل یا زخمی کر دی گئی۔ بہت سے
 آسامی گرنے لگے بھی ہوتے ماس جنگ میں ایک سو اڑتالیس کشتیاں، چھوٹی بڑی چوڑی
 نوہیں اور بے شمار ہندو قیدی مع باوجود اور دیگر سامان مغلوں کے ہاتھ آیا۔ دوزخوں
 قلعوں پر مغلوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

میر جملہ خاں سنا ناں عوٹ کا شکر گزار تھا کہ اگر اس کی نہ ممانی متامل حال نہ ہوتی
 تو یہ معرکہ اتنی آسانی سے سر نہ ہو سکتا۔

بھاگتی جیران تھی کہ دوزخوں قلعوں پر مغلوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور آسامیوں

کو قید کیا جا چکا تھا، لیکن وہ خود اودھ جہدھر آئے اور اپنے انہیں گرفتار نہیں کیا گیا تھا
بھاگرتی کو ایک غیمے میں چھوڑ کر غوث آغرخان کے پاس چلا گیا تھا اور اگلی ہم کے
بارے میں باتیں کرنے لگا۔ یہاں میر جملہ بھی موجود تھا۔ میر جملہ نے پوچھا: "اب ہمیں
اپنا سفر کس طرف جاری رکھنا ہے اور ہم کڑھ پہنچتے پہنچتے ہیں کتنے قلعوں کو
کمرنا ہو گا؟"

غوث نے جواب دیا: "آگے دو قلعے اور ملیں گے اور دونوں قلعے کو ہائی کے
قریب واقع ہیں، میں آپ لوگوں کو وہاں تک لے جاؤں گا اور اللہ نے چاہا تو اگلے دونوں
قلعے بھی اسی طرح آسانی سے فتح ہو جائیں گے۔"

بھاگرتی نے کچھ دیر تو جہدھر کا انتظار کیا لیکن جب وہ واپس نہ آیا تو وہ اپنے
غیمے سے باہر نکلی، اس کا لباس اور وضع قطع دیکھنے والوں کی دلچسپی کا باعث بنی ہوئی تھی مغل
سپاہی اس کے لباس بھرے کی ملاحظہ اور کانوں کے بڑے بڑے بالوں کو ہنسی دلچسپی سے
دیکھ رہے تھے۔ دو تین سپاہیوں نے کچھ دور تک بھاگرتی کا پیچھا کیا لیکن جب بھاگرتی نے
آنکھیں نہ کھائی تو وہ باز آئے۔ بھاگرتی کے سلسلے میں مغلوں میں ایک افواہ گشت کرنے لگی
"اگر کسی جامہ دگر ہے اور کسی بھی دن مغل سرداروں کو جادو سے بے ہوش کر کے قتل کر دے
جالتے گی۔"

بھاگرتی جہدھر کو تلاش کرتی ہوئی آغرخان کے غیمے تک پہنچ گئی اس نے غیمے
میں جھانک کر دیکھا، وہاں میر جملہ، آغرخان، دلیر خان اور انسر توپ خانہ میر مرتضیٰ مرچوڑے
کسی قسم کے مشوروں میں مشغول تھے، بھاگرتی نے ان سمجھوں گے وہ میان جہدھر کو دیکھا
جوان سب سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔

آغرخان شکایت کر رہا تھا: "جناب دلا! میں خاناناں سے یہ شکایت کروں گا کہ
میری مہادری اور جاں نثاری سب کے سامنے ہے۔ مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے سزا
نہیں جارہا۔ میں اپنے انصاف کے مقابلے میں کوئی معمولی آدمی معلوم ہوتا ہوں، یہ میری
بدقسمتی کہ میں ہمیشہ جنگ کی ابتدا میں ہر اول دستے کا سردار بننا سہا اور چند ادا پر مردوں
کو روک کر دیا جاتا ہے۔"

میر جملہ نے جواب دیا: "آغرخان اپنے دل سے غلط فہمی نکال دے، تو ہم سب کی
نظر میں ایک بے مثل مہادر سردار ہے اور ہم سب تجھ کو شاباش دیں یا نہ دیں لیکن دونوں
تیرے لیے تحسینی جذبات ضرور ہوں گے۔"

آغرخان نے غوث الاسلام کی طرف اشارہ کیا: "اور یہی سلوک اس نو مسلم کھانا کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ یہ شخص کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔" بھیج کر دھتکے تک پہنچائے گا۔ لیکن ہم نے اس کے ساتھ وہ مدد دینا اختیار کر رکھا ہے گویا اس نے جو کچھ کیا وہ تو کرنا ہی چاہیے۔"

میر جملہ نے نریش جواب دیا: "آغرخان تیری مدد میں طفلانہ کوشش کی ہے میں نے غوث الاسلام کا شکریہ ادا کیا ہے۔"

اتنے میں بھگیرتی بھی اندر داخل ہو گئی۔ وہ سوالیہ نظروں سے شخص کو دیکھ رہی تھی۔ غوث الاسلام نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور بھاگتی کمرہ دروازے سے پکڑ لیا۔ "یہ تو کہاں آگئی بھاگتی؟ تو قیدی ہے اور مغل تجھے آزاد دیکھ کر قتل بھی کر سکتے ہیں!" بھاگتی نے پورے ماحول کا سرسری نظروں سے جائزہ لیا۔ بولتی: "مجھے یہاں نہ تو قیدی نظر آتا ہے اور نہ میں قیدی ہوں۔ میں سب کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

آغرخان نے پوچھا: "یہ لڑکی کیا پوچھ رہی ہے؟" غوث نے اپنی اور بھاگتی کی گفتگو دہرا دی۔ "میر جملہ نے کہا۔" غوث الاسلام لڑکی کو بہلا دے میں رکھا جائے ورنہ نقصان کا احتمال رہے گا۔" بھاگتی نے سختی سے پوچھا: "جہد صراہہ معاہدہ کیا ہے؟" پھر صبح بتا دے دینے میں میری جان لے لوں گی۔"

غوث نے جواب دیا: "بھاگتی! بات دراصل یہ ہے کہ نے مغل سردار کے رخصی پارے کا اعلان کر کے امن کا دل بیت لیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنی محسن لڑکی کو قید میں نہیں رکھ سکتا۔"

بھاگتی خوشی سے آغرخان کو دیکھنے لگی، پھر غوث سے پوچھا: "اور جہد صراہہ کچھ کو آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے؟"

غوث نے جواب دیا: "بھاگتی! بد قسمتی سے میں مغلوں کا جھگڑا سنا ہی ہوں اور دوبارہ ان کے ہاتھ لگ گیا ہوں۔ اب یہ لوگ مجھ کو یہ لاپرواہ دے رہے ہیں کہ اگر میں ان کو بھیج کر دھتکے تک پہنچا دوں تو یہ لوگ مجھ کو آزاد کر دیں گے اور میں بھیج کر دھتکے پہنچ کر تجھ سے شادی کر سکوں گا۔"

بھاگتی نے پوچھا: "پھر تو نے کیا جواب دیا؟"

عنوت نے جواب دیا: "میں نے کہہ دیا کہ ان کی پیش کش کا سرچ سمجھ کر جواب
 دوں گا۔"

بھاگیرتی نے منورہ دیا: "میرا خیال ہے کہ سجدہ خوان کی پیش کش سے فائدہ
 اٹھانا چاہیے۔"

عنوت نے جواب دیا: "مناہر! میں خود بھی اس اختیار پر غور کر رہی ہوں۔"

آغرخان نے عنوت سے پوچھا: "اگر آپ یہ شرط کی کیا کہہ رہی ہیں؟"

عنوت نے ساری باتیں بتا دیں۔ آغرخان نے کہا: "عنوت! میں تیری زبان نہیں
 جانتا لیکن اس لڑکی کے چہرے پر اس قدر وقت جو تاثرات پائے جا رہے ہیں وہ غیر معمولی
 ہیں اور تجھ کو اس بات پر غور کرنا چاہیے تاکہ تو نے لڑکی کو برا نہ دیا۔ اگر تو مغلوں کی
 رہنمائی کرے گا اور انہیں سچیم گڑھ تک پہنچانے کا تو یہ لڑکی تیری دس ہونے لگی گی۔"

بھاگیرتی نے آغرخان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "جہدھر مغلوں کا یہ سردار
 بہادر لگتا ہے۔ سجدہ کو یہ چھٹا لگتا ہے۔"

عنوت نے مسکرتہ آغرخان سے کہا: "سردار! ایک خوشی خبری! اس لڑکی نے آپ
 کو پہنچ کر بلایا ہے۔ کہتی ہے کہ سردار مجھ کو اچھا ادا بہادر لگتا ہے۔"

میر جملہ نے سیراز سے کہا: "جلس برخواست، ہمیں فضول باتوں میں وقت
 بہرہ دہ نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ یہ کہہ کر عجم سے نکل گیا۔ آغرخان نے عنوت سے کہا: "میر جملہ زاہر خشک ہے
 اس کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن میں اس لڑکی سے کچھ باتیں کر دوں گا۔ اس کو
 میرے عجم میں لے چل۔"

کچھ دیر بعد آغرخان عنوت اور بھاگیرتی کے ساتھ اپنے عجم میں چلا گیا۔
 اس عجم میں آلات حرب و ضرب بڑے قریب سے سجے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں
 کپڑے کی دیوار کے سہارے سپر رکھی ہوئی تھی۔

آغرخان بھاگیرتی کو بروہی آزاد اور سر ہیاہ نظر دے دیکھ رہا تھا۔ بھاگیرتی بھی
 اس کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔

آغرخان نے کہا: "عنوت! بخدا اگر میری جگہ میں ہوتا تو اس سے شادی ضرور
 کر لیتا۔"

عنوت شرا گیا اور عنوت کو بھی چوٹ لگی۔ بولا: ”سردار! یہ میرے ماما کھن پال
جی کی بیٹی بھاگتی ہے۔ ہم سب کی عزت و آبرو۔“

آغز خان نے کہا: ”میں تیری عزت و آبرو پر کوئی حملہ تو نہیں کر رہا۔“
بھاگتی نے پوچھا: ”جدھر یہ مغل سردار کیا کہہ رہا ہے؟“
عنوت نے جواب دیا: ”یہ کہہ رہا ہے کہ بھاگتی کی خاطر مدد کرتے ہیں کوئی بھی نہیں
ہمنا چاہتے۔“

بھاگتی، ماسے خوشی کے پاگل ہونے جا رہی تھی: ”جدھر! اس نوجوان سے کہہ
دے کہ میں بھی اس کو بھی نہ بھلاؤں گی۔“
آغز خان نے عنوت سے کہا: ”عنوت! میری بات مان لے اور وہی کر جس کا یہ
لڑکی حکم دے۔“

عنوت نے جواب دیا: ”سردار! بھاگتی تو شادی کی بات کر رہی ہے لیکن میں اس
کندہ کا نشانہ سے کس طرح شادی کر سکتا ہوں۔“
آغز خان نے عنوت کو حکم دیا: ”عنوت! مجھے بھوک لگ رہی ہے تو باہر جا اور
میرے ذاتی خدمت گار سے کہہ کہ وہ تین آدمیوں کا کھانا لے آئے، پھر ہم تینوں ایک
ساتھ کھائیں گے۔“

عنوت باہر چلا گیا، اس کے پیچھے بھاگتی بھی چلی لیکن آغز خان نے ہاتھ کے
اشارے سے اس کو روک دیا۔ آغز خان مسکرا رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بھاگتی
کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بھاگتی بھی اس کو جڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔
آغز خان نے بھاگتی کے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے
لباس کو دو دو یا تھیں۔ یہ بیکر دیا اور اشارے سے مطلب ادا کیا کہ یہ اپنا لباس اتار
کر ہمارے لباس پہن۔

بھاگتی نے ہلکی سی جھپٹائی لیکن آغز خان کا اشارہ سمجھنے کی کوشش کی اور
پھر دونوں ہاتھ لہک کر نگوں میں حرکت دی اور ان کا کر دیا کہ میں اپنا لباس نہیں چھوڑ
سکتی۔ یہی ٹھیک ہے۔

آغز خان نے اشاروں میں پوچھا: ”تو ہمارے ساتھ رہے گی؟“

بھاگتی نے نفی میں گونہ ہلائی: ”نہیں۔“
دونوں کو سوال و جواب میں بڑی رحمت پیش آ رہی تھی، اچانک بھاگتی نے

سلنے والے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں اور سر کو نفی میں حرکت
دی اور فوراً ہی پیچھے کی طرف دھکا دینے کے انداز میں دونوں ہاتھ ہلاتے۔ آغرفان
اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا گیا۔ بھاگیرتی نے جب یہ سمجھ
لیا کہ مغل سردار اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا ہے تو وہ اشاروں کنایوں میں ہندوئی چلانے
لگی اور ہتھیاروں سے جنگ کرنے کی نقل کی، اس کے بعد نہ تھی ہونے اور مرنے والوں کی
نقلیں کمرے کے رونے لگی۔

اتنے میں غوث بھی واپس آ گیا اس نے بھاگیرتی کو اشارے کرتے دیکھا تو ہنسی
آگئی۔ آغرفان نے کہا: "غوث! بھاگیرتی سے پرچہ تو سہی کہ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ میری سمجھ میں
تو کچھ نہیں آ رہا!"

غوث نے پوچھا: "بھاگیرتی: تو مغل سردار سے کیا کہہ رہی تھی؟"
بھاگیرتی نے سامنے کے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا: "جہدھر!
میں اس سے کہہ رہی تھی کہ تو ان پہاڑوں کے اس پلہ مت جا، بلکہ جس طرف سے آ رہا ہے اس
طرف واپس چلا جا، ہندوؤں اور ہتھیاروں سے لڑگوں تو نہ تھی کمرے یا ہانے سے کچھ
کیا مل جائے گا۔ بلکہ دونوں طرف رونے والوں کی بہت بڑی تعداد چھوڑ جاتے گا۔"
جب غوث نے بھاگیرتی کا جواب آغرفان کے گوش گزار کیا تو وہ متاثر ہوا اور
غوث سے کہا: "اس لڑکی سے کہہ دے کہ ہم جتنی اور سر فروشی ہمارا آباؤ کا کام ہے میں
اس سے کس طرح دستبردار ہو سکتا ہوں؟"
کچھ دیر بعد کھانا آ گیا۔ آغرفان نے غوث سے کہا: "لڑکی سے کہہ کہ ہاتھ دھو
کر کھانے میں شریک ہو جائے۔"

غوث کے کہنے پر بھاگیرتی نے ہاتھ دھوئے اور کھانے میں شریک ہو گئی۔ لیکن
ابھی اس نے پہلا لقمہ ہی منہ میں نہ کھا تھا کہ غوث دیا اور امتلائی کیفیت میں منہ بڑاتی
اور تھو تھو کرتی ہنسی پیچھے سے نکل گئی۔

آغرفان نے غوث سے کہا: "تو دیکھتا تو اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے؟"
غوث بھاگیرتی کے پیچھے پیچھے سے باہر نکل گیا۔

آغرفان کو کھانے میں شبہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ڈالہ کھایا اور اس کو دیر تک
چھانا رہا اور اس کے مزے میں اپنے شبہ کے پتے اور بھینٹ کا پتہ چلانے کی کوشش کرتا رہا
لیکن مزے میں کوئی خاص بات محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

غوث بھاگرتی کو لے کر سدودارہ غیمے میں آیا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ آغرفان نے پوچھا۔
 ہڈی کو ہر کیا گیا تھا؟

غوث نے جواب دیا: ”سردار! یہ لوگ یعنی آسامی اور سلطانی گھٹی یا نکل نہیں کھاتے
 لوگ گھٹی سے بھر بہر ہی نہیں کھاتے بلکہ نفرت کرتے ہیں۔ گھٹی کی حد تک نفرت کھاتے ہیں
 ان کے کھانے میں گھٹی شامل ہو جاتی تو انہیں متلی ہونے لگتی ہے۔“
 آغرفان نے معذرت کی اور بھاگرتی کے لئے بغیر گھٹی کا کھانا منگوایا۔

اس دن آغرفان نے غوث کے ذریعے بھاگرتی سے مہرت باتیں کیں اور آخر
 ماغوث سے کہا: ”اگر میرا بس چلے تو میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ دہلی لے جاؤں۔ لیکن انہی
 وہ تیرے ماموں کی بیٹی ہے۔“

غوث کو آغرفان کی بات اچھی نہ لگی۔ بولا: ”سردار! یہ مہاڑی پھول ہے،
 مانی ہند کے میدانوں کی آب و ہوا میں یہ سر جھا جائے گا۔ یہ وہاں اپنی مرضی سے نہیں
 ہلے گا۔“

آغرفان نے جواب دیا: ”غوث! تم خواہ مخواہ اس لڑکی کی دکالت نہ کر۔ کیونکہ
 ہ لڑکی تجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر تو اس سے شادی کرے گا تو پس بٹا کیا تو
 اس کو آرام سے دور نہیں لے جائے گا۔“

غوث لا جواب ہو کر چپ ہو رہا۔ بھاگرتی کی سمجھ میں جب ان دونوں کی باتیں نہ
 آئیں تو مہرت زیادہ مضطرب اور بے چین ہو رہی اور غصے میں ہاتھ پاؤں چلنے لگتی۔

★

★

★

میر جملہ اور آغرفان غوث الاسلام کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگے۔ جنگلات کی
 صفائی کرنے والا دستہ فوج کے آگے درختوں کو کاٹا اور دلدلیوں اور ندی نالوں پر پڑے
 پڑے تنوں کو سمجھاتا جا رہا تھا۔ اور ان کے پیچھے بغل فوج چل رہی تھی۔ جنگلی درندے
 انسانوں کے ہجوم کو دیکھ کر اڑھ اڑھ کر خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے تھے۔ میر رضی ٹوپھا
 کا امیر بغل فوج کے ساتھ ساتھ کشنپور اور نڈاؤں کا بیڑہ لے کر دیا میں سفر کر رہا تھا۔
 اس بیڑے میں فوجی بھی تھے اور جنگی ساز و سامان بھی۔ مغلوں کا اکل سفر گوبالی تھا جو
 جو گئی گھیا لے اسٹی میل رو رہا تھا۔ آغرفان خشکی پر دیا کے کنارے ہر اولی دستہ تھے
 نہایت احتیاط سے سفر کر رہا تھا۔

ابھی انہوں نے نصف راستہ طے کیا تھا اور نوح آرام کی خاطر خیمہ اندرون ہو گئی تھی۔ میرجلہ اگلی جہات کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ کیونکہ مغل افواج جہاں گئے تھے وہاں بہت دُور آچکی تھیں اور ان کو ہستانی سلسلوں میں ہر کوئی غیر تھا۔ ان کی زبان میں سمجھنا مشکل تھا۔ ہر چیز غیر تھی۔ اور ان پر کسی قسم کا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ آغرفان کے ساتھ میں غوث الاسلام اور بھاگپتی تھے۔ آغرفان ہر وقت ہوشیار رہتا۔ وہ شب خون مارنے والوں سے بہت زیادہ ہوشیار رہتا۔ اندر کی راتوں کو مشعلوں اور دھناتیوں سے علاقہ دن کی طرح روشن کر دیا جاتا تھا۔ کلمات کو یاد رکھ کر دہرایا جاتا لیکن آغرفان نے اپنے آدمیوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ سب دشمنوں کے مقب خون سے ہوشیار رہیں۔ لیکن خود آغرفان اپنے آدمیوں سے کہیں زیادہ ہوشیار اور چوکنا رہتا۔ وہ نصف شب کے بعد زیادہ مستعد ہو جاتا۔ جنگل کے کنارے آگ جلا دی گئی تھی تاکہ دُور سے خیموں کی طرف آنے کا ہمت نہ کریں۔

رات کے کچھلے بھر آغرفان نے مغربی حصے میں کچھ آٹھیں محسوس کیں۔ دشمنوں کو ادھر ادھر بٹلنے سے بچاؤ میں آدھے سر اٹھیں مگر سناٹا ہی رہا۔ وہ سناٹا دسے رہی تھیں۔ لیکن یہ آواز ہی نہیں دوسرے آدھے تھیں۔ آغرفان جھوٹا ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ہوشیار کیا اور انہیں شب خون کے خطرے کا احساس دلایا۔ آغرفان نے حیران کو خالی کر دیا اور اپنے آدمیوں کو دو حصوں میں بانٹ کر شمالی اور جنوبی کے جنگلوں میں چھپا دیا۔ اور آغرفان خود بچاؤ میں آدھے سر اٹھ کر ساتھ دہرایا کہ کنارے کنارے خیموں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ آگ کی روشنی میں آٹھیں والے جنگل کا حصہ صاف طے ہو گیا۔ غوث، بھاگپتی اور آغرفان کے ساتھ تھے۔ بھاگپتی نے غوث سے پوچھا: ”جہدھر! جہدھر! ایک بات۔ برابر محسوس کر رہی ہوں۔ ہم دو لڑے مغلوں کے قبضہ میں ہیں لیکن میں اب یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تو ان کو شکوے بھی دے رہا ہے اور ان کی علی مدد بھی کر رہا ہے آخر یہ کیوں؟“

غوث نے جواب دیا: ”بھاگپتی! یہ دقت رقت کی بات ہے۔ میں مغلوں کی دقت اور تیر پر مجبور ہوں۔ ہم دونوں کو بھیج کر شادی کرنا ہے۔ اگر میں مغلوں کا ہاں میں ہاں ملاؤں اور عورتاں نہ کر دوں تو یہ لوگ سمجھ کر تو قتل کر دیں گے اور مجھ کو اپنی کینہ بنا کر دھڑلے جائیں گے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس پر مجبور ہوں۔“

بھاگرتی نے کہا: ”ہم دونوں چاہیں تو چوری سے فرار ہو سکتے ہیں۔“
 غوث نے جواب دیا: ”بیشک ہم دونوں بھاگ سکتے ہیں لیکن ابھی وہ وقت
 نہیں آیا۔ ابھی بھاگیں گے تو پھنسے جائیں گے۔“
 بھاگرتی نے بوجھا: ”یہ اس وقت مغل ادھر ادھر بھاگے کیوں پھر رہے
 ہیں؟“

غوث نے جواب دیا: ”انہیں شبہ ہے کہ آسامی سوتے میں حملہ آور ہوئے دلو
 ہیں اس لئے مغل ان کو دھوکے سے مارنا چاہتے ہیں۔“
 بھاگرتی نے بڑا سامنہ بنایا: ”یہ ایسا وقت ہے کہ ہم دونوں مغلوں سے اپنے
 بھائی بھائیوں کو بچائیں۔“

آغزخان ان دونوں کے پاس سے گزرا اور انہیں باتیں کرتا دیکھ کر کچھ کھٹک
 گیا۔ غوث سے کہا: ”غوث! کچھ کو تھک رہا اعتبار ہے۔ لیکن لڑکی کے تئیر اچھے نظر نہیں
 آتے۔ اسی وحشی لڑکی سے ہر شہید رہنے کی ضرورت ہے۔“
 غوث نے جواب دیا: ”سردار کا خیال درست ہے۔“

کھٹیک اسی وقت مغربی جنگل سے آدمیوں کا ایک غول منہ دار ہوا۔ یہ لوگ آہستہ
 آہستہ چوروں کی طرح خیموں کی طرف بڑھے اور آتش قطار سے جلتی ہوئی ٹکڑیاں اٹھا اٹھا
 کر خیموں کی طرف پھینکیں۔ آغزخان نے اپنے ساتھیوں کو ادھر ادھر بھاگنے کا حکم دیا کچھ
 نے دیا میں چھلانگیں لگا دیں۔ آسامی یہ سمجھے کہ مغل ان سے غور فہم ہو کر بھاگ رہے ہیں
 آسامیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ بھاگنے لگے۔ مغلوں کا پیچھا کرنے لگے۔ جن خیموں پر جلتی ہوئی
 ٹکڑیاں پھینکی گئی تھیں۔ وہ جلنے لگے۔

آسامیوں کی تعداد بیشکل پانچ چھ سو رہی ہوگی۔ بھاگتے بھاگتے آغزخان اپنے
 پیچھے نہیں ساتھیوں کو لے کر پھرتے آسامیوں کی طرف مڑا آسامیوں کو یہ توقع نہ تھی
 وہ جیت زدہ رہ گئے۔ آغزخان نے آسامیوں میں گھس کر ان کا قتل عام شروع کر دیا
 ایسی یہ معرکہ جاری ہی تھا کہ شمال اور جنوب میں رو رو پوش مغل فوج اندر ہی اندر چل کر
 آسامیوں کے عقب پر چڑھ گئی اور ان پر حملہ کر دیا۔ آسامی اس حملے سے لئے نینا نہ تھے
 وہ گھبرا کر بھاگنے لگے۔ آغزخان جیٹا: ”خبردار جو ان کو بھاگنے دیا گیا۔“

آسامی بری طرح گھبر چکے تھے۔ آغزخان نے ذرا سی دیر میں ان کا صفایا کر دیا اور
 پچاس ساٹھ کو گرفتار بھی کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی آغزخان نے آگ بھولنے کا حکم دیا۔

جس پر فوراَ عمل ہوا اور آگ پر قابو پایا گیا۔

ابھی آغرخان ادا اس کے آدمیوں نے اطمینان کی سانس بھی نہیں لی تھی کہ معلوم نہیں کس طرف سے دھبہ پھرے ہوتے ہاتھی نمودار ہوتے اور ڈھیروں کو روندنا اور لاشا شروع کر دیا۔ فوری طور پر مغلوں کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا اور وہ اس غلط فہمی میں رہے کہ یہ دوسرا شب خون مارا گیا ہے لیکن آغرخان نے دونوں ہاتھیں کودیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو خبردار کیا۔ ”ساتھ بھاگنا مت۔ یہ دھبہ ہاتھی ہیں جو کسی سانس کے تحت ہماری طرف بھیج دیئے گئے ہیں۔ مگر فستار آسامیوں کو بھاگنے نہ دینا۔ اور کچھ سپاہی آگے بڑھیں اور دونوں ہاتھیوں کا کام تمام کر دیں۔“ بھاگتی نے غوث سے کہا۔ وہ آسامیوں کے قتل اور گرفتاری کا بھی بڑا رکھ ہے۔ اب یہ بھی بڑھ کر کیسی؟“

غوث نے بتلایا۔ ”وہ جنگلی ہاتھی معلوم نہیں کیسے آگئے ہیں اور اب تباہ کاری مچا رہے ہیں۔“

بھاگتی نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مارن جی! ان ہاتھیوں سے مغلوں کو ہرباد کر دو تاکہ میرا وطن ان کی ہر بارہوں سے بچا رہے۔“ غوث نے کہا۔ ”بھاگتی! ایسی باتیں نہ کر۔ ہمارے اس پاس کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں جو تیری بولی سمجھتے ہیں۔“

ایک ہاتھی بھاگتا ہوا ان دونوں کی طرف آیا۔ غوث بھاگتی کا ہاتھ پکڑ کر بھاگا۔ ہاتھی کے پیچھے پیچھے آغرخان تھا۔ اس نے پھرتی سے ہاتھی کی دم پر حملہ کر دیا۔ جس نے اس کی آٹھویں دم کاٹ کر نہ زمین پر گر گئی۔ ہاتھی غصے میں آغرخان کی طرف پلٹا، آغرخان نے ہاتھی کی سونڈ کی نوک سے دوسرے ہاتھ کی ٹیکس کی ٹیکس کی ٹیکس لے کر سونڈ میں لپیٹ لیا جا ہوا۔ آغرخان نے سونڈ پر دوا کیا، نلوارہ جھپٹتی ہوئی گھر رہ گئی۔ ہاتھی چنگھاڑا اور پیچھے ہٹا۔ آغرخان نے بھاگ کر سامنے پڑا ہوا نیزہ اٹھا لیا۔ ہاتھی پھر اس کی طرف دوڑا، آغرخان نے نہایت ہوش مندی سے نیزہ ہاتھی کی آنکھ کی طرف پھینکا۔ جو اس کی سپرہی آنکھ میں گھس گیا۔ ہاتھی ایک بار پھر چنگھاڑا اور نہ ہی کی طرف بھاگا۔ آغرخان اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ چند سپاہی نیزے لے کر آغرخان کی طرف بڑھے اور پکڑ کر مٹا دیا۔ ”مردانہ نیزے حاتم ہیں۔“

آغرخان نے ایک نیزہ لے لیا اور دوڑتے ہوئے ہاتھی کے پیٹ کا نشانہ لگا یا۔

میں گھس گیا، ہاتھی ایک بار پھر جنگھا، لیکن اب وہ دریا میں اتر چکا تھا۔ دریا
جود کشتیوں پر سے ہندوؤں جلی ادا ہاتھی پانی میں گر گیا۔

آغرخان نے جس جوان مردی کے ساتھ ہاتھی کا مقابلہ کیا تھا اس کا مشاہدہ
سے لوگ کمرہ رہے تھے۔ بھاگتلی آغرخان نے بھی یہ منظر دیکھا۔ دوسرے ہاتھی کو
دیوید نے گھیر کر ماریا تھا۔

آغرخان واپس آیا تو اس کے آس پاس متاحوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی وہ
آغرخان کو داد دے رہے تھے۔

آغرخان نے حکم دیا کہ گھر سے ہوتے خیروں کو دوبارہ تعبیر کیا جائے۔
جب وہ اپنے خیمے میں پہنچا تو اس کے پیچھے چند سراج بھی داخل ہو گئے اور
آغرخان کی تعریفیں کرنے لگے۔ لیکن آغرخان نے ان کو حکم دیا کہ یہ وقت تعریفوں
وہ ہے، طلایہ گمردی ہو شامی کے کی جائے کیونکہ یہ رات پرخطر ہے۔

آغرخان کچھ دیر خیمے میں رہا اس کے بعد پھر طلایہ گمردن میں شامل ہو گیا۔
صبح فجر کی نماز ادا کی اور کچھ دیر کے لئے بستر پر دراز ہو گیا۔

آغرخان کا یہ کارنامہ پوری لوح میں مشہور ہو گیا اور میر جلال خانان و لیخان
میر منٹھی نے اندر آ کر آغرخان کو مبارکباد دی۔ بھاگتلی کے دل پر اس کا خاص
دائ تھا۔ اس نے غوث سے کہا کہ جلد صبح میر واد آؤ گے یا کچھ اور! میری سمجھ میں
چاہا نہیں۔

غوث نے جواب دیا کہ یہ مغل فوج کا بڑا مہادہ سرور ہے، آگرا در خوف تو اس
دل میں ذرا بھی نہیں۔

بھاگتلی نے جواب دیا کہ اس میں کہ مجھے مغلوں کی تدبیر نہیں آتی ورنہ میں
مبارکباد ضرور دیتی۔

غوث نے جواب دیا کہ تو یہ مبارکباد میرے ذریعے دے سکتی ہے۔
میر جلال نے اسی دن فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔

چند دنوں بعد یہ لوگ گوبائی پہنچ گئے۔ مغلوں نے اپنے سامنے سری گھاٹ
پہاڑ کے واس میں ایک قلعہ کو دروازے کے کھڑا دیکھا۔ جہاں بھی دیاتے ہر ہیترا
جود تھا۔ اور یہ قلعہ دریا کے مغربی کنارے پر تھا۔ اس کنارے پر مغل انوار تھیں۔
دریا کے مشرقی کنارے پر بھی ایک قلعہ موجود تھا۔ یہ دروازہ قلعہ نامہ و نامی

بہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ دریا تے بہا پتر اسانے موجود قلعے کے شمال سے بہہ کر لہراں
مشرق میں قلعے کے پیچھے سے بہہ کر ایک دم سوار ہو گیا تھا۔ میر جمل نے دونوں قلعوں
کے محل وقوع سے اچھی طرح اندازہ لگا لیا کہ اگر میری گھاٹ کے قلعے کو جنوب سے فوج
کر لیا جائے تو بھی قلعے والوں کو یہ موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ کشتیوں اور زاپہوں کے ذریعہ
نامرد پہاڑ کی چوٹی پر نہر جوہر قلعہ میں چلے جائیں۔ میر جمل کو ایک محتاط اندازہ سے
کے مطابق یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ان دونوں قلعوں میں ایک لاکھ آسامی فوج
موجود ہے۔

میر جمل خان خانان نے اپنے امراء کو یک جا کیا اور ان سے مشورے طلب کیے
اور اس مجلس مشورہ میں غوث کو بھی بڑیک کر لیا گیا۔

میر جمل نے پوچھا: دوستو! میرا خیال ہے کہ اگر ہم اس قلعہ کو کسی طرح ہم
بھی کر لیں گے تو نامرد پہاڑ کی چوٹی کا قلعہ ہماری راہ کا مشکل ترین قلعہ ثابت ہوگا
ایسا سنگ بھراں جس کو ہٹائے یا سر کیئے بغیر ہم بڑیک بھیم کو دھڑک نہیں سکتے
اب آپ لوگ مشورہ فرمیں کہ ان دونوں قلعوں کی تسخیر میں کون سی تدبیر مد بعلم لائی
جائے جس سے ہم اپنی مہم کی ان آخری مکاوڑوں کو سبکا کر سکیں؟

میر تقی نے عرض کیا: ہمیں ہفتی اور دو یا تیرا ہوں سے بے تحاشہ گولہ باران
چاہیے۔ ہماری تیرہیں قلعوں میں شگوف ڈال سکتی ہیں؟

آغا خان نے کہا: میر تو پورا شاید یہ سمجھتا ہے کہ قلعہ میں موجود آسامی فوج
ہم پر بھی سنگ باری، توپ اندازی اور جہڑ مراحضی طریقے استعمال کر سکتی ہیں؟

میر جمل نے تاجپرسی: بیشک بیشک! ہم اتنی آسانی سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔
آمرامیوں کے پاس بھی صاف جنگ ہے اور یہ ان کی موت اور زندگی کا مسئلہ ہے؟

دلیہ خان نے عرض کی: خاستانان! ہمیں قلعے کے گرد اگر گولہ گجوم پھر کر اسرار
کر دہ اور قاب و اغلہ حقہ تلاش کرنا چاہیے۔ اگر ہم کسی طرح قلعے میں داخل ہو جائیں تو
اس کی تسخیر بہت آسان ہو جائے گی؟

میر جمل نے غوث الاسلام سے کہا: "تو کیوں خاموش بیٹھا ہے تو بھی اس
کا ایک فرط ہے۔ اس لئے تو جو بھی مشورہ دے گا وہ بڑا معنی خیز، مفید اور

نتیجہ خیر ہنگامی؟

غوث نے عرض کیا: "جناب دالا! میں اپنی قوم کے مزاج سے اچھی طرح واقف

، ہمیں اب تک اپنی ہمت سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان کے پیچھے آسامیوں کا کام فرما ہے۔ آسامی مغل افواج سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں چنانچہ وہ مقابلے نہت تو کر جاتے ہیں مگر یہ ہمت، برقرار نہیں رکھ پاتے اور ہماری افواج کی پامردی جو اصل پست گردیتی ہے جس سے وہ ذرا سے مقابلے کے بعد ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

میر جملہ غوث کبابوں پر کچھ دیر کے لئے غور کرتا رہا۔ اس کے بعد مسکرا دیا۔
 ”الاسلام! تو نے آسامیوں کی نفسی کیفیت تو بتا دی لیکن مشورہ کوئی نہیں دیا۔“
 آغرخان نے کہا ”خان فانا! غوث الاسلام کبابوں میں مشورہ بھی موجود
 میں کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے قلعہ بند آسامیوں کو یہ حسوس ہو کہ ہم آسامیوں
 طرف معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں اور یہ کہ ہماری نظر میں آسامیوں کے قلعوں اور لاکھوں
 کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر ہم اپنا یہ اثر قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ دونوں
 ہرجاؤں کے اندر آئندہ کی ہمت میں تسخیر آسان ہو جائے گی۔“ میر جملہ نے مجلس برخاست
 اور تجلیے میں سر چنا شروع کر دیا۔

✽

✽

✽

بھاگیڑی آغرخان سے باتیں کرنا چاہتی تھی مگر در بیان میں زبان حائل تھی۔ وہ
 رشتہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اس کام کے لئے اس کو ایک دوسرا واسطہ آسامی مل
 تھی کلتانی تھا اور جب سے بھاگیڑی مغلوں میں آئی تھی، وہ اس کے قریب ہونے
 میں کمر ہاتھا۔ لیکن غوث سے خوفزدہ بھی تھا کیونکہ غوث میر جملہ اندر آغرخان کا
 تھا۔

میر جملہ نے اپنی فوج کا ایک حصہ دریائے برہمپتر کے اس پار، قلعہ کے شمالی حصہ
 پر دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر وہ اس طرح کارروائی کا آغاز کریں کہ قلعہ
 خود آسامی فوجوں کو یہ احساس ہو جائے کہ یہاں ان کے فرار ہونے کی راہیں بند کی جا
 رہی ہیں۔ اس ہراول فوج کا امیر آغرخان تھا۔ وہ تیزی سے مدیا کی دوسری طرف اتر گیا
 کشیوں اور لڑائیوں کا بیڑہ لے کر اس کے ساتھ تھا۔ میری گھڑی کے قلعہ بند
 فصیلوں سے مغلوں کی نقل و حرکت کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ان پر تنگ بازی
 اچاہی لیکن آغرخان، میر جملہ اور ان کے فوجی فصیلوں سے بہت دور تھے۔ اس

لے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔
ادھر میر جملہ نے آسامیوں کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش کی اور تہ پرپوں کا قلعہ کی طرف کمر دیا۔

بھاگرتی یہ ساری حرکات دیکھ رہی تھی اور فکر مند تھی کہ معلوم نہیں آسامیوں کیا حشر ہوگا۔ اس نے آغز خان کی بہادری دیکھی تھی اور اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ مغلوں شکست نہیں دی جاسکتی۔ وہ ہمہ گیر کے ساحل سے مغلوں اور آسامیوں کی کشمکش حرکات کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ تو مسلم آسامی اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور آسامی زبان یہ بول چھا: ”کی تیرا نام ہی بھاگرتی ہے؟“

بھاگرتی نے چہرے مہرے سے تو اس کو شناسا محسوس کیا مگر اس کے جسم پر لباس دیکھ کر ذرا شبہاتی، جواب دیا: ”ہاں میرا نام بھاگرتی ہے مگر تو کون ہے؟“
تو مسلم نے جواب دیا: ”تیری طرح میں بھی آسامی ہوں لیکن آسام کی کلتانی نے تعلق رکھتا ہوں۔“

بھاگرتی بہت خوش ہوئی۔ لیکن لباس سے تو تو مغل معلوم ہوتا ہے۔
تو مسلم نے جواب دیا: ”ہاں۔ میں نے مغل لباس اس لئے پہن رکھا ہے کہ میرا اسلام قبول کر لیا ہے اور میرا اسلامی نام عبداللہ ہے۔ میں ہریشان تھا۔ پریشانی و طعن چھوڑا اور جہانگیر نگر کی مغل زوج میں ملازمت کر لی اور پھر اس خیال سے مغلوں سے زیادہ قریب ہو جاؤں اور میرا شمار بھی حکمران قوم میں ہونے لگے مسلمان ہو گیا۔“

بھاگرتی کے چہرے کی خوشی کا فوہ ہو گئی۔ ”لیکن تو نے مسلمان ہو کر کوئی کام تو نہیں کیا؟“

تو مسلم عبداللہ نے جواب دیا: ”سودی کے لئے آدمی کیا کچھ نہیں کرتا۔ تیرا؟“
غوث الاسلام بھی تو مسلمان ہو چکا ہے۔

بھاگرتی نے حیرت سے پوچھا: ”غوث الاسلام؟ کون غوث الاسلام؟“
تو مسلم عبداللہ نے جواب دیا: ”وہی غوث الاسلام جس کو تو جہاد کہتی ہے۔“

بھاگرتی کا سر جھکانے لگا۔ ”غوث الاسلام؟ جہاد؟ یہ کیسی بائبل کہہ رہا ہے ذرا صاف صاف بتا یہ معاملہ کیا ہے؟“

نور مسلم عبداللہ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا: ”بھاگتی! اگر تو مجھ سے یہ
دعا کرے کہ میں جو کچھ کہوں گا اس کو تو مان نہ سمجھے گی تو میں کچھ اور بتانے کی
کوشش کروں گا۔“

بھاگتی نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا: ”چل پیچھے میں چل کر باتیں کریں یہاں کوئی
باتیں کرتے دیکھنے کا تو نہ جانے کیا سہ جتنے لگے۔“

دو دو لوں غوث کے پیچھے میں چلے گئے۔ نور مسلم عبداللہ نے کہا: ”بھاگتی! میرے
پاس زیادہ وقت نہیں ہے میں تجھ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ غوث یا جمدھر میری ہی طرح
نور مسلم ہے۔ اس نے مسلمانوں میں شادی بھی کر رکھی ہے اور اس کی بیوی جہانگیر نگر میں
موجود ہے۔ اس کی ایک بچی بھی ہے۔“

بھاگتی کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا، ڈانٹ کر کہا: ”تو جھوٹا ہے اور مجھ کو
درغلانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

عبداللہ نے کہا: ”آہستہ بول بھاگتی کیونکہ یہ باتیں کسی اور نے سن لیں تو ہم دونوں
کی جاہیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔“

بھاگتی نے ناگواری سے کہا: ”پھر تو مجھے درغلانے کیوں رہا ہے؟“
عبداللہ نے کہا: ”میری بات مجھے کی کوشش کر بھاگتی! میں تجھے درغلانے نہیں رہا۔
سچی بات بتا رہا ہوں۔“

بھاگتی نے کہا: ”اچھا تو پہلے وہ ساری باتیں کر ڈال، جو تو کرنا چاہتا ہے۔ اس کے
بعد ہی میں کوئی فیصلہ کر دوں گی۔“

عبداللہ نے بوجھا: ”بھاگتی! پہلے مجھ کو یہ بتا کہ جمدھر باغوث نے اپنی بابت
تجھ کو کیا بتایا ہے؟“

بھاگتی نے جواب دیا: ”جمدھر ہندوہ حال پہلے مغلوں کی قید میں چلا گیا تھا۔ اب
جب مغل ادھر آئے تو وہ بھاگ نکلا اور میرے گھر پہنچا۔ لا جانے اس کی خدمات لیں اور یہ
جو گئی گچھا کے قلعے میں مغل نو بہروں کے ساتھ جنگ آزمایا ہوا، اور شکست اٹھا کر ہم دونوں
مغلوں کی قید میں چلے گئے، جمدھر میرے باپ کی بہن کا بیٹا ہے اس لئے میں اس سے
شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اب ہم دونوں مغلوں کی قید سے نکل بھاگنے کی فکر میں ہیں۔
جس دن بھی موقع ملا، بیچیم گڑھ چلے جائیں گے اور شادی کر کے ہنسی خوشی زندگی
بسر کریں گے۔“

عبداللہ ہنس دیا: ”بھاگتی: اب جمدھر، جمدھر نہیں غوث الاسلام ہے۔ اس کو مغلوں نے جاسوس بنا کر بھیجا ہے، یہ بھی تم گڑھ کی خبریں مغلوں تک پہنچا چکا ہے اور اب یہ مغلوں کا رہنما بنا ہوا ہے۔ مغل اس کے مشورے سے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے۔ چنانچہ مغلوں کی کامیابیوں میں غوث الاسلام کے مشورے اور رہنمائی کا بڑا ہاتھ ہے۔“
 بھاگتی کو اس کی باتوں پر یقین تو نہیں آ رہا تھا لیکن چند روزوں سے وہ خود بھی جمدھر پر شک کرنے لگی تھی۔ آہستہ سے بولی: ”تو جمدھر مجھ سے جھوٹ بولتا رہا ہے اور یہ اپنی قوم سے غدار ہی کہہ رہا ہے۔“

عبداللہ نے کہا: ”میں نے جو سمجھ بتایا، اس کا حرف حرف سچ ہے۔“
 بھاگتی کے دل کو سخت چوڑ لگی تھی۔ آہستہ سے بولی: ”تو یہ ملتان بھی ہو چکا ہے اور شادی بھی کر چکا ہے۔“

عبداللہ نے جواب دیا: ”ہاں بھاگتی یہ باتیں شک و شبہ سے بالا ہیں۔“
 بھاگتی نے کہا: ”انہی کہ اب تک میں نے مغل سردار سے اس کے ذریعے جو باتیں کی ہیں معلوم نہیں ان میں جمدھر نے اپنی طرف سے کیا سمجھ کہہ دیا ہو، اسی کا تو اعتبار ہی جاتا رہا۔“

عبداللہ نے کہا: ”اچھا اب میں جاؤں گا کیونکہ میرے پاس زیادہ دیر تک رکتا خطرے سے خالی نہیں۔“

بھاگتی نے کہا: ”جب مغل سردار واپس آجائے تو تو ایک بار مجھ سے ملنے ضرور آئے گا۔“ بقید باتیں بعد میں ہوں گی۔“

عبداللہ نے جاتے جاتے کہا: ”بھاگتی: جو سمجھ میں نے کہا ہے اس کا علم کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ جانوں کے لالے بڑھ جائیں گے۔“

بھاگتی نے کہا: ”تو مطمئن رہ۔ تمہی باتیں بس کسی سے بھی نہیں کہہ دوں گی۔“
 عبداللہ چورسوں کی طرح خیمے سے نکل کر دریا کے کنارے تعینات فوج میں جا کھڑا ہوا۔

آسامیوں نے ہمہ پہن کے دوسرے کنارے پر جب مغلوں کو ایسی کاہلہ دیاں

کرتے دیکھا جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ مغل آسامیوں کی دلاہیں بند کر رہے ہیں تو انہوں نے جنگ کے بغیر چورسوں کی طرح فائر ہونا شروع کر دیا۔ مغلوں نے دھب ڈالنے کے لئے گولہ بادی بھی کی، اس گولہ بادی نے آسامیوں کے سب سے پہلے ہوش بھی خطا کر

دریئے اور انہوں نے کشتیوں اور نواہوں کے ذریعے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ نے پیرل بھاگ نکلنے کی کوشش کی مگر آغرخان اور اس کی فوج نے بھگوتے آسامیوں کو تلواریں سے دھاندوں پر رکھ لیا۔

سری گھاٹ کے قلعے میں آغرخان سب سے پہلے داخل ہوا، فوج فرار ہو چکی تھی عام آہلوی موجود تھی مگر بے حد خوفزدہ۔ مغل ان پر بلی پڑے اور لوٹ مار، قتل و غارتگری شروع کر دی۔ آغرخان نے اعلان کر دیا کہ سپاہی لوٹ مار نہ کریں کہنوں کہنہ جملہ غانیاناں نے اس کی مخالفت کر رکھی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس طرح مفتوحہ قوم پر مغلوں کا برا اثر پڑے گا۔ لیکن مغل سپاہ نے آغرخان کا حکم نہیں مانا اور لوٹ مار قتل و غارتگری میں مشغول رہی۔ یہ لوٹ مار کے مشاغل غوث بھی دیکھتا رہا۔ اور اس کو کھ مہنچا مگر خاموش رہا۔

چند مغلوں نے مقامی لوگوں کے گھروں کو لوٹ مار اور قتل و غارتگری کے بعد ندر متشلی کر دیا۔ غوث ان مناظر کو نہیں دیکھ سکا، اپنی آنکھیں بند کر کے میں اور آغرخان سے شکایت کیا۔ ”سردار! یہ کیا ہوا ہے؟“ آغرخان نے جواب دیا: ”سنو کہ شروع پشنت مغل میرا حکم نہیں مان رہے۔“

آسامی بچوں تک کو ہلاک کر دیا گیا۔ جانوروں کو ہلاک افسال و اسباب کی لوٹ مار کے بعد ملکوں کا نذر آتش کر دیا ایسا رگت انگیز منظر تھا کہ غوث الاسلام کی آنکھیں پھر آئیں۔ اس نے آغرخان سے کہا: ”سردار! آسامیوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ مجھ سے یہ مناظر دیکھے نہیں جا رہے۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”غوث الاسلام! میں نے کہا کہ جو دہاکہ مغل میرا حکم نہیں مان رہے ہیں“ پھر ایک درد منشی سے سوال کیا: ”اور ہاں یہ تو کیا کہہ گیا ہے کہ مہاراجہ پر بڑا ظلم ہو رہا ہے مجھ سے یہ مناظر دیکھے نہیں جا رہے۔“

غوث نے کہا: ”سردار! اس کا ایک ہی مطلب ہے وہ یہ کہ میں اپنی قوم کے ساتھ مغلوں کے جو دہاکہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔“

آغرخان نے کہا: ”تو اس کا مطلب ہے کہ تیرے دل میں اب بھی اسلام سے زیادہ اپنی قوم سے محبت ہے اور تو مغلوں کا حق رنگ اور اسلام کا حق نامہ سب لیا کر نے سے لائق نہیں رہ گیا۔“

غوث نے جلد ہی جلدی کہا "میں یہ بات نہیں ہے سردار! میں نے جو درد ظلم کے خلاف ایک آواز بلند کی ہے؟"

آغا خان نے کہا "افسوس کہ میں اپنے دشمنوں سے تو جنگ کر سکتا ہوں لیکن دوستوں پر تلوار نہیں کھینچ سکتا؟"

غوث خاموش ہو گیا اور قلعے میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ ایک جگہ میں اس نے رنگ دھڑنگ بچے کو رونے ہوئے دیکھا۔ یہ گندی رنگ کا بچہ صرف تہمہ باندھے تھا اس کی عمر آٹھ نو سال کی ہو گی۔ غوث نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور دریافت کیا "میرے بچے! تم کو کیا ہو گیا؟ تو کیوں روتے ہو؟"

بچے نے اپنی زبان میں ہمدردانہ کلمات سن کر غوث کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

غوث نے بڑی نرمی سے کہا "میرے بچے! موت ڈرامے میں تیرا ہمدرد ہوں۔" بچے نے سامنے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس مکان میں میرے ماں باپ قتل کر دیئے گئے ہیں، گھر لٹ گیا۔ اب میں کس کے پاس جاؤں گا؟ اب مجھے کون رکھے گا؟"

غوث اس مکان میں گیا۔ وہاں دو لادخیں پڑی تھیں، ایک عورت کی دوسری مرد کی۔ عورت کی آنکھیں کھلی تھیں گویا وہ حسرت سے دیکھ رہی تھی ان دونوں کے پیٹ چابکمر دیتے گئے تھے۔ بچہ اپنے والدین کی لاشوں پر کھڑا ہو کر بک بک کر روتے لگا۔ غوث نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور نہ گفت و گو نہ لہجے میں کہا "میرے بچے! موت درد میرا کلیجہ پھٹا جاتے گا۔ تو میرے ساتھ رہے گا اور میرے دشمن بہت جلد آپے کیخبر کر دے گا، تم بھیجیں گے۔"

اس نے بچے کو دین کھڑا رہنے دیا اور خود تباہ شدہ مکان کے ایک گوشے میں جا کر روتے لگا۔ غوث! تم کو بہر لعنت ہے کہ تو اپنی قوم کے زخمیوں پر مغلوں کو چڑھا لایا۔ تو اسلام اور مغلوں کا حق رنگ اور حق مذہب ادا کر رہا ہے یا اپنی اور وطن سے غدار ہی کر رہا ہے؟

اس نے کافی دیر رو کر اپنے دل کی بھر اس نکالی اور آنکھیں بند کر کے آنے والے کل کی مابین سوچنے لگا۔ اس نے مغلوں کے گھوڑے دن کو بھیم گڑھ کی طرف دوڑتے دیکھا۔ اور ان گھوڑوں کی ٹاپوں تلے آسامیوں اور کھٹائیوں کو کمر لہنے سمسکیاں بھرتے اور

دم توڑنے دیکھا۔ ان کو راہوں اور سسکیوں میں ماما کھن پال جی اور اس کی اپنی ماں کی سسکیاں اندر کر رہی ہیں شامل تھیں ماس نے اپنی بہن کو مغلوں کی کینیز بننے دیکھا، اس نے اپنی ماں کو دھکا دیا کہ حق طلب کرنے محسوس کیا اور مہنوں کی آنکھوں میں ہمنیرگی کی بے بسی اور شکوہ محسوس کیا۔

وہ بے چین ہو کر اٹھا اور آسامی یتیم بچے کے سر پر ایک بار پھر ہاتھ پھیرا اور پھر اتنی اتنی آواز میں کہا: "میرے بچے، تیری سرمدی کا میں گناہ گار ہوں۔ تجھ کو میں نے یتیم کیلئے۔ تیرا عجز میں ہوں۔ میرے بچے، مجھ کو معاف کر دے۔ میں کوشش کروں گا کہ اب تک جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی تلافی ہو جائے، اس کا ازالہ ہو جائے۔"

لیکن بچے کی سمجھ میں اس کی باتیں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ رہا تھا جو بظاہر تو مغل فرخ کا آدمی تھا لیکن اندر سے اس سے کمر ہا تھا۔

غوث نے بچے کی انگلی پکڑ لی اور اپنے لشکر کی طرف چل پڑا۔ مغل فرخ جس قلعے میں پھیل چکی تھیں۔ غوث نے دور تک بچے کو پھیل چلا یا اس کے بعد گود میں اٹھایا اور سیدھا میر جملہ خان کی ازاں کے پاس پہنچا۔ میر جملہ نے بچے کو غور سے دیکھ کر غوث کی طرف دیکھا۔ پوچھا: "کیا بات ہے غوث! اسلام؟ یہ سچہ کس کا ہے؟"

غوث الاسلام وقت زندہ آواز میں بولا: "خان خانان یہ ایک آسامی بچہ ہے۔ آغر خان کے مغلوں نے اس کے والدین کو قتل کر کے گھر کو لوٹ لیا۔ اب یہ یتیم ہے۔ اور یہ میرا بچہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ خان خانان: آغر خان کے مغلوں نے بڑے ظلم کیے ہیں۔" خان خانان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "اور آغر خان نے اپنے مغلوں کو سمجھایا نہیں؟ انہیں رکھا نہیں؟"

غوث الاسلام نے جواب دیا: "جب میں نے یہی شکایت آغر خان سے کی تو اس نے جواب دیا کہ وہ شومہ پشت مغلوں کے آگے ہے پس ہے۔ اور آغر خان ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا۔"

خان خانان نے برسی سے کہا: "اپنے ماتحت مغلوں کو قابو ہی رکھنا آغر خان کی ذمہ داری ہے۔ میں اس سے اس کا جواب طلب کروں گا۔"

غوث نے کہا: "خان خانان! میرا وار آغر خان مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔" خان خانان نے جواب دیا: "تم مت ڈرو غوث! آغر خان تیرا کچھ بھی نہیں لگا سکتا۔"

عنوت نے کہا: ”خاناناں! میں اس سچے کوہا لیاں گا۔“
 خاناناں نے جواب دیا: ”مجھے کیرنی آئے ارض نہیں۔ تو اس کوہا لیاں سکتا ہے۔“
 عنوت الاسلام نے سچے کوہا لیاں اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔ وہاں بھاگیرتی
 بڑی بے حدی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بھاگیرتی نے عنوت الاسلام کی گودہ میں آکر اسی بچہ
 دیکھ کر حیرت سے پوچھا: ”جہرہ! یہ بچہ کس کا ہے؟“
 عنوت نے بڑے دھم سے جواب دیا: ”آسامی یتیم بچہ! یہ اب ہمارے ساتھ
 رہے گا۔“

بھاگیرتی عنوت الاسلام سے ہانسی کمنے کے لئے بے چین تھی لیکن کچھ سوچ کر
 خاموش رہی۔ وہ بہادر سردار آغرفان سے چند باتیں پہلے کر لینا چاہتی تھی۔ عنوت
 نے بھاگیرتی میں ناقابل فہم تہذیبی محسوس کی شاید عنوت سے بات کرنے میں وہ پہل
 نہیں کرنا چاہتی تھی۔

★

★

★

آغرفان اپنے مغل فوجیوں کے جہرہ دستہ سے بہت پریشان تھا اسے معلوم تھا کہ
 میر جملہ خاناناں اس کے ساتھیوں کے جہرہ دستہ کا آغرفان کے ہی ذمہ دار ہی قرار دے گا
 اور اس سلسلہ میں خاناناں کسی بھی غدر یا صفائی کو قبول نہیں کرے گا۔ وہ اس اور
 دل شکستہ اپنے خیمے میں داخل ہو کر ہتھیار جسم سے الگ کئے اور متہا تھا دھوکہ کھانے کا
 ناخنہ کیا اور آرام کی غرض سے لیٹ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور میر جملہ خاناناں
 سے خیالوں میں گفتگو شروع کر دی۔ فان خاناناں سخت ہنس رہا تھا اور وہ غصے میں ظلم و
 نیابت کا جواب طلب کر رہا تھا اور آغرفان اپنی صفائی میں معلوم نہیں کیا کیا کہہ
 سنا رہا تھا۔

اچانک خیمے میں کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔ آغرفان نے آنکھیں کھول دیں۔
 سامنے خیمے کا دربان کھڑا تھا اور آغرفان نے پوچھا: ”کیا بات ہے؟“
 دربان نے جواب دیا: ”سردار! آسامی لڑکی بھاگیرتی آپ سے ملنا
 چاہتی ہے۔“

آغرفان نے پوچھا: ”وہ کہاں ہے؟“
 ”باہر خیمے کے در پر۔“

آغرخان نے پوچھا: ”کیا اس کے ساتھ عیث الاسلام بھی آیا ہے؟“
 ”نہیں“ دربان نے جواب دیا: ”اس کے ساتھ تو کوئی اور نہ مسلم آسامی
 آیا ہوا ہے۔“

آغرخان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بولا: ”ان دونوں کو اندر بھیج دے۔“
 دربان واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد بھاگیرتی نے مسلم عبداللہ کے ساتھ
 اندر داخل ہوئی۔

آغرخان بھاگیرتی کو دیکھ کر مسکرایا۔ بھاگیرتی بھی مسکرائی اور نہ مسلم عبداللہ سے
 کچھ کہا۔ عبداللہ نے آغرخان سے کہا: ”سرور! یہ لڑکی کہہ رہی ہے کہ میں نے بے وقت حاضر
 ہو کر شادی تجھ کو تنگ کیلئے ہے۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔“

بھاگیرتی نے عبداللہ سے ذریعے عرض کیا: ”سرور! میں اس سے پہلے ہی حاضر
 ہونے والی تھی۔ لیکن فوج کے شب درخشاں کی وجہ سے میں حاضر نہ ہو سکی۔ اس کا
 مجھے افسوس ہے۔“

آغرخان نے دل میں اندھانے والی نظروں سے بھاگیرتی کو گھیرا: ”کوئی بات
 کہنا تھی تجھ کو؟“

”ہاں“ بھاگیرتی نے عبداللہ کے ذریعے جواب دیا: ”مجھ پر میرے باپ کی
 ہنس کا بیڑا ہے۔ اور میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے شادی کر لوں گی جس اب میرا فیصلہ
 بدل گیا ہے۔“

آغرخان نے پوچھا: ”یعنی کیا مطلب ہے میں تیرا مطلب نہیں سمجھا؟“

بھاگیرتی نے جواب دیا: ”بہادر سرور! اگر میں نے تجھ کو اور تیری بہادر ہی کو نہ
 دیکھا ہوتا تو مجھ پر میرے علاوہ کسی اور کا خیال تنگ دل میں نہ رانی لیکن سرور آغرخان
 تو نے میرا دل بیت یلے میں تجھ سے محبت کمنے لگا ہوں۔ اندر یہ چاہتی ہوں کہ مجھ
 سے تو بھی محبت کر لے۔“

آغرخان اس سوال پر جواب سے چکر اٹھا۔ بولا: ”بھاگیرتی! محبت کوئی اختیار ہی یا
 ارادہ ہی جذبہ تو نہیں ہے۔ رائے انداز و اس سے اختیار کر لیا جائے۔“

بھاگیرتی نے کہا: ”کچھ سچی ۳۲ سرور! لیکن جب سے میں نے تجھ کو سن رہا تھا
 کا مقابلہ کرتے دیکھا ہے، اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تیرے سرور کسی اور کو پسند
 ۲۶۱

میں نہیں کر سکتی۔“

آغرخان نے ہنس کر جواب دیا: ”لیکن بھاگیری! میں شادی شدہ ہوں، دلچسپ ہیں میری بیوی موجود ہے۔“

بھاگیری نے جواب دیا: ”بیوی سے کیا ہوتا ہے۔ ہم کھانا نہیں ہیں ہر مرد کسی کچھ بیچیاں مکھناتے۔ کیوں تو دریاں نہیں رکھ سکتا۔“

آغرخان بھاگیری کی بے باکانہ پیش کش سے متاثر ہوا۔ ”بھاگیری! تو کسی اور معاشرے کی لڑکی ہے۔ میں کسی اور معاشرے کا انسان ہوں۔ تو مجھ سے شادی کر کے پریشان ہو جائے گی۔“

بھاگیری نے جواب دیا: ”مہاراجا آغرخان! محبت پریشان نہیں ہوتی۔ تیری مہاراجی نے میرے دل و دماغ کو جیت لیا ہے اس لئے مجھ کو ایسے نہ کر۔“

آغرخان نے کہا: ”لیکن میں تجھے بھی شادی کا لہجہ دے دوں گا کہ تو جرحہ سے شادی کر لے کیونکہ میرا خیال ہے وہ تجھ کو پسند بھی کرے گی۔“

بھاگیری نے جواب دیا: ”اس کے پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کو جس کو پسند نہیں کرتی۔“

آغرخان نے عبداللہ سے کہا: ”تو اپنے طوطے پر بھاگیری کو سمجھا کہ یہ اپنے دل سے میرا خیال نکال دے کیونکہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔“

عبداللہ نے جواب دیا: ”سرور! میں اس کو سمجھاؤں گا لیکن یہ مجھے بہت جذباتی نظر آتی ہے۔ شاید میں میری بات مانے۔“

بھاگیری نے عبداللہ سے کہا: ”یہ تم دونوں کس قسم کی باتیں کرنے لگے۔“

عبداللہ نے جواب دیا: ”مہاراجا! مجھے یہ لڑکی انتہائی جنونی محسوس ہوتی ہے اس لئے ہمارے بہتر اسی میں ہے کہ ہم اس کو اپنے آپ سے دُور رکھیں۔“

آغرخان نے کہا: ”مجھے سب کچھ معلوم ہے عبداللہ! مجھے اس لڑکی پر رحم بھی آتا ہے۔ لیکن میں کیا کر سکتا ہوں۔“

بھاگیری نے کہا: ”مجھ پر رحم کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے تجھ سے محبت کی ہے تو جواب میں عرف محبت ہی چاہوں گی۔ یہ رحم اور ہمدردی کیلئے۔ میں نہیں جانتی!“

آغرخان خاموش ہو گیا اور سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

بھاگیری نے مزید کہا: ”اس وقت میں تجھ سے یاد دلاتی ہوں کہ میں کر رہی۔“

لیکن اپنی اور نیری محبت کے نام پر کچھ سے یہ درخواست کر دیا کہ تو میری قوم پر ظلم نہ
 ڈھکھا، اور ہمیں سے واپس چلا جا۔ میں تیرے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔“
 آغرخان نے جواب دیا: ”بھائی، مجھ کو سونچنے کی مہلت دے تیری باتوں کا
 جواب دو چار دن میں دوں گا۔“

بھائی نے اصرار کیا: ”سردار! اس میں سوچنے کی بات ہی کون سی ہے۔ کیا
 میں سمجھ کر اچھی نہیں لگتی حالانکہ میں نے جیب بھی پانی میں اپنا چہرہ دیکھا ہے۔ اپنے آپ کو
 مہت اچھی لگتی ہوں۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”اچھی تو تو مجھ کو بھی لگتی ہے۔ لیکن۔۔۔“
 لیکن میر جملہ خان نا ناں کے قاصد نے دھڑوں کی باتوں کا مڑا کر کہہ دیا کہ وہاں
 نے اندر داخل ہو کر آغرخان کو مطلع کیا کہ ”میر جملہ خان نا ناں نے سردار آغرخان کو اسی
 وقت یاد فرمایا ہے۔“

آغرخان نے بھائی سے کہا: ”لوٹو! بقیہ باتیں پھر ہوں گی۔ مجھ کو میرے امیر
 اتحاد نے یاد فرمایا ہے۔ پہلے میں اس کی بات سن لوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔“
 بھائی نے کہا: ”میرا سردار! اپنے امیر سے بھی یہی بات کہہ کہ وہ میری قوم کو
 اب زیادہ نہ ستائے۔ اور ہمیں سے واپس چلا جائے کیونکہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں
 آ رہی ہے کہ اگر تم لوگوں نے پوری فتح بھی حاصل کر لی تو اس سے تم کو ملے گا کیا۔ حاصل
 کیا ہو گا یا اور جس کام سے کچھ حاصل نہ ہو اس میں فرقہ اور جانیں ضائع کرنے کا فائدہ؟
 آغرخان نے چلتے چلتے جواب دیا: ”فکرِ حیات اور تدبیر سے کیا حاصل ہوتا ہے
 یہ بات تو خارج مہتر جانتے ہیں۔ میں اس سوال کا کیا جواب دوں، واپسی میں غائب کوئی
 جواب دے سکوں۔“

بھائی نے کہا: ”میرا سردار! ہم کلتانی لڑکیاں معاملات محبت میں آزاد ہوتی
 ہیں، میں نے کچھ سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میں تجھ محبت کرنے لگی ہوں اور اب صرف
 دھڑائیں چاہتی ہوں، پہلی بات یہ کہ اب بغل فوجوں کو آگے نہیں بڑھنا چاہیے، ہمیں
 سے واپس چلا جانا چاہیے دوسری بات یہ ہے کہ تو بے جمل و حجت مجھ سے شکایت کر لے۔“
 آغرخان کو بھائی نے بہرہ برائے دم آیا اس کلتانی لڑکی کی سارہ لڑھی اور مصدقیت
 کسی بھی میرا کہہ کے دل کو متاثر کر سکتی تھی۔

آغرخان میر جملہ خان نا ناں کے چیمے میں داخل ہوا تو اس نے میر جملہ کو اکھڑا اکھڑا

ادبدل برداشتہ پایا۔ میر جملہ اس کو دیکھتے ہی مڑا اور بڑے معنی خیز طنز یہ لہجے میں بوجھا۔
 "تو آفرخان تو آگیا ہے"

آفرخان نے بھی پتہ وقار لہجے میں جواب دیا: "ہاں میں آگیا اور اس لیے آگیا
 کہ مجھ کو بلایا گیا تھا۔"

میر جملہ نے کہا: "تو بہادر مرد ہے آفرخان! میں تیری عزت کرتا ہوں لیکن اب
 میں محسوس کرتا ہوں کہ تو خود تو اوصاف حمیدہ سے منصف ہے لیکن تو اچھا امیر نہیں ہے
 کیونکہ اچھا امیر وہی ہوتا ہے جو اپنے ماتحتوں کو قابو میں رکھ سکے۔ اور اس کے ماتحت اس
 کے حکم پر اپنی گردنیں رکھیں اور اس کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھائیں۔"

آفرخان نے اسی خان سے جواب دیا: "خانخان! میں مغل نہیں ہوں، اس
 لیے مغل مجھے اپنا حاکم نہیں، ملک خوار سمجھتے ہیں، ہم سب مغلیہ سلطنت کے خدمت گزار
 ہیں، مغلوں میں موجود جیسے بن کا احساس انہیں شورشہ پاشت بنا چکا ہے۔ اس لیے
 انہوں نے جو کچھ بھی کہا ہے میرے حکم اور میری مرضی کے خلاف کیا ہے، اس کو میں کہہ کر
 میرے مغل شہسوار ذلیل کر رہے ہیں۔"

میر جملہ نے سختی سے کہا: "آفرخان! مفتوحہ تو ہم پر ظلم و ستم ہیں ذلیل و خوار کر دے
 گا اور مطالبات پیچیدگی اختیار کر لیں گے، اس لیے میں تیرا کوئی معذرت قبول نہیں کر سکتا کہ انہیں
 ہوں۔ تو اپنے مغل شہسواروں کے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے۔"

آفرخان نے سختی سے جواب دیا: "خانخان! اب سر اسر فریاد دیتی ہے، میں صرف
 اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہوں، دوسروں کے اعمال و افعال کا مجھ سے تعلق نہیں
 رکھتا۔ امیر مجھ کو دوسروں کے اعمال کا ذمہ دار قرار دے کر مجھ پر ظلم کر رہے ہیں۔"

میر جملہ نے انتہائی درشت لہجے میں کہا: "آفرخان! میں آسام کی مہمات کا امیر
 عساکر مغلیہ ہوں اور یہاں کوئی بھی غلطی کرے، اس کی باز پرس مجھ سے ہوگی، اور تنگ
 زیب براہ راست مجھ سے جواب طلب کرے گا۔ میں تیری طرح بادشاہ سے نہیں کہہ سکتا
 کہ آسام کی مہمات کی کوتاہیاں مجھ سے تعلق نہیں رکھتی ہیں اور مجھ کو بری الذمہ نہ رکھا جائے
 اگر میں بادشاہ سے اس قسم کی باتیں کروں گا تو وہ ناقابلِ سمع و سمع ہوں گی اور بادشاہ میرے
 تمام عذر و تدبیر کو دے گا۔"

آفرخان نے بھی درشتی سے جواب دیا: "میں جو باتیں خانخان سے کہہ رہا ہوں
 بادشاہ سے بھی کہہ سکتا ہوں، میں بادشاہ کی غور سے آگے بڑھوں، اگر خانخان

اس کی مہمات میں دو ٹکا ہونے والی خامیوں اور شکایتوں کا خود کو جواب دہ سمجھتا رہا جس سے درخواست کمزور کا کہ وہ میرے ماتحت مغلوں کے خلاف کامروائی نہ دکھائے؟

میر جملہ ایک دم بدم ہو گیا! آغرخان! میں تیریں بہادری کا مترادف ہوں، لیکن اس اتھار ہی میں تیری بے جا جرات سے قطعی ناخوشی ہیں اس طرح تو میری ہمدردیوں کو توڑنے سے محروم ہو جاتے گا؟

آغرخان نے جواب دیا! خانیاناں! میں ایسی ہمدردیوں اور مروتوں کو ٹھکڑا کر دوں جو میری کارکردگی اور خدمات کے عوض نہ ملیں۔ میں جا رہا ہوں اور خانیاناں کو برید دیے جا رہا ہوں، ہم دونوں کو چند دنوں کے اندر اندر یہ فیصلہ کر لینا ہے کہ میرے ماتحت لشکرش مغلوں کی تادیب خود کرنی ہے یا بدستور مجھی کو بدو الزام ٹھہرانا۔ میرے مجھ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آپ کی عدم توجہی میں مجھ کو یہاں رہنا چاہیے یا بادشاہ ن جلا جانا چاہیے، اور میرا جو بھی فیصلہ ہوگا۔ آپ کے فیصلے کی مدد دینی میں ہوگا؟ آغرخان، خانیاناں کے خیمے سے نکل کر اپنے خیمے کی بجائے لیمر اور تیر کے خیمے کے غ میں چلا گیا، یہاں کی فضا تیرش خوشبو میں بسی ہوئی تھی، وہ ایک پتھر پر بیٹھ رہے خیالی میں لیمر کی ایک شاخ کو پکڑ کر فکروں میں ڈوب گیا، وہ ہاتھ سے لیوں خ کو سہلانا رہا اور کچھ سوچنا رہا، اچانک لیمر کی شاخ کا ایک کانٹا انگلی میں چبھنے لگا، اسی لمحے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور زخمی انگلی کو دیکھنے لگا، درمیان انگلی کے پہلے سے خون نقطہ کی شکل میں نکلا اور یہ نقطہ لمحہ بہ لمحہ بڑا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ کچھ دیر یہ نقطہ چمکنے لگے۔

آسامی مری گھاٹ اور ناندر میہاڈ کے قلعے خالی کر کے فرار ہو چکے تھے، میر جملہ اپنے یہاں آبادہ دیر قیام نہیں کیا، وہ دونوں قلعوں میں اپنی کھڑکی سی فوج لگائے روانہ ہو گیا۔ آغرخان آگے آگے تھا۔ میر جملہ اندر آغرخان میں بات چیت بند ہو گیا، ہم سمجھتے تھے کہ اسے مغل لشکر بڑھے چلے جا رہے تھے۔ وہ درمیان میں واپس آکر صاف کیا جا رہا تھا۔ سات کوس کے بعد کبلی ٹکاؤں کا قلعہ نظر آیا۔ لیکن اس کی تفصیلات اور خالی وریاتی سطح سے مغلوں کو بہت جلد یہ بات معلوم ہو سکتی کہ

آسامی مارے دم شنت کے لئے بھی خالی کر گئے ہیں۔ میر جملہ نے اس قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا۔
اب بھی گڑھ کا راستہ بالکل صاف تھا۔
کھجلی گاؤں کے بعد بھی گڑھ تھا، اور بھی گڑھ ہیں ان دونوں کا فیصلہ کر
معرکہ ہونے والا تھا۔

غوث الاسلام آسامی بچے کو بڑی محبت سے پال رہا تھا، آغرخان غوث نے
خوش نہیں تھا لیکن غوث کو میر جملہ کی حمایت اور ہمدردی حاصل تھی، میر جملہ نے غوث کو
کہہ دیا کہ وہ کسی طرح بھی بھیج کر دھوا پس جاتے اور وہاں لوگوں میں افرا تفری اور لڑائی
پھیلاتے تاکہ آسامیوں کے دلوں میں مغلوں کا خوف بیٹھ جائے۔

لیکن آغرخان غوث کو بھیج گڑھ بھیجنے کے حق میں نہیں تھا۔
غوث کو بھیج کر دھ جانے کی اجازت نہ ملتی تھی اس نے بھاگ کر فی کوبھی اپنے ساتھ
جانا چاہا لیکن بھاگ کر فی نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا: "جہد ضرور تیرے بقول ہم دونوں کو
کے قیدی ہیں پھر تو اس قید سے آزاد کس طرح ہو گا؟"

غوث نے جواب دیا: "بھاگ کر فی! زیادہ باتیں نہ بنا، اگر تو بھیج کر دھ جانا چاہتا
تو چل میرے ساتھ۔ ہم دونوں وہاں خادی کر لیں گے۔"
بھاگ کر فی نے طنز یہ کہا: "غوث! تو اپنی اس بیوی کو بھی بلا لے، جو جہانگیر نگر میں
بچی کے ساتھ تیرا انتظار کر رہی ہے۔"

غوث بھاگ کر فی کے طرز مذاکرے پر چونک گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ بھاگ کر فی کو
کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ پھر بھی اس نے سب اہل عارفانہ سے کام لیا: "جہاد
آج تو یہ کس قسم کی باتیں کر رہی ہے؟"

بھاگ کر فی نے بڑے غور سے کہا: "اب میں سمجھ کر جہد کر رہی ہوں غوث! کہو نا کہ
مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تو جہد نہیں رہا، غوث الاسلام ہے اور تو بہرستور مغلوں
ملک خوار اور اپنی قوم کا غدار ہے۔"

غوث کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ جبران تھا کہ بھاگ کر فی کو یہ باتیں
کس نے بتا دیں؟ بھاگ کر فی! باتیں غدار نہیں ہوں۔ میں مغلوں کا شک خواہ صرف وہ ہوں۔
بھاگ کر فی نے غصے میں کہا: "تو مجھ سے جھوٹ بولتا رہا، اور اب جبکہ ساری باتیں
مجھ کو معلوم ہو چکی ہیں تو مجھے یہ قوف نہیں بنا سکتا۔"
غوث نے بڑھچکا: "بھاگ کر فی! جلد ہی میں ساری باتیں سمجھ کر خود ہی بتا دیتا لیکن

ہے جاننا چاہتا ہوں کہ تجھ کو یہ ساری باتیں کس نے بتائیں؟ یہ بھی گہری فی نے نظرت سے منہ پیا۔ اب ان فضیل باتوں سے حاصل ہے میں تجھ سے شادی بھی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں تجوں میں یہ سرگوشیاں نہیں پسند کر دوں گی کہ آسام بہر تباہی لائے والوں میں بھاگہری فی دہر جہدھر کا نام سر فرست ہے۔

بھاگہری فی، غوث کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اسی دن شام کو آخر زمان پریشانی اور منتشر مزاجی کی کیفیت میں دہلی کے ہرم پترا حل، ہر کیلہ کے چھنڈ میں گھس گیا۔ یہاں سے دہلی کی سطح پر موجود کشتیاں اور نڈاڑے سے نظر آ رہے تھے۔ کیلوں کے بعد لڑخ اور ہیل سے درخت جگے ہوئے تھے۔ آخر خان، دل برداشتہ تھا اور وہ آتمہ کے بارے میں ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچا رہتا تھا۔ وہ انان کی باز پرس کے بعد معنی خیز سردہری سے عاجز آچکا تھا، اس کو ایسا لگتا تھا مانحانان نے اس کا سماجی اور معاشرتی انقطاع کر رکھا ہے۔

خانیاں کے بعد اس نے بھاگہری فی کی بابت سوچا، اس سادہ لوح لڑکی پر اس کو رہا تھا۔ جس بے باکی اور سادگی سے بھاگہری فی نے اظہار عشق کیا تھا، وہ بڑا اثر انگیز اس نے یہاں پہنچ کر پہلی بار بھاگہری فی کو، خیالوں میں اپنے رویہ بینی داس میں کھڑا دیکھا۔ اہمیت اچھی لگی، وہ کسی بھی افغان یا مغل دد مشیرہ سے کم نہیں تھی۔

اچانک آخر خان کی پشت پر ایک ہتھوڑا سا پتھر لگا، جھوٹا سا پتھر وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اپنے دشمنوں کی سرزمین پر تھا، اور بہت چوکتا رہتا تھا، آخر خان نے نیم وار نکالی اور نہایت احتیاط سے ایدھر اُدھر دیکھتا ہوا خطرے سے لڑنے کے لئے تیار وہ کیلوں کے چھنڈ سے نکل کر لڑخ اور ہیلوں کی طرف چلا گیا، یکایک ہیل کے درخت سے کوئی چیز اس طرح نہ بین پڑ کر مری کہ آخر خان اس کے بوجھ میں دب کر پڑ کر رہ گیا۔ فان یہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا کہ یہ بھاگہری فی تھی، جو بہت زیادہ ہنس دہی تھی۔ درخت ہمیری طرف عبداللہ چھپا ہوا تھا۔

آخر خان نے تلوار نیام میں کر لی اور بھاگہری فی کے ساتھ خود بھی پہننے لگا۔ عبداللہ نے سر دارا پر مجھے نہ ہر دوسری لے آئی ہے، شاید کچھ باتیں کرنا چاہتی ہے۔

آخر خان نے پوچھا۔ یہ کیسی شراہت کی اس نے، فدا پوچھ کر اس سے۔ عبداللہ کے ذریعے بھاگہری فی نے جواب دیا۔ بہادر سردار، تجھ کو میرے نکلنے اور دینی چاہیے کہ نہ کہ جس جگہ بیٹھا تھا، وہ یہاں سے دوسرے لیکن میرا نشانہ

خطا نہیں ہوا۔

آغرخان ایک سنجیدہ شخص تھا، بولا: "لیکن بھاگیرتی میں مذاق پسند نہیں کرتا۔ میں خود ایک سردار ہوں، اس لیے میں خاصا لیے دیتے بھی دہتا ہوں، اس لیے ہر کمر سرد نش کرتا ہوں کہ آئندہ مجھ سے اس قسم کا مذاق نہ کیا جائے۔"

بھاگیرتی اس لب و لہجے کی عادی نہیں تھی۔ آغرخان کے کان دھے پر بے تکلف ہاتھ بکھدیا۔ امداد بھگت سنی بھٹانے کی کوشش کی۔ امداد سردار! تو ناراض کیوں ہے؟ مجھ پر غصہ کیوں کر رہا ہے، اصل بات کیا ہے؟ وہ بتا۔

آغرخان تکلفاً بیٹھ کر گیا لیکن بے مروتی سے بولا: "لڑکی! میں نے کہا جو دیا کہ یہ ایک سردار ہوں اور کسی سے بھی زیادہ بے تکلف نہیں ہوں، میں نہیں چاہتا کہ مغل لوگ مجھے عامیہ روش میں دیکھیں۔"

بھاگیرتی بہت سنی کوئی اثر نہ ہوا، آغرخان سے پھر کمر بیٹھ گئی۔ آغرخان نے طرف کھسک گیا۔

بھاگیرتی نے بڑی محبت سے آغرخان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ "سردار! میں نے جہر حشر کو خوب ڈانٹا اب تک مجھ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ مغلیہ سلطنت کا ہے اور ہم کا عداوت۔"

آغرخان نے حیرت سے پوچھا: "یہ باتیں تجھ کو کس نے بتائیں؟" عبداللہ کا چہرہ شمت گیا۔ "بھاگیرتی! نے عبداللہ کی طرف دیکھا اور اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا۔ جس کا مطلب آغرخان بھی نہیں سمجھ سکا۔ بھاگیرتی نے عبداللہ سے پوچھا۔

"عبداللہ! ہم امداد سردار کی طرح رہا ہے؟"

عبداللہ نے سوالیہ دہرائی اور آغرخان نے عبداللہ سے کہا: "عبداللہ! اس لڑکی پر نہ دہ رہے ہیں کہہ دے کہ میں شاعر عام کا عاشق یا محبوب نہیں ہوں، اس لئے مجھے کہ یہ لڑکی کسی اور کا انتخاب کر لے اور اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔"

بھاگیرتی نے عبداللہ سے کہا: "تو اپنے سردار سے کہہ دے کہ میں اتنی آسانی سے آئے والی لڑکی نہیں ہوں۔ اور میں اس وقت اس لیے آئی ہوں کہ سردار کے ساتھ کچھ روز گزاروں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے اور میرا دل سردار کو طلب کر رہا ہے۔"

عبداللہ نے سب کچھ رک رک کر اور چبایا کہ کہہ دیا۔ آغرخان نے سختی سے "لڑکی سے کہہ دے کہ ہم لوگ یہ باتیں پسند نہیں کرتے اور ہماری لڑکیاں اور عورتیں

دع ہمارا ہی ہے مٹری سے باتیں نہیں کرتیں۔

اس جواب نے بھاگپتی کو بالوں سے کمر دیا۔ وہ بڑھال ہو گئی۔ اور درخت کی جڑ کا
مٹے پر بیٹھ گئی۔ آغرخان نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن چھڑا نہیں سکا کیونکہ بھاگپتی
دونوں ہاتھوں سے اس کا ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

اس وقت وہاں غوث بھی پہنچ گیا، اس نے یہ تماشا جو دیکھا تو آغرخان کی پردہ
جبیر بھاگپتی کو ڈانٹا: بھاگپتی! تو یہاں کیا کمر ہی ہے؟

آغرخان نے ایک بار پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ بھاگپتی
ان کی آمد سے جھنجھلا گئی سختی سختی سے پوچھا: تو یہاں کیوں آ گیا؟

غوث نے بھی سختی سے جواب دیا: میں یہاں کاماچول دیکھ کر سب کچھ سمجھ گیا،
سامیوں اور کلانیوں کے جان دیال اور عزت و آبرو کی اس درجہ تک تباہی نہیں
ہو سکتا۔

بھاگپتی نے پرجوش آواز میں کہا: تو غدار ہے اور ایک غدار کی زبان سے یہ باتیں
نہیں نکلتیں۔

آغرخان نے پوچھا: غوث الاسلام! تم دونوں کس بات پر جھگڑ رہے ہو؟ مجھے
تو بتاؤ۔

غوث نے بے دلی سے کہا: سردار! میری قوم کے ساتھ نا انصافیاں ہوئی ہیں
اب ان کی عزت و آبرو پر بھی ہاتھ صاف ہو رہا ہے، برداشت کی بھی کوئی حد
تی ہے۔

آغرخان غصے میں کھڑا ہو گیا: غوث! تو گستاخی کمر رہا ہے، بھاگپتی مجھ سے جس
کا تقاضا کر رہی ہے، میری جگہ کوئی اور سردار ہو تا تو سختی آمادہ ہو جاتا لیکن میں
خان، نوز کے بیٹے یافت کی اولاد سے ہوں، میں سفلہ خوئی کا مرتکب کس طرح ہو
نا ہوں۔

غوث نے بھاگپتی سے پوچھا: سردار کہہ رہا ہے کہ تو نے اس سے کسی شے کا مطالبہ
نہ کیا جس کو اس نے پورا نہیں کیا، کیا یہ درست ہے؟

بھاگپتی نے جواب دیا: ہاں مہادیہ سردار نے درست کہا۔ میں اس مہادیہ کی گردید
میں اور میں نے جہاں یہ فیصلہ کیا ہے کہ تجھ سے شادی نہیں کروں گی، وہی یہ فیصلہ بھی
یہاں ہے کہ میں اس مہادیہ سے شادی نہیں کروں گی۔

عنوت تڑپ گیا۔ بولا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا۔ تو میرے ماما رکھو پانی جی کی بیٹی ہے۔ ایک افغان سے شادی نہیں کر سکتی۔“

بھاگپتی نے غصے میں حکم دیا۔ ”اب تو یہاں سے چلا جا۔ میں نے جو فیصلہ کر لیا، کھانا کمر لیا۔“

عنوت نے آغرخان سے درخواست کی۔ ”سردار! یہ میری لڑکی تھی تو بھی ذرا کمر دے گی، اس لیے تو یہاں سے کسی بھی بہانے چلا جا، یہ ایک ایسی نعمتِ امتحان کا اظہار کر دے گی جس کا پورا کرنا تیرے لیے دشوار ہی نہیں، ناممکن بھی ہو گا۔“

بھاگپتی نے عنوت سے کہا۔ ”تو سردار سے کیا کہہ رہا ہے؟“

عنوت نے جواب دیا۔ ”سردار! آغرخان ایک باعزت خاندان کا باعزت فرد ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ تجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔“

بھاگپتی نے کہا۔ ”یہ میرا مسئلہ ہے، تو یہاں سے چلا جا، ورنہ تیرا حشر بھی دیکھا ہو گا، جو بھانسن کا ہو چکا ہے۔“

عنوت نے ایک بار پھر آغرخان سے درخواست کی۔ ”سردار! آغرخان بھاگپتی کو اپنے ماتھے لے جاتا چاہتا ہوں۔“

آغرخان نے جواب دیا۔ ”کیا تجھ کو یہ یقین ہے کہ یہ لڑکی تیرے ساتھ چلتی جائے گی؟“

عنوت نے کہا۔ ”یہ میرا مسئلہ ہے، لیکن سردار! تیرا یہاں سے چلا جانا ضروری ہے۔“

آغرخان نے جواب دیا۔ ”عنوت! سلام! میں جاسا ہوں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تو اس لڑکی کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔“

بھاگپتی ان دونوں کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن جب آغرخان کو جانے ہوتے دیکھا تو وہ اس کی طرف بڑھی اور یہ خیال کیے بغیر کہ آغرخان اس کی بات نہیں سمجھ سکے گا، بولی۔ ”بہادر! سردار! میں بھی تیرے ساتھ چلوں گی۔“

عنوت غصے سے بھاگپتی کی طرف بڑھا اور اس کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن بھاگپتی نے عنوت کو دھکا دے کر گرا دیا۔ عنوت کو اور نہ باہر غصہ آگیا اور اس نے بھاگپتی کو پیچھے سے بالوں سے پکڑ لیا اور جھٹکا دے کر نیچے گرا دیا۔ آغرخان اس کشمکش کو دیکھ رہا تھا اور تیزی سے عنوت کی طرف بڑھا اور اس کے کوہے چہرے پر ایک ٹھوکر عید کر کے، عنوت کو لٹکھڑا

کیا جس سے بھاگیری کے بال چھوٹ گئے اور وہ آزاد ہو گئی اس نے جوش میں ایک ی پتھر اٹھا لیا اور گم سے ہوتے غوث کو ہلاک کر دینا چاہا، لیکن آغرخان نے بھاگیری پتھر پھینک کر پھینک دیا اور ہاتھ کے اشارے سے کہا: "تھوڑی! اس کو ہلاک نہ کر۔" غوث مہم اٹھا اور کچھ کہے سنے بغیر چلا گیا۔ آغرخان نے اشاروں کنایوں میں بالہ بیٹ نہ کر لڑکی ۱۰

بھاگیری نے اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کی: "اس نے مجھ کو بالوں سے کھینچا اس لیے میں نے پتھر اٹھا لیا۔" بھاگیری نے آغرخان کا ہاتھ بکڑنے کی کوشش کی لیکن آغرخان نے اپنا ہاتھ کھینچ

غوث کے جانے کے بعد عبداللہ دوبارہ سامنے آگیا اور اس نے آنے ہی پتی سے کہا: "بھاگیری! میں اس لیے چلا گیا تھا کہ اگر غوث مجھ کو تیرے پاس دیکھتا برداشتم نہ بھجاتا ۱۱

آغرخان نے عبداللہ سے کہا: "عبداللہ! تو اس لڑکی کو سمجھا کہ اس سے شادی کرنا ہے لے کر آنا مشکل ہے۔"

یہ بات جب عبداللہ نے بھاگیری سے کہی تو اس نے جواب دیا: "بہادر سردار سے دے کہ میں جلد ہی نہیں کر رہی ہوں لیکن میرا قطعی فیصلہ ہے کہ میں شادی بہادر سردار ہی کروں گی ورنہ اپنی جان دے دوں گی ۱۲

آغرخان بھاگیری کے اس فیصلے سے پریشان ہو گیا اس نے جواب دیا: "ابھا! اگر تیرے تو اس سے کہہ دے کہ جب تک آسمان فتح نہ ہو جائے خاموش ہو جائے تو نہ کہ اس کی تسخیر پہلے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا ۱۳

لیکن بھاگیری نے کہا: "میں نے تو بہادر سردار سے درخواست کی ہے کہ وہ جہاں اچکا ہے، یہیں بت واپس چلا جائے اور میرے ہم وطنوں پر رحم کرے۔"

آغرخان نے جواب دیا: "اس مہم کا ذمہ دار میرا جملہ خاندان ہے، میں تو اس سر فرمان معمری امیروں آسمان کی مہم کے بارے میں فیصلے خاندان کی طرف سے نہ ہوتے ہیں۔"

بھاگیری نے کہا: "خاندان تو مشورہ تو تو دے سکتا ہے۔ وہ تیرے جیسے بہادر بات ضرور ان کے گا۔"

آنحضرتؐ اس کے سوال، جواب سے تنگ آچکا تھا۔ بولا: "عبداللہ! تو اس لڑکی کو سمجھا دے کہ خانخانان بادشاہ کے فرمان کا تابع ہے، یہ کسی کے کہنے کہنے سے آہٹ نہ کر سکتا۔"

عبداللہ نے وعدہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کرے گا اور اسے لپیٹے ہے کہ وہ اس میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔

*

*

*

غوث الاسلام سیدھا خانخانان کے پاس پہنچا اور شکایت کیا: "خانخانان آپ خدا کو حاضر و ناظر کہہ کے مجھ پر ہتھ پڑا ہے کہ اب تک میں نے غلوں کے ساتھ فساد کی ہے یا غلطی ہے؟"

خانخانان نے جواب دیا: "تو ہمارا نہایت وفادار شخص ہے، کیوں؟"

غوث نے کہا: "خانخانان! اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ بھیج گڑھ فتح ہو جائے تو اس میں آپ کو کچھ تیریلیاں کھانا ہوں گی۔"

خانخانان نے کہا: "تو مشورہ دے، میں غور کروں گا۔"

غوث نے جواب دیا: "آسمی، کلثانی، آنحضرتؐ اور اس کے ساتھیوں سے ناواقف ہیں کیونکہ ان لوگوں نے عفو و درگزر پر ظلم کیے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ بھیج گڑھ کی مہم میں قلعے کی تسخیر کی ذمہ داری ہرے سپرد کر دی جاتے۔"

خانخانان نے کہا: "میں میرا مطلب نہیں سمجھا، تو کہنا کیا چاہتا ہے؟"

غوث نے جواب دیا: "میرا مطلب صاف ہے، میں بھیج گڑھ کے چپے چپے سے واقف ہوں اور یہاں کے آسمانیوں اور کلثانیوں کے مزاج اور عادات سے واقف ہوں چنانچہ میں جس طرح اپنی فوج کو بڑاؤں کا کوئی دوسرا غیر آسمانی سردار اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔"

خانخانان نے کہا: "یہ بہت نازک مقام ہے، میں اس پر غور کروں گا۔"

ایک ہفتہ بعد غوث الفوج نے یہاں سے بھی کوچ کیا اور بھیج گڑھ کے لیے روانہ ہو گئے۔ غوث الاسلام ان کی دہشت گردی، آسمانی بیچہ اس کے ساتھ تھا اور ہر ایک کے کنارے کنارے سفر جاری تھا اور ان سفر بالاس، آسم، کیلے، نورج، بیجو، اناس، آمل، ناریل، اور چھاپ کے باغات ملے، فوج کا تیر ہزار دستہ آگے آگے داسہ صاف کھڑا تھا۔ یہاں شب غم کا صبح سے زیادہ خطرہ تھا، پہنچنے میں شب بیداری اور طلباء کی

ذمہ داری میر جملہ خان ناں نے خود قبول کر لی۔ وہ راتوں کو فوج کا دستہ لیے جنگلات کی سمت گھومتا پھرتا رہتا۔ راہ میں کئی بار شب خون کی معرکہ آرائی ہوئی اور ہر بار میر جملہ خان ناں نے آسامیوں کو شکست دی۔

دورانِ سفر میں آغرخان نے غوث الاسلام کی اہمیت کو محسوس کر لیا، میر جملہ خان ناں اس پر بہت زیادہ اعتبار کر رہا تھا، یہاں تک کہ آغرخان کو نظر یہ نظر انداز کر دیا تھا۔ خان ناں کے اس طرزِ عمل نے آغرخان کے ساتھ اس کے مغل ساتھیوں کو بھی شکی کر دیا تھا۔

کئی بار آسامیوں نے ہاتھیوں کو مغلوں کی طرف دھکیل دیا لیکن مغلوں نے مل جل کر اس دباؤ کو بھی شکست دے دی۔

دو ہفتے بعد یہ لوگ بھییم گڑھ کے قلعے کے سامنے پہنچ گئے، غوث الاسلام کے مشورے اور خان ناں کے حکم پر مغل افواج نے قلعے سے اننی دور پٹاڑ کیا کہ جہاں سے توپوں کی مار کا گم نہ ہو سکتی ہو۔ یہاں پہنچ کر حملہ آور فوج کی کمان غوث کے سپرد کر دی گئی اور میر تقی امیر ٹوپ خانہ کو خان ناں کی طرف سے خفیہ حکم مل گیا کہ وہ غوث الاسلام کے حکم کے مطابق گولہ باری کرے گا۔

غوث الاسلام نہایت ہوشیاری سے قلعے کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ وہ ہر دیکھ رہا تھا کہ بھییم گڑھ کے قلعے پر کس طرف سے حملہ کیا جاتے جو مفید اور کارگر ثابت ہو۔ آغرخان ناں شاہیوں کی طرح غوث الاسلام کی حرکات و سکنات پر گہری نظریں رکھے ہوئے تھا۔ غوث الاسلام کبھی کبھی آسامی بچے کو کاندھے پر بٹھائے بھییم گڑھ کے قلعے کے سامنے سے اڑتا رہتا۔ خان ناں نے پوچھا: ”اس آسامی بچے کو کاندھے پر بیٹھے بچھرنے کا مقصد کیا ہے؟“ اور معائنے میں حارح نہیں ہو رہا؟“

غوث الاسلام نے سکہ کہ جواب دیا: ”خان ناں! میں اس بچے کے ذریعے آسامیوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر مغل فوج نے بھییم گڑھ کو فتح کر لیا تو وہاں کے بچوں اور کمزوروں پر رحم کیا جائے گا، اور اگر میلان لڑے غلط ہے تو دو چار دن میں چند آسامیوں کو میرے پاس آنا چاہیے، جو مجھ سے میری اس حرکت کی وجہ معلوم کریں گے، اگر ایسا ہو گیا تو گویا میں اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا، میں ان آئے والے آسامیوں کے ذریعے بھییم گڑھ والوں کو درگلا سکوں گا۔ انہیں غتراہی پر آمادہ کر لوں گا اور اس طرح یہ قلعہ بڑی آسانی سے سر کر لیا جائے گا۔“

خانخاناں نے کہا: ”غوث الاسلام! جو کام کمر نہایت احتیاط سے کرے“
ابھی مغل افواج کو قیام کئے ہوئے ایک ہی دن گزرا تھا کہ مطلع ابرا کو دہڑ گیا،
ہوا ایک دم بگ گئی۔ سردی بڑھ گئی۔ آگ آگ تاریکی اتنی بڑھ گئی کہ مغلوں کو اپنے خیموں میں مہابیاں
اور شمعیں روشن کر لیں۔

عبداللہ نے اس طرفان کو مطلع کیا کہ یہ آثار کسی بڑے طوفان کی آمد کا پہلہ درے
رہے ہیں۔

یہی بات غوث الاسلام نے خانخاناں سے کہی۔ خانخاناں نے میر تقی کو حکم دیا کہ تو پ
اور گولوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ کہیں بارش انہیں بیکار نہ کر دے۔

سہ پہر کو ہوا اسکی آمد بتہرے سج تیز ہونے لگی۔ پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور
اس بارش میں آمدے بھی گرت گئے، اولوں کی وجہ سے سردی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ طوفان
باد و باران میں انسانی آوازیں یوں سنائی دے رہی تھیں گویا کوئی میلوں دور سے آوازیں دے
رہا ہے۔ گھوڑے ہنہانے لگے اور ان کی آوازیں بھی بہت دند سے آتی محسوس ہوتی تھیں
وہ یا کی موجوں میں خوفناک تلاطم اٹھا اور کشتیاں اور فواریں تنکوں کی طرح ہلنے ڈھلنے کے بہرے
آمد و آمد سے ذرا در فوجی اپنے۔ تختوں کو احتیاطی احکام جمع ہوئے کمرے سے نکلے سردی اتنی
بڑھ گئی تھی کہ آسمان اور مٹی بیکساں تھکھکے اور سسکنے لگے۔ غوث الاسلام نے آسمان سے
کو کہیں میں چھپا دیا۔ اس طرفان نے بھاگنے کے لیے کئی کھیل بھجوائے اور کہلایا کہ ”انہیں اندر
کر دیکھا جائے“ بھاگنے والے اس پر اس سے بہت خوش ہوئے۔

خانخاناں اس طوفان میں سر کو خود آمد جسم کو نہ دے بکتر میں چھپا کر ہر طرف بھاگا
بھاگا پھر رہا تھا۔ اس نے دریا کی سطح پر کئی مرتبہ بجلی گرتے دیکھی تھیں وہ تند ہواؤں نے کئی
کشتیاں کو الٹ دیا۔ گھوڑے مرنے لگے۔ بعض گھوڑے اصطبل سے نکل بھاگے اور اور دھڑلہ
بھاگتے ہوئے کھنڈوں میں گر گئے یا ورنہ اولوں کی چوٹ سے ڈھیر ہو گئے۔

خانخاناں نے اس طوفان میں چند آسمانیوں سے غوث الاسلام کو باتیں کرتے دیکھ لیا
وہ شاید یہ نظر نہ دیکھ سکتا لیکن بجلی کی چمک میں اس نے غوث کو ایک چٹان کی آڑ میں چند
آسمانیوں سے باتیں کرتے دیکھا۔ خانخاناں حیران تھا کہ اس کے لشکر میں تو تباہ کاری مچی ہوئی ہے
اور ایسا لگتا ہے گویا غنیمت دہا ل کر کے چلا گیا ہو اور یہ آسمانی نہایت اطمینان سے بیٹھے بائیں کر
رہے ہیں۔ وہ خود بھی ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد جب کوئی شخص اس کے پاس
سے گزرا تو خانخاناں نے حکم دیا۔ ”اے شخص رک جا، تو کون ہے؟“

وہ شخص رک گیا اور جواب دیا: "خانخاناں! میں ہوں غوث الاسلام، کام ہو گیا؟"
 خانخاناں نے جواب دیا: "خدا ہم سب پر رحم کرے۔ معلوم نہیں ابھی کتنی دیر اور یہ
 طوفان رہے گا کیوں سا کام ہو گیا؟"

غوث الاسلام نے جواب دیا: "میں نے چند ذمہ دار آسامیوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ ہم
 اس قلعے کو فتح کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے اور ہم سے جنگ کرنے کا مطلب ہے موت
 سے جنگ کرنا۔ اس لیے اگر قلعے کو معمولی مقابلے کے بعد ہمارے حوالے کر دیا جائے تو ہم بھیج گئے
 والوں سے رحمہ لائے اندھ بہہ رہا نہ سلوک کریں گے اور اگر ہم نے اس قلعے کو بندہ درخت فتح کر
 لیا تو یہاں کی آبادی کو غم و درم کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔"

خانخاناں نے بوجھا: "پھر ان لوگوں نے کیا جواب دیا؟"
 غوث نے جواب دیا: "انہوں نے مجھے یقین دلادیا ہے کہ قلعے پر باآسانی قبضہ کر
 دیں گے۔"

خانخاناں نے دعا کی: "خدا ہمیں کامیاب کرے۔"

غوث نے جواب میں آمین کہی۔

طوفان نے کئی گھنٹے تباہ کاریاں چلاتی رہیں اور آخر جب حالات بھر سکون ہوئے تو
 میرجلہ خانخاناں اور آغرخان وغیرہ اپنے نقصان کا اندازہ لگاتے کے لئے نکل کھڑے ہوئے
 گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں کی لاشیں اور ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ عیسائیوں کے اندر اور
 باہر انسانی لاشیں بھی بکھری پڑی تھیں۔ خانخاناں اور آغرخان کو بڑا دکھ ہوا لیکن غوث اللہ
 نے میرجلہ کو یقین دلایا کہ غنقریب ایک بہت بڑی خوشی ملنے والی ہے اس لیے اس نقصان
 پر افسوس نہ بھائے جائیں۔

بھاگرتی بھیم گڑھ پر حملے کے حوالے تھی، اس نے آغرخان سے ایک بار پھر مدد
 کی کہ بھیم گڑھ میں جنگ بڑی جلتے لیکن آغرخان نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس جنگ کی
 کمان غوث کے ہاتھ میں ہے اس سے رکواؤ جائے۔

بھاگرتی غوث الاسلام کے پاس اگلے حاذبہ پہنچ گئی اور اسے طاعت کراتے ہوئے
 کہا: "اوپر غیرت انسان! آپ اپنے ہی وطن کو مبراہ کرنے پر تیار ہوا ہے؟"
 غوث نے گھوم کر بھاگرتی کی طرف دیکھا: "بولا! بھاگرتی! میں تجھ سے بات نہیں کرنا
 چاہتا، اس لیے مجھ سے نہ اچھا، ورنہ نقصان اٹھائے گی۔"

بھاگرتی نے ہرے جنہ باقی لیے میں کہا: "اوسخت دل ظالم انسان! خدا سوچ تو رہی

ہم دونوں کا خیر اس معنی سے تیار ہوا تھا، ہم نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں، بڑھ سنبھالا اور جوان ہو گئے، ہم نے اسی کے پھل کھائے اس کی فضا میں سانس لیں اور وہیں کے چشموں کا پانی پیا۔ جہر صبر تو اپنے دل بہرہ بانقہ دکھ کر سر پر سج بڑا کیا یہ پہلا وطن نہیں ہے، کیا یہاں کی مٹی میں کوئی کشش، کوئی مقناطیسیت نہیں ہے، کیا تو اپنی ماں پر حملہ آور ہو سکتا ہے بھی کم حدیثی مادہ وطن ہے۔ کچھ تو اس کا خیال کر۔

عنوت نے اس کے ساتھ باتوں میں بہت سی تشریحیں کی، اسلام کی فصلوں کی خوشبو مٹی کا سوز بھاپا اور چشموں کے پانی کی مچھلی اس اپنے منہ میں اور بکھر پڑے جسم میں عسوس کی۔ وہ بل گیا، لہر لگے۔ بولا یہ کھیرتی: جس مادہ وطن کی تو تعریفیں کر رہی ہے، اس نے مجھ کو دیا کیا: دین نکالا۔ میں مغلوب ہوں چلا آیا میں مسلمان ہو گیا۔ اب مجھ پر اسلام کا حق ہے، مغلوں کی ٹھک خودی کا حق ہے اور میں ان حقوق کی ادائیگی پر مجبور ہوں۔

بھابھیرتی نے التجائی۔ ”غوب اجھی صرح سوچ لے پہلے۔“
عنوت نے جواب دیا۔ ”اس نے خوب سوچ لیا ہے اور اب مزید سوچنے کی سکت نہیں۔“
بھابھیرتی بولیں ہو کہ چلی گئی۔ ”غوب عنوت خیمے کے ایک گوشے میں جا کر نہ دے لگا۔“

*

*

*

عنوت الاسلام نے فوج کو تیار کر کے آدھی رات کے بعد آگے بڑھنے کا حکم دیا، وہ انہیں لے کر قلعے کے صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ عنوت الاسلام نے کہا ”آساں بہ مشہر نک نہیں کر سکتے کہ ہم لوگ صدر دروازے سے حملہ آور ہوں گے، اور یہی ان کا کمزور نقطہ تھا۔“
پہلے: ”بھر میر مرتضیٰ سے کہا۔“ میر مرتضیٰ گولہ باری کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ”کہو کہ گولہ باری انہیں پھر اس اندھا بون کھدے گی۔“

میر مرتضیٰ بھی اپنے توب خانے کے ساتھ آگے بڑھا۔

جب یہ لوگ جھپٹے چھپاتے، بچے بچاتے قلعے کے صدر دروازے پر پہنچے تو وہاں غضب کا سکوت پایا۔ قلعے اور مغل افواج کے درمیان ایک خندق حائل تھی اور اس میں پانی بکھرا ہوا تھا۔

عنوت الاسلام نے میر مرتضیٰ کو حکم دیا کہ گولہ باری ستر درجہ کم دی جائے اور اس وقت تک جاری رہے جب تک میں دوسرا حکم نہ دوں۔

ایک دوسرے سردار دلیر خان نے پوچھا ”اس کا فائدہ؟“

عنوث الاسلام نے کہا: "قلعے والوں کی توجہ ادھر ہی رہے گی اور ہم ان پر دوسری طرف سے حملہ کر کے قلعے کے اندر داخل ہو جائیں گے۔"

دلیر خان کو یہ تمکبب پسند آئی لیکن آغرخان نے دے لفظوں میں کہا: "میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔"

عنوث الاسلام نے چوتھے جواب دیا: "مردار آغرخان! تو ہر جگہ مجھ سے اختلاف رکھتا ہے حالانکہ آج میں یہ ثابت کر کے پر تلو ہوا ہوں کہ میں مدد کر کے کئی سرداروں سے زیادہ اچھی سوجھ بوجھ رکھتا ہوں۔"

آغرخان نے کہا: "زیادہ باتیں نہ بنا، عنوث الاسلام، میں تیری ان باتوں کا عنقریب بہت اچھا جواب دوں گا۔"

عنوث الاسلام نے ترمکی بہت کر جواب دیا: "آغرخان! جواب تو ہمیں میں دوں گا، تو وقت کا انتظام کر، کھراکھڑا ہم سب کے سامنے آجائے گا۔"

آغرخان نے کہا: "مت گھبرا، بی بی بوسے، تو کیا ہے اندر کیا چاہتا ہے، میں سمجھ چکا ہوں، اللہ تے چاہا تو میں تجھے بہت جلد یہ نقاب کھدوں گا۔"

دلیر خان نے کہا: "بہادر! آپس میں مت الجھو اور مل جل کر اس مہم کو سر کرنے کی کوشش کرو۔"

مہر مونس نے اپنا ٹکڑا لے کر باہر نکل کر تھیں اور قلعے میں تھیں پر بھی یہ فیصلوں پر مہم سے نفرت آئے گئے اور ادھر سے بھی گولہ باری ہونے لگی، لیکن مہر مونس کی گولہ باری زیادہ شدید تھی اور فضیل کی گولہ باری بہت معمولی۔ عنوث الاسلام گولہ باری کا حکم دے کر دوسری طرف چلا گیا اور قلعے کے کمزور حصوں کو نشانہ بنائے گئے۔

اچھی دوڑنا طرف سے گولہ باری جاری رکھی کہ موسلا دھند بارش شروع ہو گئی اور وہ لڑا حریف ایک دوسرے کو دیکھنے سے قاصر ہو گئے۔

آغرخان: دلیر خان کو لے کر ایک طرف چلا گیا اور کہا: "دلیر خان! عنوث الاسلام کے سامنے میں تو مجھ کے تعاون کرتا۔"

دلیر خان نے پوچھا: "کس قسم کا تعاون؟ عنوث الاسلام تو حملہ آور فوج کا کمانڈر ہے۔"

آغرخان نے کہا: "اس کے باوجود، میں جب اشارہ کر دوں، عنوث الاسلام کو گرفتار کر لیا جائے۔"

دلیر جان کی سمجھ میں آئے خان کی باتیں نہیں آئیں تھیں۔

عزت الاسلام گھوڑا دوڑاتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوا اور میر مرتضیٰ کو حکم دیا۔
 ”میر مرتضیٰ دشمن بہر خواہ ہر چکا ہے اور میں نے قلعے میں داخلے کا راستہ تلاش کر لیا ہے تو گولہ
 باری جاری رکھو، اندھیری آواز کا انتظار کرو، میں اندر داخل ہوں اور غرور شکیر بلند کر دوں گا، یہ
 اس کا اعلان ہوگا کہ قلعہ میں داخل ہو چکی ہیں۔“
 میر مرتضیٰ نے جواب دیا: ”لیکن اس دھواں دھارے میں گولہ باری سے حاصل
 کیا ہوگا؟“

عزت الاسلام نے جھوٹ کر کہا: ”میں قلعے والوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتا ہوں۔“

میر مرتضیٰ نے جواب دیا: ”بہتر ہے، میں گولہ باری جاری رکھوں گا۔“

عزت الاسلام نے اپنے دہانے کو ہر پھرتا کے کنارے سے پتھر اڑا دیا کہنا: ”تم لوگ ہمیں رکو
 گے، میں انہما قلعے کے پاس جیتے کی طرف جا رہا ہوں، جہاں سے داخلہ آسان ہے پھر میں جیسے ہی
 گولی چلاؤں تم لوگ گولی کی سمت بھاگ کر آ جاؤ۔“

عزت الاسلام نے اپنے دہانے کو باریا کے کنارے سے پتھر اڑا دیا اور خود قلعے کی سمت چلا گیا
 دریا درختوں کی آڑ میں کھڑے ہو کر اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ اندر وہ چھپنا چھپنا
 بھاگنے کی پاس پاس جاتے تو قلعہ میں سے کچھ تو نہیں سکیں گے۔ جنگلات اور درختوں دھواں دھارے
 نے بڑی اچھی پردہ داری قائم کر رکھی تھی۔ یہ جنگل کے اندر ہی اندر سفر کرنا ہوا میر جملہ اور
 عقیدہ (زوج کے بیٹوں تک پہنچ گیا، بارش کی وجہ سے مغل اپنے بیٹوں میں دیکھنے لگے، عزت
 نے اپنے گھوڑے کو ایک درخت سے بانٹ دیا اور بچتا بچتا چھپتا چھپتا بھاگنے کی جگہ
 جس داخل ہو گیا۔ بھاگنے کی اس کو اپنے سامنے دیکھنا تو وہ بہر ان نہ گئی بلکہ پتھر اڑا دیا۔
 ”تو بے وقت کیوں آ گیا؟“

عزت نے جواب دیا: ”بھاگنے کی اس میں اپنے دامن سے ان دھبوں کو دھو دوں گا۔
 جو اپنے مادر وطن، خاندان، اپنی قوم اور اپنے راجا کے خلاف محاذ آرائی اور لڑائی کی
 وجہ سے میرے دامن پر لگ گئے تھے۔ میں تجھے لینے آیا ہوں، میرے ساتھ چل بھاگنے کی۔“
 بھاگنے کی نے پوچھا: ”تو کیا کہہ رہا ہے جہد صرا میں پیر مطلب نہیں سمجھی؟“
 عزت نے جواب دیا: ”بھاگنے کی میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جس سب کچھ
 تجھے بتا دوں گا۔ تو میرے ساتھ چلی جا۔“
 بھاگنے کی نے پوچھا: ”لیکن تو مجھے کہاں لے جائے گا؟“

عذر دے کر جواب دیا: "بھیم گڑھ۔ جہاں میری ماں اور میری بہن رہتی ہے جہاں میرا
 ماما اور نانا پاپا رہتے ہیں، اس بھیم گڑھ واپس چل، جس کی مٹی سے ہمارا خیمہ
 اٹھا اور جس کی آب و ہوا میں ہم نے جنم لیا تھا، جس کے پھلوں کا میں ہمارے جسم میں خون
 بن کر گردش کر رہا ہے۔"

بھیم گڑھ نے پوچھا: "کیا بھیم گڑھ فتح ہو گیا؟ کیا مغل فوجیں قلعے کے اندر
 داخل ہو گئیں؟"

عزت نے جواب دیا: "نہیں اب مغل فوجیں بھیم گڑھ میں داخل نہیں ہو سکتیں،
 بھیم گڑھ مغلوں، قزلباشوں، مغلوں کا نشانہ نہیں ہے بھیم گڑھ والوں کو اپنے منصوبے سے
 آگاہ کر دیا ہے۔ مغلوں کا امیر ٹوپ نانا میر مرتضیٰ میرے حکم پر گولہ باری شروع کر چکا ہے اور یہ
 گولہ باری اس وقت تک جاری رہے گی جب تک میں میر مرتضیٰ کو گولہ باری بند کرنے کا حکم نہیں
 دے دوں گا اور میں یہ حکم کبھی بھی نہیں دوں گا کیونکہ میں بھیم گڑھ میں داخل ہونے کے بغیر
 بھول جاؤں گا۔ میر مرتضیٰ قلعے کے بیچارے جیسے یہ مسلسل گولہ باری کسے اپنے گولے ضائع کر
 چکا ہو گا۔ نہ ساغر میں بھول گیا ہو گی، انوار قبیلے سے نکل کر مغلوں، بہلول باری کر کے تباہ ہو رہا
 کہ جسے گی اور میر جلد اور اس کی انوار جہاں سے واپس بھی جائیں گی۔"

بھیم گڑھ نے کہا: "یہ تو بڑی ہے، بڑا تو دوروں کا ساتھ دینا اور غیر متعلق ہو
 جانا لیکن تو نے مغلوں کا شک کھا لیا ہے اور اب ان کو دھوکا دینا ضروری غلطی ہے کہ
 عزت بسنے دیا۔ کیا گڑھ میں انگریزوں کا ساتھ دوں تو اپنی قوم اور وطن کا غدار
 بن جاؤں اور اگر اپنی قوم اور وطن کا ساتھ دوں تو مغلوں کا غدار کہلاؤں لیکن میر ختمیہ
 ہے کہ میں مغلوں کے ظلم و ستم سے اپنے وطن اور اپنی قوم کو بچا رہا ہوں۔ بڑا کم تو آسامی ہے کہ
 لے آئے تاکہ میں اس کو بھی ساتھ لیتا جاؤں۔"

بھیم گڑھ نے غصے سے جواب دیا: "لیکن میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی!"
 عزت نے کہا: "میں تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اس لیے تجھ کو میرے ساتھ
 چلنا پڑے گا۔"

بھیم گڑھ نے کہا: "لوئی۔" میں نے ایک بار جھک کر دیا کہ میں تیرے ساتھ
 نہیں جاؤں گی اور اگر تم گڑھ کے ساتھ جاؤ گے تو میرے ساتھ لے جانا چاہیے گا، تو میں
 شوکت میری غلطی کا بھی مذاق اڑاؤں گی۔"

عزت نے کہا: "اور میری بابت کبھی وہ شیخے سے نقل کیا۔ وہ آسامی ہے۔"

کو بھی اپنے ساتھ لے جاسکا غوث دھواں دھار بادشہ میں قلعے کے پیچھے پہنچ گیا۔ گولباری کی آواز سے زمین لرز رہی تھی اور بیھاڑی چٹانیں کانپ رہی تھیں۔ وہ قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت آغرخان اس کے سر پر پہنچ گیا اور حکم دیا "غوث الاسلام! تو خود کو میرے حملے کے بدلے۔ میں تجھ کو گرفتار کرنا ہوں!"

غوث نے سختی سے جواب دیا "آغرخان! میں اس محاذ آفرین کا کماندار ہوں اور تو میرا تخت ہے!"

آغرخان نے کہا "تو غدار ہے اور ایک غدار میرا امیر اور مغل فوج کا کماندار نہیں ہو سکتا!"

غوث الاسلام نے دھوکے سے آغرخان پر وار کر دیا لیکن آغرخان نے وار ہیکار کر دیا اور اپنے گھوڑے کو دوڑا اور غوث الاسلام کو ٹکرا کر مار دی۔ دو دن میں پہنچ کر گیا۔ اس کے گھر نے ہی آغرخان نے چھلانگ لگا دی اور اس کو دبوچ لیا اور کتوں کی بارش شروع کر دی۔ غوث نے بھی جدائی کا ردائی کرنا ہی لیکن آغرخان نے اس کی مہلت ہی نہیں دی۔

دلیر خان اور چند دوسرے مغل بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ ایک آدمی میر جملہ کے پاس روانہ کر دیا گیا اور غوث کی سازش کو بے نقاب کر دیا گیا۔ میر جملہ کا بھگا آیا اور بندھے ہوئے غوث الاسلام سے پوچھا "اودھشن خدا! یہ تو نے کیا کیا؟ غوث نے کہی" جواب نہیں دیا۔

میر جملہ نے اور زیادہ دہشتی سے کہا "تو نے یہ غدار کی بکوں کی ہاتھوں نے مغلوں کے ملک کا یہ صلہ دیا!"

غوث نے جواب دیا "میں نے کوئی غدار ہی نہیں کی۔ میں نے یہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنے تہذیب کے حق میں مغلوں کے خلاف کام کیا، پھر میں غدار کس طرح ہو گیا؟ خائن! اگر کوئی طاقت مغلوں کے ملک پر حملہ آور ہو اور میرا دل اور فوج میں میری طرح کوئی مغل بھی موجود ہو اور وہ مغلوں کے حق میں کوئی کام کر گزرتا ہے تو کیا یہ مغل قوم اس کو غدار کہہ سکتی ہے؟"

میر جملہ نے بھانپا "جنگ کے بعد تیرا فیصلہ کیا جائے گا اور اس وقت تک تو حیرت میں رہے گا!"

اس کے بعد فوج کی کمان آغرخان کے سپرد کر دی گئی۔

اس وقت ملک مغلوں کا خالص نقصان ہو چکا تھا اور مسلا دھار بادشہ نے اور

زیادہ ہے کا کہہ رکھا تھا۔ میر جملہ نے جنگ کا نقشہ دیکھا تو بالوس ہو گیا، اور اس نے آغرخان کو مشورہ دیا: "آغرخان! میر خیال ہے کہ فی الحال جنگ کو بند کر دیا جائے اور از سر نو تیاری کر کے دوبارہ حملہ کیا جائے۔"

آغرخان نے جواب دیا: "خانخانان! میں اسی جنگ کو فیصلہ کن بنا دوں گا۔" خانخانان نے اعلان کیا: "عزت الاسلام کی طرح آغرخان کو بھی معزول کیا جاتا ہے، اب دلیر خان تمہارا امیر ہے۔ آغرخان سرکش ہے، سفور سے نہیں مانتا۔" خانخانان کے اعلان نے آغرخان کو بالوس کر دیا۔ اس نے کہا: "خانخانان! تم نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے۔ اب میں یا تو اس جنگ اپنی جان دے دوں گا یا پھر فرستے حاصل کر لوں گا۔"

آغرخان نے چند مغلوں کو ساتھ لیا اور پانی سے بھری ہوئی تختریق میں چھلانگ لگا دی۔ میر جملہ میرت سے یہ منظر دیکھتا رہا، پھر دلیر خان سے کہا: "اس سر بھرے کے پیچھے جو اور اس کی مدد کر، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آغرخان کے بڑھے ہوئے قدم داپس نہیں آتے۔" دلیر خان بھی اپنے چند ساتھیوں سمیت خندق میں کود گیا۔ قلعے کی تفصیل سے گولہ باری جاری تھی لیکن آغرخان اور دلیر خان کی خوش قسمتی تھی کہ دھواں دھار بارش کی وجہ سے وہ خندق کو پھانسیا کر گئے۔ آغرخان اور دلیر خان اپنے مغل ساتھیوں کو لے کر خندق کی دوسری طرف نکل گئے۔ یہاں ان لوگوں نے زور جگہ تلاش کر لی، یہاں سے تفصیل پر چڑھ کر آگے آگے تھا، وہ تفصیل پر چڑھ چلا گیا، اس کے پیچھے دلیر خان اور دوسرے مغل تھے، ان لوگوں نے تفصیل پر چڑھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگا دیا۔ کسانوں نے انہیں تفصیل پر چڑھ کر دیکھا تو بدحواس ہو گئے۔ ان کو شبہ نہ کہ مغل فوجیں شاید قلعے میں داخل ہو چکی ہیں، چنانچہ ان کے حوصلے اکھڑ گئے۔ اور وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے، آغرخان اور دلیر خان انہیں دھڑ دھڑا کر مار رہے تھے۔ چند مغلوں نے پٹک کھنڈ دیا۔ خندق کے پار مغلوں کو میرت آئی اور وہ لوگ بھی خندق کو دوڑ کر پار کرنے لگے۔ آسامی راہ فرار اختیار کرنے لگے۔

میر جملہ کا خوشی سے عجیب حال تھا۔ مغل فوجیں بڑی تیزی سے قلعے میں داخل ہو رہی تھیں، ان کے ساتھ میر جملہ خانخانان قلعے میں داخل ہو گیا اور تفصیل پر کھڑے ہو کر ان کے دیے دیے، یہ اذان گویا اعلان فتح مندی تھا، جس نے مغلوں کے حوصلے بڑھا دیئے، مگر کسانوں کے گھٹا دیئے۔

راجا فرزند ہو چکا تھا۔ میر جملہ کو اس کے نکل جانے کا بڑا ملال تھا۔ وہ آغرخان اور دلیر خان

غوث نے پوچھا: ”بھائی گیتی! تیرا کیا خیال ہے؟ کیا تجھے مداف کر دیا جائے گا؟“
 بھائی گیتی نے جواب دیا: ”مٹا دینا نہیں، ویسے میں مغلوں کو بھید سے زیادہ
 نہیں جانتی۔“

غوث کی آنکھیں بھر آئیں۔ بولا: ”بھائی گیتی! جہانگیر لکھنؤ میں میری ایک بیوی اور ایک
 بیٹی ہے، میرے مرنے کے بعد ان دونوں کا معلوم نہیں کیا جہتہ ہو گا؟“
 بھائی گیتی اس کی صورت دیکھتی رہی۔

غوث نے کہا: ”بھائی گیتی! میری تجھ سے ایک درخواست ہے۔“

بھائی گیتی نے پوچھا: ”کون سی درخواست؟“

غوث نے جواب دیا: ”آغرخان میرا بہترین دشمن ہے، ہم دونوں ایک دوسرے سے
 نہایت نفرت کرتے ہیں، میری خواہش ہے کہ تو اس سے شادی کر لے۔“

بھائی گیتی نے کہا: ”تیری نفرت سے میرا کیا تعلق ہے؟ میں نے تو اس بہادر کو اپنا دل دے
 دیا ہے اور اسے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی جڑی خرابی نہیں دے سکتی۔“

غوث چند لمحوں تک بھائی گیتی کو گھومنا رہا، اس کے بعد آہستہ سے کہا: ”اب تو جا
 سکتی ہے۔“

جب وہ چلی گئی تو غوث نے خاٹھاناں سے کہا: ”خاٹھاناں! میں آغرخان سے ملنا
 چاہتا ہوں!“

خاٹھاناں نے ایک خدمت گار کو حکم دیا: ”آغرخان کو بلایا جاتے۔“

اگر آغرخان کے آنے سے پہلے ہی خود وہاں سے بھاگ گیا۔ آغرخان آیا تو غوث نے
 نرم جوشی سے سلام کیا۔ آغرخان نے جڑی سر دھری سے سلام کا جواب دیا۔

غوث نے کہا: ”آغرخان! تو ایک بہادر انسان ہے، میں نے تجھ کو اس لیے نہایت
 ہی بے کمرے سے پہلے تیرا ایک احسان لے لیا۔“

آغرخان نے بے مروتی سے کہا: ”جو کچھ کہنا چاہتا ہے، جلد کہہ دے، میرے پاس
 ہرے لیے زیادہ وقت نہیں ہے۔“

غوث نے پوچھا: ”تو نے کہا: ”سنا ہے بھائی گیتی تجھ سے محبت کرتی ہے۔“

آغرخان نے بے مروتی سے کہا: ”کرتی ہو گی، اپنے نہیں۔“

غوث نے غور سے ملاحظہ کیا: ”وہ میرے ماما کا کھن پانی کی لڑکی ہے، میں چاہتا ہوں کہ
 تو اس سے شادی نہ کرے۔ اگر میرے مرنے کے بعد تو نے اس سے شادی کر لی تو میری روح
 ایک مستقل عذاب میں گرفتار رہے گی۔“

آغرخان نے جواب دیا: "غوث! مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں اس سے شادی کروں
 گایا نہیں۔ لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ میری طبیعت اس سے شادی کرنے سے ہمراہ
 نہیں ہوتی۔"
 دو ساعت بعد خانخانان کے حکم پر غوث کو قتل کر دیا گیا۔

خانخانان مقررہ راج کے تعاقب میں جانا چاہتا تھا لیکن آغرخان اس کی سرمدہ
 سے تنگ آچکا تھا۔ ادب وہ عزیز خانخانان کے زیر فرمان نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس کو
 بھاگنے پر آمادہ تھا۔ اس نے عبد اللہ کے ذریعے بھاگنے کی ہدایت کی۔ اس
 نے یہاں تک کہہ دیا کہ دو دنوں ایک دوسرے کی زبان سے نوافل ہیں، اس لیے یہ چیز بہت تنگ
 کر دے گی، دوسری بات یہ کہ ایک آغرخان کے لیے اس کو اپنا ملک، قوم اور خاندان کو جیتنے
 کے لیے خیر باد کہنا ہوگا، دوسرے یہ کہ آغرخان ایک سیاہی ہے اور بہت نہیں اسام کے بعد
 اس کو کس درد مند محاذ پر جانا پڑ جائے، وہ کسی ہم میں مانا بھی جاسکتا ہے اور اگر وہ کہیں
 گیا تو اس کی عمر محدود رہے گی۔

ان تمام باتوں کا بھاگنے کے پاس صرف ایک ہی جواب تھا: "میں تیار ہوں سوچنے
 کی عادی نہیں ہوں۔" غوث نے اس کے جواب پر اس کی تعریف کی کہ اس نے اس کی تعریف کی
 ہوں۔

آغرخان نے کہا: "اچھا! تو کچھ کچھ اور سوچنے دے۔"
 بھاگنے نے بیس منٹ طے کی: "بس زندگی بھر سوچنا ہی ہے۔"
 آغرخان ساری رات کو دل میں بدلتا رہا، جسے نماز فجر سے پہلے اٹھانے پر بھی اور جب
 مغرب کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر خانخانان کے محل کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنی
 جیب میں کاغذ ایک قلم اور دو روٹ پہلے ہی سے رکھ لی تھی۔ خانخانان نماز فجر پڑھ کر فرار
 جیسے کی تلاوت میں مشغول تھا، آغرخان اپنے مغل دوستوں کے ساتھ محل کے دروازے پر پہنچا
 تو بہت دیر سے ان کو روکنا چاہا، مگر آغرخان نے ان کو روک دیا ہی سے دھمکایا: "احمق
 میری راہ سے ہٹ جاؤ ورنہ تمہیں گھوڑوں سے روند کر دوں گا۔"

دربان ہٹ گئے اور آغرخان اور اس کے ساتھی گھوڑے دوڑاتے ہوئے خانخانان
 کے سر پر پہنچ گئے۔ خانخانان انہیں اپنے سر پر دیکھ کر بہشتیان ہو گیا۔ وہ آغرخان کے
 پیچھے سے نکل گیا۔

آغرخان نے کہا: ”خاناناں! تو مجھ سے بات نہیں کرتا، تو نہ کر، مجھ کو کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ میں نہ رنجی کا وہ مطلب نہیں لیتا جو عموماً لیا جاتا ہے۔ میں اب دہلی واپس جانا ہوتا ہوں۔ اس لیے تو مجھ کو پروا نہ ہے! بہاری لکھ دے۔“

خاناناں نے ملنے کی کوشش کی: ”آغرخان! اس وقت تو کوئی خشکی بھی نہیں جس سے تیرا پروا نہ بہاری لکھو اور۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”خاناناں! میری درخواست ہے کہ امیر اپنے ہاتھ سے دستک بدولت بہاری لکھ دوں، یہ میرے لیے امتیاز ہوگا۔“

خاناناں نے کہا: ”اس وقت تو یہاں نہ کاغذ ہے، نہ قلم نہ دولت، میں دستک میں تو کس طرح اور کس چیز پر لکھوں؟“

آغرخان نے اپنی جیب سے کاغذ، قلم، دولت نکال کر خاناناں کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں: ”یہ اعتراضات میرے سر ہی جاؤں گا۔“

خاناناں نے آغرخان کے چہرے پر ایک اچھٹی نظر ڈالی اور ان عزائم کو پڑھ لیا جو رخان لے کر آیا تھا، وہ خوب جانتا تھا کہ اگر آغرخان کو بدولت بہاری نہیں دیا گیا تو یہ جی انسان کچھ بھی کر سکتا ہے خاناناں نے فیذاً ہی دستک لکھ کر آغرخان کے مولے کو دی رخان نے اس پر خاناناں کی مہر بھی لگوا لی۔

یہاں سے اٹھ کر وہ عبداللہ کے پاس پہنچی اور اس کو تخیلیہ میں سمجھایا: ”عبداللہ! دہلی جا رہا ہوں۔“

عبداللہ نے حیرت سے پوچھا: ”کیا خاناناں نے راجا کے لغائب کا ایسا ترک دیا ہے؟“

آغرخان نے جواب دیا: ”میں، خاناناں تو یہیں رہے گا۔ میں جا رہا ہوں کیونکہ میں حملہ کی سرمد مہری کو نہ یادہ دنوں تک نہیں برداشت کر سکتا۔“

عبداللہ نے دڑتے دڑتے پوچھا: ”کیا بھائی آپ کے ساتھ جائے گی؟“

آغرخان نے جواب دیا: ”میں، اس سلسلے میں مجھ سے باہیں کرنا چاہتا ہوں، درجہ بچھ بتائے بغیر ہی چلا جاتا۔“ عبداللہ کو لگوں کی طرح آغرخان کو تھکنے لگا۔

آغرخان نے سمجھ لیا: ”عبداللہ! تو تین دن تک میری دعا لگی کی خبر کو بھائی گرتی ہے اسے رکھے گا۔ جو چھ دن اس کو نوصاف حاف بتا دے گا کہ میں ہمیشہ کے لیے آرام سے نیا اندر بکھی اوجھڑ نہیں آؤں گا۔ اس کو اپنے طور پر یہ سمجھا تا کہ وہ جذبات میں آکر

عمو کو تباہ کیسے دے رہی ہے کیونکہ مجھ سے شادی کر کے وہ خوش نہیں رہ سکتی تھی۔ میں
پیشہ سپاہ گری کا انسان، ملکوں ملکوں، شہروں شہروں، تلوار بکف گھوڑے دوڑنے والا
انسان تھا گیری کو دفت بھی تو نہیں دے سکتا تھا، بھری عدم موجودگی میں اس کو ایک ایسے
ماحول میں رہنا پڑتا، جس کی زبان، مذہب، تمدن، ہر چیز اس سے مختلف ہوتی اور وہ ہماری
خواتین کے حصار کا بھی شکار ہو جاتی۔“

عبداللہ نے دے لفظوں میں کہا ”سردار! وہ بڑی جذباتی لڑکی ہے، آپ کی سوانحی
اور آپ کی جذباتی مامعہ میرا اس کو برباد کر کے رکھ دے گا۔“
آغرخان نے سختی سے کہا ”تو اس کو سمجھاتے گا۔“
عبداللہ نے وعدہ کر لیا کہ وہ اس کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔

آغرخان اپنے چند مغل دوستوں کے ساتھ خاناناں سے عطا ہو گیا اور جہانگیر نگر
سوانح ہو گیا، جہاں سے اس کو دہلی جانا تھا۔ آسمان کو چھوڑنے ہوئے اس کا دل دکھ رہا تھا کہ
بھاگیری کی معصومیت بار بار اس کے پاؤں پر گر رہی تھی لیکن وہ دل پر جبر کر کے جا رہا تھا۔
بھاگیری آغرخان کو تلاش کرتی رہی۔ مغل اس کی زبان نہیں جانتے تھے اس لیے وہ
کسی سے پوچھ بھی نہ سکی تھی۔ وہ عبداللہ کو تلاش کرتی رہی وہ بھی نہیں ملا۔ مشکل چمکتی
دن ملا تو بھاگیری نے بے چینی سے پوچھا۔ ”یہ آغرخان کہاں گم ہو گیا عبداللہ؟“
عبداللہ نے اپنے چہرے پر ہمدستی سے دھم کا تانہ پیدا کر کے کوشش کی، بولا۔
”بھاگیری! اس پر بادشاہ کا عتاب فائدہ ہوا تھا، بادشاہ نے اس کو خود ہی دہلی طلب کر لیا
لیکن وہ وعدہ کر گیا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ واپس ضرور آئے گا۔“

عبداللہ یہ جھوٹ اس لیے بول رہا تھا کہ وہ بھاگیری کے دل کو ایک دم نہیں
توڑنا چاہتا تھا اور اس کو بھی اس ہمدست آدمی کا بھاگیری چکھ گئی۔ ”وہ دہلی چلا گیا، وہ
واپس آئے گا۔“

عبداللہ نے جواب دیا۔ ”وہ ضرور واپس آئے گا کیونکہ آغرخان ایک بہادر انسان
ہے اور بہادر لوگ اپنے وعدے کا بڑا پاس کرتے ہیں!“
بھاگیری کی حالت غیر ہونے لگی۔ ”اس کو مجھ سے مل کر جانا تھا۔“
عبداللہ نے جواب دیا۔ ”بھاگیری! اس کو نہ ہمدستی لے جایا گیا ہے، نہ وہ وہ
بغیر ہرگز نہ جاتا۔“

بھاگیری کا ب مغل فوج میں رہنا بیگانہ تھا۔ وہ مغلوں کے بیچ سے نکل کر اپنے باپ
کے پاس چلی گئی۔

پہاڑی کی سطح، سمندر جگہ پر، جہاں نین راستے مختلف سمتوں میں چلے گئے تھے اور جس کا ایک راستہ نشیب میں اترتا چلا گیا تھا، بھاگپتی کا ہتھیر بلا مکان اس کا انتظام کر رہا تھا، ناظر مشہدہ دیکھ لیوں کا مدوارہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئی، اس کا باپ اپنی بہن اور بھانجی کے ساتھ بیٹھا بائیں کمرہ ہا تھا، اس نے بھاگپتی کو دیکھتے ہی خوشی کی آواز نکالی۔ بولا۔ ”بھاگپتی! تو آگئی، اس وقت تیرا ہی ذکر ہمیں ہوا تھا، حمدھر کدھر ہے؟“

بھاگپتی نے سوگوارہ آواز میں جواب دیا۔ ”ہاں باپ، جی میں آگئی، حمدھر غدارہ تھا، مارا گیا!“

دراکھن پال جی نے چونک کر پوچھا۔ ”حمدھر غدارہ تھا، کس کا غدارہ تھا؟“

بھاگپتی نے جواب دیا۔ ”اپنے ملک، اپنے وطن، اپنی قوم، اپنے تہذیب اور عہد اپنا بھی۔ وہ مغلوں کا بھی غدارہ تھا اور اسلام کا بھی۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس نے ساتھ کسی کا بھی نہیں دیا۔“

حمدھری ماں جیج پٹری۔ ”لڑکی! اپنی زبان کو قابو میں رکھ، میرا بیٹا غدارہ نہیں ہو سکتا۔“

حمدھری بہن بھی نہ دری۔ ”بھاگپتی! انہی تجھے خوش نہ رکھیں، میرے بھائی کو غدارہ نہ کہہ۔“

بھاگپتی نے پورا واقعہ بتا کر کہا۔ ”مغلوں نے اس کو قتل کر دیا۔ حمدھر کو میں نے غدارہ نہیں کہا، بلکہ وہ بخائی غدارہ۔“

حمدھری ماں اور بہن اسی وقت اپنے گھر چلی گئیں۔ دراکھن پال جی نے اپنی بیٹی میں پہلی جیسی شوخی اور شرارت محسوس نہیں کی، بلکہ وہ بھاگپتی کو غم زدہ محسوس کر رہا تھا اس نے سوچا، بھاگپتی کو حمدھر کا غم پریشان کر رہا ہو گا۔ تسلی دینے کے لیے کہا۔ ”بھاگپتی! جو کچھ ہوا، اس کا مستقل سوگ سنانا فضول ہے، حمدھر نہیں تو اور کئی نوجوان ہیں۔“

بھاگپتی نے نہ ہر ملی ہنسی میں جواب دیا۔ ”باپ جی! یہ تجھ سے کس نے کہہ دیا کہ میں حمدھر کے غم میں گھل رہی ہوں۔ میں اس غدارہ سے شادی کبھی بھی نہ کرتی۔ نہ ہی یہ بات کہ شادی کے لیے کسی اور نوجوان ہیں، تو میں اپنے دل کا راز اب نہیں چھپاؤں گی۔“ پھر مشکل رک رک کر کہا۔ ”باپ جی! میں نے ایک بہادر نوجوان سے شادی کر لی ہے۔“

باپ نے حیرت سے پوچھا۔ ”تو نے کس سے شادی کر لی ہے؟ وہ نوجوان کون ہے اور کہاں ہے؟“

بھاگپتی نے جواب دیا۔ ”باپ جی! وہ نوجوان نرک (مسلان) ہے، اس کا نام آفر

خان ہے، ادھی اپنے بادشاہ کے پاس گیا اور لے لیکن وہ دعوہ کر گیا ہے کہ میرے پاس دلیس آجاتے گا، وہ بہادر ہے اور بہادر غلط دعوے نہیں کرتے۔

راکھن پال جی کو ایسا لگا تو بھاگ گئی کا دماغی توازن دھست نہیں ہے، *
 آغرخان دہلی پہنچا، لیکن اس سے پہلے ہی خاناناں کا قاصر پہنچ چکا تھا خاناناں نے آغرخان کی بہادری کی تعریف اور سرکشی کی شکایت لکھ بھیجی تھی، اورنگ زیب نے چند دنوں تک اس کو معذرت رکھا، لیکن بعد میں اس کو صوبہ کابل روانہ کر دیا۔ کابل کے بعد اس کو دکن کی مہم پر روانہ کر دیا گیا۔ وہاں مرہٹوں سے بڑی خوفناک جنگیں لڑیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کو دوبارہ شاہی میں طلب کر لیا اور چند ماہ رک کر دوبارہ کابل روانہ کر دیا۔ لیکن جب دکن میں پھر برہمنی پھیلی اور دہلی کسی لائق فوجی کی ضرورت محسوس ہوئی تو بادشاہ نے پھر ایک بار آغرخان کو دکن روانہ کر دیا۔ دکن میں اس نے غیر معمولی کارنامے انجام دیے۔ ابھی وہ دکن میں مہم پر پیکار تھا کہ اکبر آباد کے نواح میں جاؤں کی سرکشی نے اس دامن تہمہ و بالا کر دیا۔ آغرخان کو دکن سے پھر بلوایا گیا اور شاہی حکم جاری ہوا کہ جاؤں کے گوشمالی کی جائے۔

آغرخان نے جو کچھ عبداللہ سے کہا تھا۔ وہ سچ اتر رہا تھا۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں رہ سکتا تھا، وہ کبھی دکن میں تھا، کبھی کابل میں اور کبھی اکبر آباد کے نواح میں۔ اس کو مہم حضرت میں بھولی بھالی، سیدھی سادی، معصوم بھاگ گئی یاد آتی رہی، وہ اس لڑکی کی محبت کو کسک کی شکل میں برابر محسوس کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اکبر آباد کے نواح کی ایک گڑھی میں جب اس کا سرکش جاؤں سے مقابلہ ہوا تو بہادر آغرخان کو بیوں کی بوچھاڑ میں اپنی عادت کے مطابق کھٹتا چلا گیا، کسی جاٹ کی ایک گولی اس کے سر کو پاش پاش کر گئی۔ اور وہ خود ابھی مر گیا۔ بعد میں شاہی فوج نے جاؤں کو شکست دے دی اور آغرخان کو اسی گڑھی میں اعزاز و احترام کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

لیکن اکبر آباد سے سینکڑوں میل دور جھیم گڑھ میں بھاگ گئی آغرخان کے انجام سے بے خبر اس کا انتظام کیے جا رہی تھی، بھاگ گئی کا ایمان تھا کہ آغرخان بہادر ہے اور بہادر لوگ جھیم گڑھ سے نہیں کہتے، اس لیے آغرخان ایک نہ ایک دن اس کے پاس پہنچے گا۔ ضرورتاً فی دنوں تک بھاگ گئی جھیم گڑھ میں گھر گھر جانی اور یہی کہنی کا اکر آغرخان نامی ایک ترک میرا پوتہ پوچھتا ہوا آئے تو اس کو میرے گھر پہنچا دینا وہ میرا شوہر ہے۔ لیکن جب وہ ساہو سال کے بعد بھی نہ آیا تو بھاگ گئی کی زبان بند ہو گئی اور وہ سراپا انتظار بن گئی۔